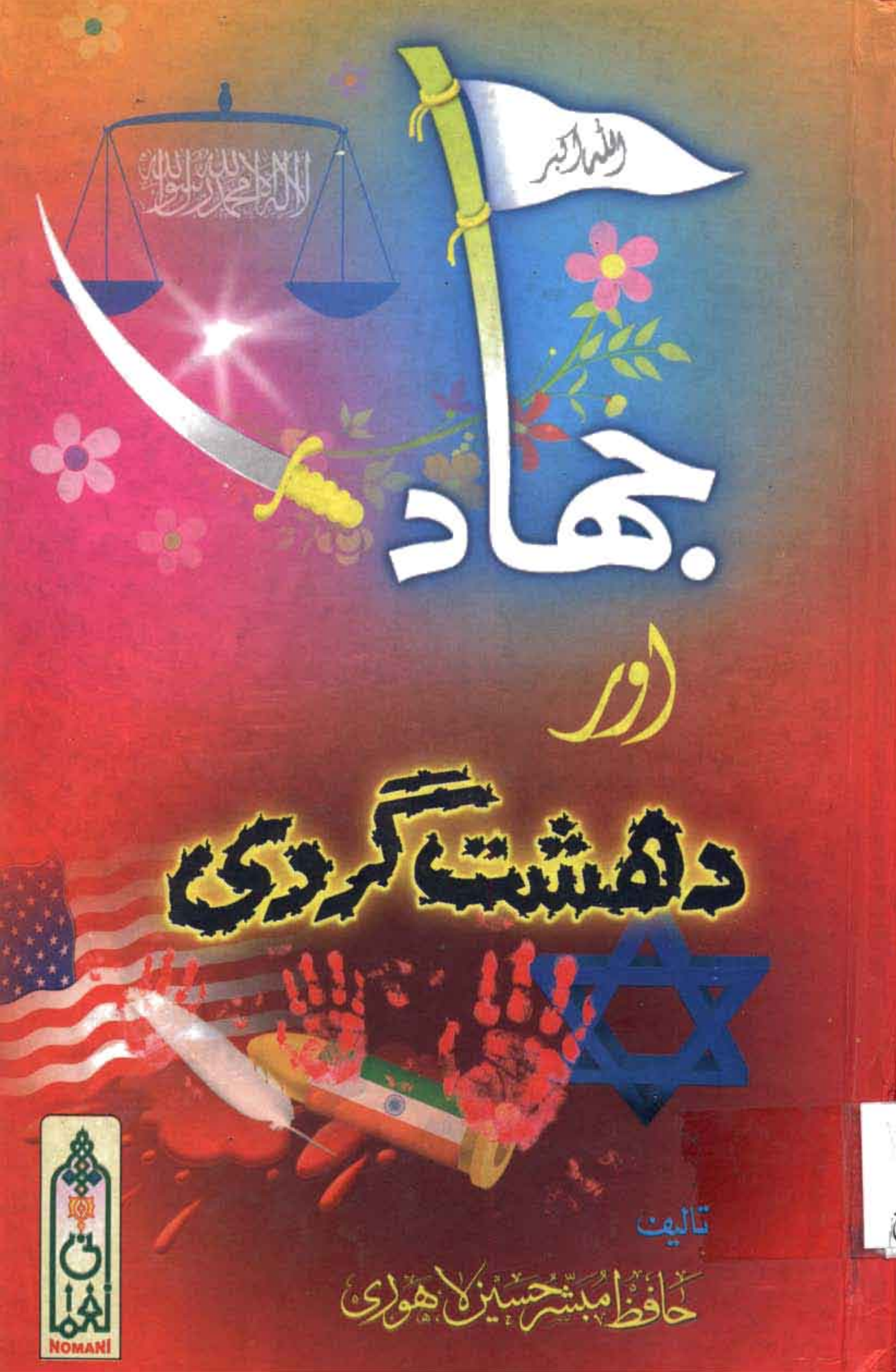
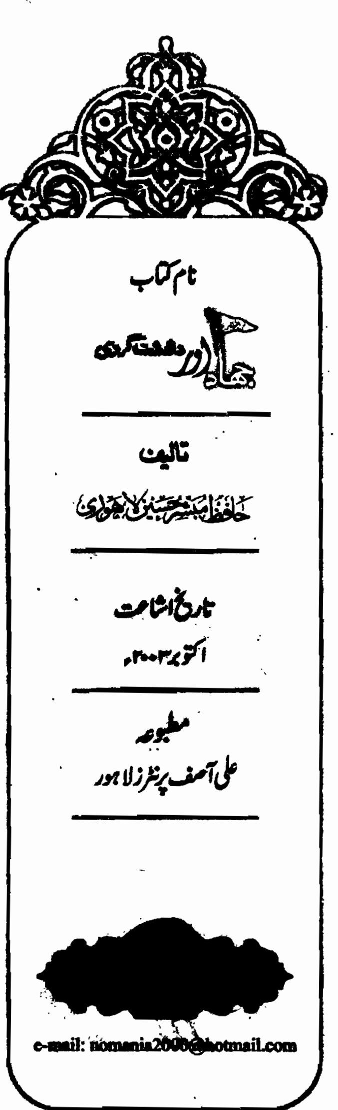

اللہ اکبر
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
جہاد
اور
دہشت گردی
تالیف
حافظ مبشر حسین لاہوری
NOMANI



نام کتاب

جہاد اور دہشت گردی

تالیف

حافظ مبشر حسین لاہوری

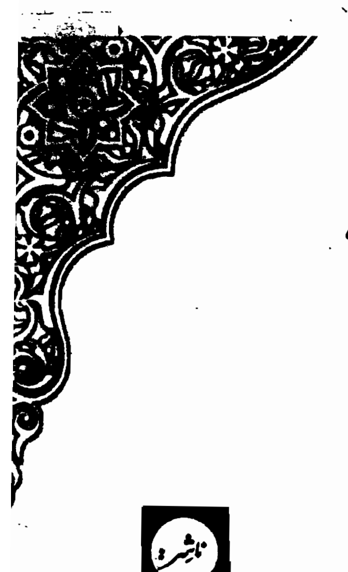
تاریخ اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۳ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

e-mail: nomania2000@hotmail.com



ناشر

مُبشر اکیڈمی۔ لاہور




جہاد
اور
دہشت گردی


لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللہ اکبر
جہاد
اور
دہشت گردی
ناشر
مبشر اکیڈمی۔ لاہور
فون: ۷۳۲۱۸۶۵



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست





پیش لفظ

اسلام اور مسلمانوں کو مطعون کرنے کے لئے مغرب نے ہمیشہ نئے سے نیا حربہ استعمال کیا ہے۔ ایک حربہ ابھی پرانا نہیں ہو پاتا کہ اس کی جگہ اس سے زیادہ مؤثر حربہ تلاش کرلیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے "بنیاد پرستی" کی اصطلاح وضع کی گئی۔ یہ اصطلاح، جسے بطور گالی مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا، ابھی اپنا اثر کھونہیں پائی تھی کہ اس کی جگہ اس سے بڑی گالی اور اس سے زیادہ وحشت و بربریت کی ترجمان اصطلاح یعنی "دہشت گردی" ایجاد کر لی گئی۔ بس پھر کیا تھا کہ ہر طرف مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جانے لگا۔ بلکہ نوبت ایں جا رسید کہ مسلمان اور دہشت گرد کو دنیا بھر میں مترادف کے طور پر بولا، لکھا، پڑھا اور سمجھا جارہا ہے۔۔۔!!

یہ بنیاد پرستی، انتہا پرستی کیا ہے؟ دہشت گردی کس بلا کا نام ہے؟ اسلام کو دہشت گرد دین ڈیکلئیر کیوں کیا جارہا ہے؟ اصلاً دہشت گرد کون اور دہشت گردی کا شکار کون ہے؟ دنیا بھر میں ظلم و جارحیت کا مرتکب کون اور مظلوم کون ہے؟ مذہبی، ریاستی، اور سیاسی دہشت گردی کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ دہشت گردی اور اس کے انسداد کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ فدائی اور خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ردعمل اور ظلم کا بدلہ لینے

کے لئے قانون ہاتھ میں لینے کی گنجائش کتنی ہے؟ جہاد اور دہشت گردی میں فرق کیا ہے۔۔۔۔؟ یہ اور اس جیسے بیسیوں سوالوں کے جواب تو آپ کو اس کتاب میں مل جائیں گے، البتہ سردست چند ایک چیزوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

بنیاد پرستی:

لغوی اعتبار سے بنیاد پرستی کوئی مذموم لفظ نہیں کیونکہ اس کا لغوی معنی ہے کسی بھی چیز، نظام، عقیدہ، فلسفہ اور نظریہ کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرنا۔ اور یہ بات تو بجائے خود مستحسن ہے کہ آدمی جس نظام یا جس مذہب کا پیروکار ہو، اس کے بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتا ہو۔ اور ویسے بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی بھی عقیدہ و نظریہ ہو یا علم وفلسفہ۔۔۔ اس کی کوئی نہ کوئی مبادیات (بنیادی اصول وقواعد) ضرور ہوتے ہیں۔ بلکہ جس نظام، فلسفہ، عقیدہ، نظریہ یا علم وفن کی کوئی بنیاد ہی نہ ہو، وہ فی الواقع کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔۔۔!

یہ تو تھا بنیاد پرستی کا لغوی مفہوم، اب آیئے اس کے اصطلاحی مفہوم کی طرف:

بنیادی طور پر بنیاد پرستی کی اصطلاح کا اطلاق یورپ کے ان عیسائیوں پر ہوتا ہے جنہوں نے سائنسی نظریات اور جدید تحقیقات کو اپنی مذہبی کتاب ''بائبل'' (جو تورات، انجیل اور زبور کا مجموعہ ہے) کے خلاف سمجھتے ہوئے ان سائنسی تحقیقات کی مخالفت کی۔ یہ مخالفت اس لئے پیش آئی کہ سائنسی تحقیقات، بائبل یا دوسرے لفظوں میں عیسائی مذہب کے بہت سے ایسے نظریات کو غلط ثابت کر رہی تھیں جو پہلے سے عیسائی دنیا میں مسلمہ چلے آرہے تھے۔ اگر ان سائنسی تحقیقات کو درست تسلیم کر لیا جاتا تو اس سے نہ صرف یہ کہ عیسائی علما اور مذہبی پیشواؤں کو معاشرے میں قائم اپنی بالادستی ختم ہونے کا واضح اندیشہ تھا بلکہ اس کے ساتھ انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر بائبل ہی جھوٹی ثابت ہوگئی تو پھر ہمارا مذہب ہی جھوٹا سمجھ لیا جائے

گا۔ چنانچہ انہی باتوں کے پیش نظر عیسائیوں کے بہت بڑے طبقہ نے جو بعد میں اقلیت میں تبدیل ہو کر رہ گیا، ان جدید علوم کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دی۔ بلکہ مذہبی روایات پر مستحکم ایمان رکھنے اور جدید نظریات کو لغو قرار دینے کے لئے انہوں نے سیاسی، عسکری، مادی، روحانی اور فکری ہر طرح کا حربہ استعمال کیا۔ لیکن ان کی موٹی موٹی باتیں بھی صریح طور پر سائنس کے متفقہ اصولوں کے خلاف جا رہی تھیں، اس لئے رائے عامہ ان کے حق میں ہموار ہونے کی بجائے ان کے خلاف ہو گئی۔ اور انہیں ازراہِ حقارت 'بنیاد پرست' کہنے لگی۔

جبکہ دوسری طرف مذہب کی فرسودہ روایات پر عمل کرنے والے ان عیسائیوں نے بھی اپنے آپ کو بنیاد پرست تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ مگر فرق صرف اتنا تھا کہ یہ ازراہ فخر اپنے آپ کو بنیاد پرست کہتے اور ان کے مخالف ازراہ حقارت ان کے لئے کہ یہ لفظ استعمال کرتے۔

ان عیسائی بنیاد پرستوں نے جب مذہبی روایات کا پاس رکھنے کے لئے انتہائی تشدد کی راہ اختیار کی، اور اپنے مخالفین کو قتل کرنا شروع کر دیا تو ان کے خلاف ردعمل کے طور پر مادہ پرستی کی ایک ایسی لہر اٹھی جس نے نہ صرف یہ کہ دین عیسوی کو قول وعمل کی زندگی سے نکال باہر کیا بلکہ دیگر مذاہب (بالخصوص اسلام) اور ان کے ماننے واہوں کو بھی اسی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا جس نگاہ سے وہ بائبل اور اس کی فرسودہ روایات پر عمل کرنے والے ان عیسائیوں کو دیکھتے تھے۔ حتی کہ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں دنیا بھر میں ان تمام لوگوں کو بنیاد پرست قرار دیا جانے لگا جو کسی بھی مذہب کو عملی واجتماعی زندگی کی بنیاد قرار دیتے۔ البتہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے ان کے مذاہب کا 'سابقہ' استعمال کر لیا جاتا اور اس طرح یہودی بنیاد پرست، ہندو بنیاد پرست، اور مسلم بنیاد پرست کے الفاظ دنیا میں سنے جانے لگے۔

اسلامی بنیاد پرستی کی حقیقت

یہاں یہ بات یادرہے کہ بائبل کے خلاف ثابت ہونے والے سائنسی انکشافات نے جو یہ ذہن پیدا کردیا کہ۔۔۔۔"ہر مذہب ہی فرسودہ نظریات کا پلندہ ہے اور عملی واجتماعی زندگی میں اس کی کوئی ضرورت نہیں"۔۔۔۔تو یہ بات اصولی طور پرغلط ہے۔اس لئے کہ مذہب اگر خدا کی طرف سے آیا ہے اور حرف بحرف اپنی اسی اصلی شکل میں محفوظ وموجود ہے جس میں کہ اسے خدا نے بھیجا تھا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود خدا ہی کے نظام قدرت کے وہ خلاف ہو؟

البتہ اگر کسی نظریہ میں سائنس اور مذہب کا ٹکراؤ ہو تو پھر لامحالہ دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی یعنی یا تو سائنسی تحقیق ابھی نامکمل، ناقص اور غلط ہے یا پھر مذہبی نظریہ ہی تحریف وتغیر کا شکار ہو چکا ہے۔دیگر ادیان ومذاہب جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہاں ان کی تاقیامت حفاظت کی اللہ تعالی نے ذمی داری نہیں اٹھائی جبکہ دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالٰی نے اٹھائی ہے۔کیونکہ یہ اب آخری آسمانی اور تاقیامت رہنے والا دین ہے۔اس لئے اسلام کے عقائد ونظریات سائنسی تحقیقات کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتے۔اگر کہیں ایسا محسوس ہو تو پھر وہاں اصولی فیصلہ یہ ہے کہ سائنسی تحقیق ہی نامکمل ہے۔

بنیاد پرست عیسائیوں کی مخالفت کرنے والوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ۔۔۔۔"یہ مذہبی کتاب (بائبل) جدید دور کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتی۔۔۔۔"فی الواقع ان کا یہ خیال درست تھا کیونکہ بائبل (تورات،انجیل،زبور) میں موجود تعلیمات چند مخصوص علاقوں اور ایک مخصوص زمانے تک کے لئے تھیں،البتہ اسلام کے بارے میں بھی یہی بات متصور کر لینا بجا طور پرغلط ہے۔اس لئے کہ اسلام کی تعلیمات نہ تو علاقائی طور پر محدود ہیں اور نہ انہیں زمانی طور پر محدود کیا گیا ہے بلکہ اللہ تعالٰی نے اس میں اتنی وسعت اور لچک

رکھی ہے کہ تا قیامت پیش آمدہ تمام مسائل میں یہ اپنے والوں کی راہنمائی کر سکے۔ اور اسکی ان وسعتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اجتہاد کا دروازہ بھی قیامت تک کے لئے کھلا رکھا گیا ہے۔ البتہ یہ اجتہادی دروازہ ہر کس و ناکس کے لیے نہیں بلکہ صرف ان اہل علم کے لئے ہے جو اسلام کے مجموعی مزاج شناس ہوں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ جس طرح اسلام کی وسعت کا یہ معنی نہیں کہ گردش ایام سے جو نظریہ، فلسفہ اور فکر سامنے آئے، اسے بعینہ اسلام میں ایڈجسٹ کر لیا جائے، (بلکہ اسلام کا اپنا مجموعی نظام ہے)۔۔۔۔۔ اسی طرح اسلام میں اتنی تنگی بھی نہیں کہ اسلام قبول کر کے مسلمان کی زندگی ہی اجیرن بن جائے۔ مگر افسوس کہ خود مسلمانوں ہی میں ایک طرف ایسے 'دانشور' بھی موجود ہیں جو ہر چیز کے ساتھ محض 'اسلامی' کا اضافہ کر کے اسے 'مسلمان' بنا لینے کی مہارت رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف ایسے اصحاب جبہ و دستار بھی ہیں جو ہر چیز پر 'غیر اسلامی'، 'غیر اسلامی' کی مہر لگاتے پھرتے ہیں۔ اس طرح دور حاضر میں مسلمانوں کا ایک طبقہ تو کلی طور پر ان لوگوں کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے جو عیسائی بنیاد پرستوں کے ردعمل میں پیدا ہوا تھا اور دوسرا طبقہ ان لوگوں کا سا کردار ادا کرتا دکھائی دیتا ہے جو فی الواقع "بنیاد پرست" تھے۔ حالانکہ اسلام نہایت متوازن دین ہے، اس لئے اسے جو توازن و یکسانیت اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھی ہے، از راہ کرم اسے اس سے پس و پیش نہ کیا جائے۔

دہشت گردی

بنیادی طور پر دہشت گردی کی اصطلاح بھی مغرب ہی نے متعارف کروائی ہے اور پھر خود ہی مغرب نے اسے موم کا ایسا پتلا بنا لیا کہ جدھر کو وہ چاہیں، ادھر ہی اس کی ناک سیدھی کر لیں۔ کتاب ہذا میں مغرب ہی کی طرف سے پیش کردہ دہشت گردی کی مختلف تعریفوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان کا مصداق مسلمان ہرگز نہیں۔ مثلاً

۔۔۔"اگر معصوم و بے گناہوں کو قتل کرنا دہشت گردی ہے"۔۔۔"اگر دیگر قوموں ،ملکوں اور حکومتوں کے معاملات میں دخل اندازی کرنا دہشت گردی ہے"۔۔۔۔"اگر جنگ وجارحیت کا ارتکاب دہشت گردی ہے"۔۔۔تو پھر نہ صرف نظری بلکہ عملی وواقعاتی حقائق کی روشنی میں دکھایا گیا ہے کہ اس کا مرتکب کون ہے؟!اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مغرب نے مسلمانوں کے لئے دوہرے معیار قائم کر رکھے ہیں ،جو چیز مسلمانوں کے لئے انہیں دہشت گردی دکھائی دیتی ہے،اگر اسی کا ارتکاب وہ خود کریں تو وہ اسے اپنا حق قرار دیتے ہیں۔۔۔!!!

سچی بات یہ ہے کہ دہشت گردی خواہ مذہبی نوعیت کی ہو یا سیاسی اور ریاستی نوعیت کی ۔۔۔اسلام ہر طرح کی دہشت گردی کے خلاف ہے،خواہ اس کا ارتکاب کوئی مسلمان ہی کیوں نہ کرے،وہ بھی بارگاہ خداوندی میں اسی طرح مذموم ہے جس طرح کوئی اور۔۔۔!

اس سلسلہ میں کتاب ہذا میں ایک باب مختص کیا گیا ہے اور اس میں چند ایک ان واقعات پر بحث کی گئی ہے جن کا ارتکاب نہ صرف یہ کہ مسلمانوں نے کیا بلکہ اس ارتکاب پر انہوں نے اعتراف بھی کیا ہے۔ان واقعات کے منفی ومثبت پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ایسے واقعات اور ان کے مرتکب افراد سے اسلام بری الذمہ ہے!! لیکن اس کے باوجود ایسے چند واقعات کی بنیاد پر پورے اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو مطعون کرنا،کہاں کا انصاف ہے؟؟؟

اسلامی دہشت گردی!!

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں نہ صرف یہ کہ ظلم و جبر کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ مسلمانوں کو اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کو غالب کرنے کے لیے حالات کی مناسبت سے جہاد وقتال کی راہ بھی اختیار کریں۔ بلاشبہ

سینکڑوں آیات میں اس طرح کے احکام کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔اسی نوعیت کی آیات کو لے کر مسلمانوں کو بدنام کیا جاتا ہے کہ ''جی دیکھئے! اسلام تو صاف دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے!''۔۔۔حتی کہ اس نوعیت کی بعض آیات کو ہدف تنقید بناتے ہوئے دنیا بھر میں مسلم حکومتوں سے مطالبے ہونے لگے کہ ان آیات کو اپنے درسی نصاب سے خارج کرو۔۔۔ان کی تعلیم بند کرو۔۔۔جن مدارس اور اسلامی یونیورسٹیوں میں ان کی تعلیم دی جاتی ہے، ان پر پابندی عائد کرو۔۔۔۔حتی کہ یہاں تک کہا گیا کہ انہیں قرآن ہی سے نکال باہر کرو۔۔۔!!

دوسری طرف مسلم حکومتیں مرعوبیت ومغلوبیت کی وجہ سے معذرت خواہانہ انداز سے ان مطالبات کو پورا کرنے پر کمربستہ ہوگئیں۔حتی کہ معاملہ آخری مطالبہ پر آ کر رک گیا کیونکہ قرآن مجید سے ایسی آیات کو نکالنے کی جرأت کون بدبخت کرتا۔گویا معاملہ جوں کا توں اسی درجہ پر آ گیا کہ اسلام میں غلبہ اور حکومت کے لئے جہاد وقتال کا حکم بدستور موجود ہے!!

چاہئے تو یہ تھا کہ اسلامی احکام (بالخصوص جہاد وقتال) پر معذرت خواہانہ انداز سے نظر ثانی کرنے کی بجائے، ہم معقول انداز سے اسلام پر ہونے والے ان تمام اعتراضات کے جواب دیتے، اور یہی رویہ نہ صرف یہ کہ قرین قیاس تھا بلکہ فی الواقع اسلامی تاریخ کی گزشتہ چودہ صدیوں سے امت مسلمہ نے اسی کو اختیار کئے رکھا اور غیر مسلموں کے کسی بھی اعتراض پر اپنا اسلامی موقف چھوڑنے کی بجائے، ان کے ہر اعتراض کا معقول ومسکت جواب دیا۔

عالمی بالادستی اور دیگر اقوام وملل

اسلام پر جو یہ (مذکورہ بالا) اعتراض اٹھایا جاتا ہے، اسی کے تشفی بخش جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ روئے ارضی پر قبضہ وتسلط ہر قوم، ملت اور حاکم وبادشاہ کا مطمح نظر رہا ہے۔نہ صرف نظریاتی طور پر بلکہ عملی طور پر بھی۔۔۔اور جسے بھی طاقت ملی، اس نے اس

کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا۔ خواہ وہ قدیم تاریخ کے فرعون، ہامان، اور نمرود وغیرہ ہوں یا جدید دور کے ہٹلر، مسولینی، نپولین بوناپارٹ ۔۔۔۔!! اور اب تو دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جب برطانیہ کے پاس طاقت آئی تو اس نے اس کا کس طرح غلط استعمال کیا اور جب جاپان کے پاس اور پھر جب روس کے پاس طاقت آئی تو انہوں نے اس کا کس شتر بے مہار کی طرح استعمال کیا اور اب جب یہ طاقت امریکہ کے پاس آئی ہے تو وہ کس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔۔۔!! (واضح رہے کہ کتاب ہذا کے آخری ابواب میں امریکہ، اسرائیل اور بھارت وغیرہ کے عالمی بالادستی کے عزائم و نظریات اور دنیا بھر میں ان کے جرائم اور جبر و تشدد کے عملی واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔)

اور آئندہ کل بھی جس کے پاس طاقت آئے گی وہ لامحالہ اس کا غلط استعمال کرے گا۔ الا یہ کہ اسے خدا کا خوف اور آخرت میں جواب دہی کا احساس ہو تو پھر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ قوم اس کا صحیح استعمال کرے گی بلکہ یوں کہئے کہ وہ اس کا استعمال اسی انداز سے کرے گی جس پر اللہ کی رضامندی کی مہر ہوگی! اور یہ امید صرف مسلمانوں سے کی جاسکتی ہے، اس لئے مسلمانوں کی گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کے پاس طاقت رہی، مسلمانوں نے مجموعی طور پر اس کا درست استعمال کیا، اگرچہ شاذ و نادر واقعات ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں جن میں مسلمانوں نے بھی طاقت کا غلط استعمال کرتے ہوئے شوریدہ سری کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ان کی بنیاد پر مسلمانوں کے بارے میں غلط فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو اس لئے کہ مجموعی قواعد میں شذوذ و نوادرات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور دوم اس لئے بھی کہ ان کا یہ عمل بذات خود ان اسلامی تعلیمات کے برخلاف تھا، جنہیں تسلیم کرنے کا انہوں نے اقرار کر رکھا تھا۔ اور منصف مزاج مسلمانوں نے مسلم حکمرانوں کے غلط اقدامات کو بھی ہمیشہ غلط ہی کہا، کبھی انہیں عین اسلامی قرار دینے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ مسلمان کے ہر عمل و اقدام کی بنیاد اسلامی تعلیمات ہوتی

ہیں، اگر مسلمان کے کسی عمل کے پیچھے اسلامی بنیاد نہ ہو تو پھر وہ اس کا ذاتی عمل ہے، جس کی بنیاد پر پورے اسلام اور اہل اسلام کو مطعون و بدنام نہیں کیا جا سکتا۔

ایک دوسرے انداز سے جواب!

غلبہ دین کے لیے جہاد کرنے کے حوالے سے اسلام پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تو امن و امان اور پرامن بقائے باہمی (Peaceful Co-existence) کی بجائے مستقل جنگ کی کیفیت برپا کیے رکھنے اور دنیا پر غلبہ و تسلط قائم کرنے والا دین ہے۔

تو اس اعتراض کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر فی الوقت امریکہ ساری دنیا میں اپنا ورلڈ آرڈر جاری کر سکتا ہے اور اس کے تحفظ اور قیام کے لیے ہر طرح کی دشمنی مول لے سکتا ہے تو پھر اسلام کو دنیا میں اپنا نظام قائم کرنے اور اس کے لئے جدو جہد کرنے کی آخر اجازت کیوں نہیں؟؟

البتہ اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری آسمانی اور تا قیامت ابدی دین ہے اور یہ اللہ کا حق ہے کہ اس کی زمین اور اس کے بندوں پر صرف اسی کا دین اور حکم چلے۔ اس لیے اگر کوئی نام نہاد مسلمان بھی صرف اپنے ذاتی مفاد کے لیے یا اسلام کے خلاف کسی اور نظام کی ترویج کے لیے کھڑا ہو تو اسلام ایسے مسلمان کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔

جب کہ اسی اعتراض کا عقلی جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک ارتقائی تسلسل ہے اور انسان کی عقل و بصیرت انتہائی کارگر ہونے کے باوجود محدود ہے۔ اس لیے انسانی عقل کی بنیاد پر بننے والا ہر نظام اور ہر قانون محدود ہوتا ہے۔ تاریخی ارتقا کے ساتھ لامحالہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ پچھلے پورے کے پورے نظام کو الوداع کہہ دیا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا نظام اس فطری کمزوری سے یکسر پاک ہوتا ہے۔ اس لیے آسمانی دین ہی اس بات میں حق بجانب ہے کہ بہر صورت اسے ہی فکری و عملی طور پر نافذ کیا جائے۔

لیکن اب یہاں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اسلام کے علاوہ عیسائیت اور یہودیت وغیرہ بھی تو آسمانی ادیان تھے، پھر انہیں چھوڑ کر صرف اسلام ہی کا تقاضا کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو دین اسلام کے علاوہ تمام الہامی دین تغیر وتبدل اور تحریف کی نذر ہو چکے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے اپنے ادوار تک محدود تھے جب کہ اسلام ہر طرح کے نقص وعیب اور تغیر وتبدل سے پاک، زمان ومکان کی قید سے آزاد اور قیامت تک کے لیے قابل عمل وقابل محفوظ رہنے کی خدائی ضمانت لئے ہوئے ہے۔ اس لیے اب صرف اسی آخری آسمانی دین کا یہ حق بنتا ہے کہ اسے غالب وقائم کیا جائے اور اسی کے مطابق دنیا کا نظام کھڑا کیا جائے، خواہ کافروں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو! ولو کرہ الکافرون!

اس اعتراض کا دوسرا عقلی جواب یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی مقتدر قوت، خدائی تعلیمات سے منحرف ہو کر محض اپنی عقل کی بنیاد پر کوئی قانون اور نظام تجویز کرے گی تو وہ نظام لامحالہ اسی اعلیٰ قوت اور مقتدر افراد یا اقوام کے ذاتی اغراض ومقاصد کا ترجمان اور محافظ ہوگا جب کہ اس بالا دست طبقہ کے علاوہ دیگر طبقوں اور لوگوں کا اس کے ذریعے استحصال اور دیگر حقوق کی پامالی یا ناانصافی یقینی ہوگی !!(دور حاضر میں اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں)

جب کہ آسمانی دین کسی فرد وقوم کے ذاتی اغراض ومقاصد سے بالاتر ہو کر محض خدائی حقوق وفرائض اور عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے دین اسلام ہی یہ استحقاق رکھتا ہے کہ اسے تمام نظاموں پر حاوی کیا جائے مگر اسے حاوی کرنے کی صلاحیت بھی صرف وہی لوگ رکھتے ہیں جو پہلے اپنی زندگیوں، اپنے معاشروں اور اپنے خطوں میں اسے غالب کر چکے ہوں!

ان تصریحات کے بعد بآسانی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلام امن وسلامتی سے نوازنے والا دین ہے مگر صرف ان لوگوں کو جنہیں امن وسلامتی کا حق اس ذات کی طرف

سے مل جائے جو تمام کائنات کی خالق و مالک ہے اور صرف اسی دین کے اصول وقوانین عدل وانصاف پر مبنی ہیں جنہیں بلانقص وعیب قرآن وسنت میں سمو دیا گیا ہے۔اب اگر کوئی نام نہاد مسلمان بھی ان اصول وقواعد کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کا ذاتی طور پر قابل اعتراض فعل ہوگا۔اس لئے اس بنیاد پر اسلام کو مطعون کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

11 ستمبر (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) کا حادثہ اور نئی صلیبی جنگوں کا آغاز!

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کا ۱۱۰ دس منزلہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر (WTC) جو ربع صدی قبل ایک ارب ڈالر کی لاگت سے ۱۱۶ ایکڑ اراضی پر تعمیر ہوا تھا، چند نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں تباہ ہوگیا۔اس کی تباہی اس طرح ہوئی کہ دہشت گردوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ جہاز اغوا کئے اور انہیں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت سے جا ٹکرایا، جس کے نتیجے میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہوگیا۔دیگر نقصانات کے علاوہ جانی نقصان کا اندازہ پانچ سے دس ہزار نفوس کی ہلاکت کے ساتھ لگایا گیا۔جن میں کم بیش ایک ہزار افراد مسلمان تھے۔

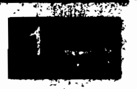
امریکہ کی تاریخ میں یقیناً یہ ایک غیر معمولی نوعیت کا حادثہ تھا، جس کی دنیا بھر میں مسلم وغیر مسلم سبھی نے مخالفت کی۔البتہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ حادثہ کس نے کیا اور کیوں کیا۔بعض کے خیال میں یہ اسامہ اور اس کی القاعدہ کے لوگوں نے کیا، بعض اس کے قلابے یہودیوں سے ملاتے تھے جبکہ بعض کے بقول یہ حادثہ خود امریکی حکومت نے کروایا۔مگر ان مختلف خیالات میں سے کسی کے بارے میں بھی تصدیق نہ ہوسکی اور نہ ہی کسی نے اس کی ذمہ داری قبول کی۔

اسامہ بن لادن اور اس کی القاعدہ جس انداز سے امریکہ کی مخالفت اور اس سے عرب ممالک سے خروج کا مسلسل مطالبہ کررہی تھی، اس کے پیش نظر اس کارروائی کا سارا ملبہ انہی پر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔اور امریکہ کی طرف سے بغیر کسی تحقیق اور ثبوت کے فوری طور پر اسامہ کی حوالگی کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔دوسری طرف اسامہ، افغانستان کی 'طالبان' حکومت

کے پاس تھے،اور طالبان نے نہ صرف یہ کہ بارہا اسامہ کے ملوث ہونے کا ثبوت مانگا، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ہم غیر جانبدار مسلم ممالک کی اعلیٰ عدالت یا اعلیٰ کمیشن کے آگے اسامہ کو پیش کر دیتے ہیں، اگر اس کے خلاف شہادتیں مل جائیں تو ان شہادتوں کی بنیاد پر اس کے بارے میں فیصلہ کر لیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس امریکہ کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ اسامہ ہی مجرم ہے، خواہ شہادتیں ملیں یا نہ ملیں، اس لئے اسامہ کو فوراً ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔

امریکہ کو چونکہ اپنی طاقت پر غرور تھا اس لئے اس نے دلائل اور عدالتی راہ اختیار کرنے کی بجائے اگلے ہی ماہ یعنی ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو کچھ اور 'بدمعاشوں' کے ساتھ مل کر افغانستان پر جارحانہ فوج کشی کر دی۔ اور کئی ہفتے مسلسل آتش و آہن کی بارش برسا کے ہزاروں بے گناہوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا۔ اور بس اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اسے تہذیبوں کی جنگ قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ایک نیا صلیبی محاذ کھول دیا۔ جس کا اگلا ہدف، جو پہلے ہی سے طے تھا، عراق قرار پایا۔ اور پھر آناً فاناً یہ جارح اور عالمی دہشت گرد عراق پر قابض ہو کر بیٹھ گیا اور ہنوز اس کے منہ سے عراقی مظلوموں کا خون ٹپک رہا ہے!

لیکن یہ امریکی جارحیت ابھی رکتی ہوئی نظر نہیں آتی، بلکہ اس کے اگلے ہدف بھی متعین ہو چکے ہیں، بس واجبی سی گیم باقی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آخر کب تک ایسا ہوتا رہے گا؟ سو اب مسلمان کب تک حسرت بھری نگاہوں سے ایسے خون آشام واقعات دیکھتے رہیں گے؟ ساٹھ کے قریب مسلم ممالک اپنی آزاد و خود مختار حیثیت، گولہ بارود، بھاری بھرکم افواج، اور آلاتِ حرب اور دیگر وسائل کے باوجود آخر کب تک خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں گے؟ اب ضرورت اس امر کی ہے عالمِ اسلام اپنی سیاست و معیشت، سائنس و ٹیکنالوجی، حقوق کے تحفظ اور اپنے دفاع کے لئے غیروں پر انحصار ختم کر کے فوری طور پر اپنا 'اسلامی عالمی نظام' اور 'ورلڈ مسلم بلاک' تشکیل دے کر کفر کی سازشوں کے مقابلہ کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے۔ دنیوی فلاح اور اخروی نجاح کا دار و مدار اسی پر ہے!



دہشت گردی کیا اور دہشت گردی کون ہے؟؟

- دہشت گردی کیا ہے؟؟
- دہشت گردی کی پہلی تعریف اور اسکا تجزیہ
- آزادی کے لئے قوت کا استعمال دہشت گردی نہیں!
- دہشت گردی کی دوسری تعریف اور اسکا تجزیہ
- اسلام میں انسانی جان کا احترام اور قتل ناحق کی حرمت
- محاربہ اور اسلام
- غیر اسلامی مذاہب اور دہشت گردی کی تعلیم
- دہشت گرد کون؟ عملی اور واقعاتی حقائق کی روشنی میں
- دہشت گردی کی تیسری تعریف اور اسکا تجزیہ



دہشت گردی کیا ہے؟

دہشت کے معنی ڈر، خوف اور خطرہ کے ہیں اور اسی طرح دہشت گردی کا معنی ہے:

"خوف و ہراس پھیلانا"۔ (۱)

عربی زبان میں اس کے لیے رھبة، رھبٰی اور رھباء کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس میں ڈر اور خوف کا معنی پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں عوام کو خوفزدہ کرنے والے حاکم کو عربی میں 'الارھابی' کہا جاتا ہے۔ جبکہ الحکم الارھابی کا معنی ہوتا ہے: "خوفزدہ کرنے کا حکم"۔ (۲)

انگریزی زبان میں دہشت کے لیے لفظ Terror استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ہر زبان میں دہشت یا خوف و خطر کے لیے کوئی نہ کوئی لفظ ضرور دستیاب ہے مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ دور حاضر میں دہشت گردی کی اصطلاح جس پس منظر میں استعمال کی جا رہی ہے اس کی حدود و قیود، معنی و مفہوم اور متفقہ تعریف کیا ہے؟

دو ٹوک الفاظ میں اس کا جواب یہ ہے کہ دہشت گردی کی کوئی واضح اور متفق علیہ تعریف موجود نہیں!!

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں ہونے والی بحث بھی دہشت گردی کی تعریف متعین کرنے میں ناکام رہی۔ اس سلسلہ میں آکسفورڈ کنسائز ڈکشنری آف پالیٹکس کا مندرجہ اقتباس قابل غور ہے:

"دہشت گردی۔۔۔ حکومتوں یا اہل علم تجزیہ نگاروں کے درمیان اس کی کوئی متفق علیہ تعریف نہیں۔ بالعموم جانی نقصان پہنچانے والی سرگرمیوں کو بیان کرنے کے لیے یہ بلا

---

(۱) [(فیروز اللغات بذیل مادہ "دہشت")]

(۲) [(المنجد بذیل مادہ "رھب")]

استثنا، بُرے مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے جو خود ساختہ نیم سرکاری گروہ سیاسی مقاصد کی خاطر انجام دیتے ہیں لیکن اگر یہ سرگرمیاں کسی مقبول عام مقصد کے حصول کے لئے کی جائیں۔۔۔مثال کے طور پر وچی فرانس کی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے لئے مارکویس کی کوشش۔۔۔تو پھر لفظ دہشت گردی کے استعمال سے عام طور پر احتراز کیا جاتا ہے اور اس کی جگہ زیادہ دوستانہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ایک شخص کسی کے خیال میں دہشت گرد اور دوسرے فرد کے نزدیک آزادی کا سپاہی ہوتا ہے۔۔۔

۔۔۔بعض اوقات دہشت گردی نیم سرکاری اداروں کی بجائے حکومتوں کے لئے بھی برے مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے مثال کے طور پر ریاستی دہشت کی اصطلاح بعض اوقات گستاپوئ کے جی بی اور مشرقی جرمنی کے سٹیٹ سائی اور ان جیسے دوسرے اداروں کے بارے میں بھی استعمال کی جاتی ہے جنہیں سرکاری طور پر خود اپنے ہم وطن شہریوں میں سے اختلاف کرنے والے یا نسلی اقلیتوں کے خلاف کارروائیوں کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسری ریاستوں میں اس پالیسی کے تحت بلاواسطہ انجام دی جانیوالی پر تشدد کارروائیاں یا ان میں بالواسطہ مدد کو بھی ریاستی دہشت گردی قرار دیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں مختلف رجحان رکھنے والے ممالک انہی کاموں کے لیے دوسرے ملکوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسی طرح کی سرگرمیوں میں خود بھی ملوث رہے ہیں۔ مثال کے طور پر رونالڈ ریگن کے دور صدارت میں خود امریکہ نے مختلف حکومتوں خاص طور پر لیبیا کو مورد الزام ٹھہرایا جب کہ اس وقت نکاراگوا کے خلاف نیم سرکاری تشدد کی کھلے عام پشت پناہی امریکہ نے کی۔ حالانکہ نکاراگوا کی حکومت کے ساتھ اس کے مکمل سفارتی تعلقات قائم تھے۔ اس طرح کی کھلے عام عدم مطابقت سے شاید ہمیں زیادہ حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیے اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ امریکی ڈالر پر سیاسی مقاصد کے لیے نیم سرکاری تشدد کرنے والی ایک مشہور و معروف شخصیت یا دہشت گرد یا آزادی کے سپاہی یعنی جارج واشنگٹن کی تصویر ہوتی ہے۔"(۱)

(۱)[آکسفورڈ کنسائز ڈکشنری آف پالیٹکس۔(ص ۴۹۲، ۴۹۳)]

مذکورہ طویل اقتباس کا لُبِّ لباب یہی ہے کہ دہشت گردی کی کوئی مسلمہ و متفقہ تعریف موجود نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص بعض کے نزدیک محبِّ وطن' یا آزادی کا سپاہی یا اسلام کا مجاہد ہو اور دوسروں کے نزدیک وہی دہشت گرد اور مجرم ہو۔ یہی بات ایک مرتبہ نیلسن منڈیلا نے اقوام متحدہ میں کہی تھی کہ ''میں ایک زمانے میں دہشت گرد تھا اور اس کے بعد سربراہ مملکت !۔۔۔کون دہشت گرد ہے اور کون نہیں' کس کو معلوم نہیں۔!(۱)

دہشت گردی کی تعریف کے تعین کی کوشش:

دہشت گردی کی اصطلاح جدید دور کی اختراع ہے۔ قدیم دور اور بالخصوص اسلام کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ واضح رہے کہ اسلام جس چیز کا معنی و مفہوم اور حدود و قیود واضح طور پر بیان کرتا ہے اسے اس چیز کی شرعی تعریف یا شرعی اصطلاح قرار دیا جاتا ہے مثلاً اسلام میں صلاۃ سے مراد مخصوص اوقات اور مخصوص شرائط و کیفیات کے ساتھ ادا کی جانے والی خاص عبادت ہے۔۔۔' زکوٰۃ سے مراد مخصوص مالی نصاب میں سے مخصوص وقت پر مخصوص حصہ راہ خدا میں پیش کرتا ہے۔ (اسی طرح دیگر بہت سی چیزیں ہیں) اور یہی صلاۃ و زکوٰۃ کی شرعی تعریفیں ہیں مگر دہشت گردی کی کوئی اصطلاحی تعریف اور حدود و قیود اسلام نے پیش نہیں کیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلام قیامت تک کے لیے کامل و مکمل اور محفوظ ترین آسمانی دین ہے جس میں انسانی زندگی کا کوئی گوشہ و پہلو تشنہ نہیں بلکہ ہر طرح کی الہامی ہدایات اسلام میں موجود ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دہشت گردی کی اصطلاح متعارف کروانے والے اسے کس حد تک واضح کر کے پیش کرتے ہیں۔ پھر انکی ممکنہ تعریفات کے مطابق ہم قرآن و سنت اور

(۱) [(امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی از پروفیسر خورشید احمد ص ۲۴۴)]

تاریخی و عملی واقعات کی روشنی میں دہشت گردی کا جائزہ لیں گے۔ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ دہشت گردی کی اصطلاح مغرب نے اجاگر کی ہے۔ اس لیے اس کی تعریف کے تعین کے لیے تقریباً مغربی مفکرین ہی کے بیانات و اقتباسات پر اکتفا کیا جائے گا۔

دہشت گردی کی اصطلاحی تعریف کے حوالہ سے انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ

((Terrorism, The systematic use of terror or unpredicutable violoence against governments, public, or individuls to attain a political objective. Terrorism has been used by political organizations with both rights and leftist objectives,by nationlistic and ethoic gorups, by revolutionories and by the armies and secret police of governments themselves.))(۱)

''دہشت گردی' کسی سیاسی مقصد کے حصول کیلئے حکومت' عوام یا کسی فرد کے خلاف باقاعدہ و منظم طور پر خوف و ہراس یا ناقابل تصدیق تشدد کے استعمال کا نام ہے۔ سیاسی تنظیمیں اپنے قدامت پسندانہ اور جدت پسندانہ اہداف کے حصول کیلئے دہشت گردی کرتی ہیں۔ اسی طرح قوم پرست' نسلی ولسانی گروہ' انقلاب پسند گروہ اور خود حکومتی فوج اور خفیہ پولیس بھی دہشت گردی کا ارتکاب کرتی ہے۔''

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں دہشت گردی کے حوالہ سے یہ معلومات درج ہیں:

((Terroism is the use or threat of violence to

(۱)[(The new Encyclopedia Britannica Vol, 11,p650)]

create fear and alarm. Terroists murder and kidnap people. set off bombs, hijaeck airplanes, set fires and commit other serious crimes. but the goals of terroists differ form those of ordinary criminals. Most criminels want money or some other form of personal gain. but most terrorists commit crimes to support political causes.))(۱)

''خوف و دہشت اور خطرے کا ماحول پیدا کرنے کا نام دہشت گردی ہے۔ دہشت گرد لوگوں کو قتل و غارت اور اغوا کا نشانہ بناتے ہیں۔۔۔ بم دھماکے کرتے ہیں۔۔۔ ہوائی جہاز ہائی جیک (اغوا) کر لیتے ہیں۔۔۔ آگ لگاتے ہیں اور اسی طرح کے شدید ترین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔۔۔ لیکن دہشت گردوں کے اغراض و مقاصد عام مجرموں کی بنسبت مختلف ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر مجرم مال و دولت یا کسی اور ذاتی منفعت کیلئے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں جب کہ عام طور پر دہشت گرد صرف سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں''۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی سرکاری انٹیلی جنس ایجنسی (FBI) کے نزدیک بین الاقوامی دہشت گردی کی تعریف یہ ہے کہ

''طاقت کا غیر قانونی استعمال یعنی افراد کے خلاف یا پراپرٹی کو تباہ کرنے یا حکومت شہری آبادی یا اس کے حصہ پر دباؤ ڈالنے یا سیاسی و سماجی مقاصد کے حصول کیلئے کسی ایسے گروپ یا فرد کی طرف سے تشدد کا ارتکاب جس کا تعلق کسی ملکی طاقت سے ہو یا جس کی سرگرمیاں قومی حدود سے تجاوز کر جائیں''۔(۲)

(۱)[(The world book Encyclopedia Vol 19,P;178)]

(۲)[(روگ سٹیٹ از ولیم بیلم مترجم ص ۵۴)]

بین الاقوامی شہرت یافتہ امریکی سکالر نوم چومسکی نے دسمبر 2001 کو دہشت گردی کے حوالہ سے جو تقریر کی، فرنٹ لائن کے مطابق اس کی رپوٹنگ اس طرح کی گئی کہ

''چومسکی نے دہشت گردی کے تصورات کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ایک لغوی اور دوسرا پروپیگنڈے والا۔دہشت گردی کا لغوی تصور جو امریکہ کے سرکاری دستاویزات میں بھی اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''دہشت گردی۔۔تشدد کی دھمکی کا نیا، ثلا استعمال ہے جو دباؤ ڈال کر اور جبر یا خوف پیدا کر کے سیاسی' مذہبی یا نظریاتی نوعیت کے اہداف حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔چومسکی نے تسلیم کیا کہ امریکہ کی استعماری پالیسی نے لغوی تعریف کو پروپیگنڈے والی تعریف کے حق میں دستبردار کر دیا ہے۔اس کے مطابق جو کوئی بھی امریکہ کے خلاف ہے اور اس کے دوستوں یا حلیفوں کے خلاف ہے، وہ دہشت گرد ہے''۔ (۱)

مندرجہ اقتباسات کی روشنی میں دہشت گردی کی درج ذیل مختلف صورتیں اور تعریفیں سامنے آتی ہیں:

(۱) سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کیلئے تشدد اور قوت کا استعمال۔

(۲) خوف و ہراس پھیلانے کیلئے بے گناہ شہریوں' سول آبادیوں اور نجی و سرکاری عمارتوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنانا اور وسیع پیمانے پر قتل عام کرنا۔

(۳) امریکہ کی پالیسیوں اور اس کے حامیوں کی مخالفت کرنا (امریکہ کے نزدیک یہ بھی دہشت گردی ہے!)

امریکی نظام اور امریکی پالیسیوں کی مخالفت میں چونکہ مجاہدین ہی پیش پیش ہیں، اس لیے اب ایک عرصہ سے جہاد کو دہشت گردی کے مترادف قرار دینے کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔علاوہ ازیں مسلمانوں کو انکا دین اسلام ہی جہاد پر ابھارتا ہے' اس لیے مغربی میڈیا

(۱)[(فرنٹ لائن دسمبر ۲۰۰۱ء ص ۲۵'۲۶)]

اسلام کو بطور دہشت گرد مذہب کے متعارف کروانے کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ پہلے اس مقصد کے لیے مسلمانوں کے خلاف بنیاد پرست کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی مگر اس میں لفظی طور پر کوئی ایسی تاثیر نہ تھی کہ جس سے مسلمانوں کی برائی ظاہر ہوتی اور ویسے بھی اس اصطلاح کے مستحق اصولی طور پر پروٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھنے والے وہ عیسائی تھے جو عیسائیت کے بنیادی اصولوں پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ اب بنیاد پرستی کی جگہ دہشت گردی کی اصطلاح بڑی تیزی سے متعارف کروائی جارہی ہے کیونکہ اول تو اس میں لفظی طور پر خوف و ہراس کا تصور پایا جاتا ہے اور دوم یہ کہ اس وقت دنیا بھر میں تقریباً مسلمان ہی مختلف خطوں میں آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور سوم اس لیے بھی کہ مغرب کو اگر دنیا بھر میں کسی قوم سے خطرہ ہے تو وہ مسلمان ہیں اور یہ خطرہ محض مادی و سیاسی سطح ہی پر درپیش نہیں بلکہ مغرب کو معاشرتی اور تہذیبی و تمدنی سطح پر بھی اسلامی تہذیب و تمدن ہی سے خطرہ لاحق ہے۔ بہرصورت اب ہم دہشت گردی کی تعریفوں کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام اس سلسلہ میں ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے نیز ان تعریفوں کا مصداق مسلمان ہیں یا کوئی اور...؟

دہشت گردی کی پہلی تعریف:

سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے تشدد اور قوت کا استعمال

تجزیہ:-

سیاسی اغراض و مقاصد میں کسی غلام قوم کا اپنا حق آزادی حاصل کرنا بھی شامل ہے اس لئے پہلے ہم اس مسئلہ کی وضاحت کئے دیتے ہیں۔

آزادی کے لئے قوت کا استعمال دہشت گردی نہیں!

اگر آزادی کیلئے کوئی قوم غاصب و قابض قوم کے خلاف مزاحمت کرتی ہے تو یہ اس کا حق ہے کہ اسے آزادی کی دولت ملے اور اس حق کو چھیننے والا ظالم ہے۔ صاف ظاہر

ہے کہ حق آزادی کیلئے سیاسی و عسکری ہر حربہ بروئے کار لایا جاتا ہے تاکہ غاصب و قابض قوم چار و ناچار اپنا تسلط و قبضہ ختم کر دے۔ اسی جدوجہد کو اگر اسلامی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام اسے بھی جہاد قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق﴾

"جن مسلمانوں سے کافر جنگ کرتے ہیں، انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ (لوگ) ہیں جنہیں ناحق اپنے گھر بار سے نکالا گیا۔" (الحج ۳۹،۴۰)

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ آزادی یا دفاع کیلئے اسلام نے مطلق طور پر ہر طرح کے مبنی بر تشدد فعل کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ قوت و طاقت کے استعمال کو آداب و ضوابط کا پابند بنا دیا ہے (ان آداب و ضوابط کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

واقعاتی حقائق کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو امریکہ نے بذات خود قوت و طاقت استعمال کر کے انگلستان سے آزادی حاصل کی تھی۔ اگر اب کسی قوم کا حق آزادی کے لیے قوت و طاقت کو استعمال کرنا دہشت گردی ہے تو پھر اس کے اولین مرتکبین میں امریکہ بھی شامل ہے لہٰذا جو سزا جنگ آزادی لڑنے والے دہشت گردوں کی تجویز کی جائیگی اس کا پہلا مستحق امریکہ ہوگا!

یاد رہے کہ بین الاقوامی قانون طاقت کے ہر استعمال کو دہشت گردی سے موسوم نہیں کرتا بلکہ مبنی بر حق جنگ (Just War) جو دفاعی مقاصد کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور آزادی اور حقوق کے لیے بھی اسے دہشت گردی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اقوام متحدہ کے چارٹر میں دفاعی جنگ اور چارٹر کے تحت اجتماعی طور پر قوت کے استعمال کی اجازت، اس کی واضح مثالیں ہیں۔ علاوہ ازیں آزادی اور حق خود ارادیت کیلئے جو جنگیں لڑی

گئیں، اقوام متحدہ نے ان کی تائید کرتے ہوئے آزادی کے بعد انہیں آزاد مملکت تسلیم کیا۔ گویا دوسرے لفظوں میں بین الاقوامی قانون نے اس حق کو تسلیم کیا ہے۔ بین الاقوامی قانون کا ماہر کرسٹوفر اوکوئے اس اصول کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے کہ

”تقریباً تمام ہی آزادی کی تحریکوں کا ایک لازمی عنصر طاقت کا استعمال ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی قراردادوں میں جس تسلسل سے آزادی کی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور کچھ کو جرأت مند قرار دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طاقت کے عنصر کو جائز قرار دیتی ہے۔“(۱)

نیز رقمطراز ہے کہ ”دہشت گردی اور آزادی کی جدوجہد ایک جیسی سرگرمیاں نہیں ہیں (ایضاص ۱۷) نیز یہ کہ اقوام متحدہ کے تمام ادارے جس ایک چیز پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ حق خود ارادیت کی ہر جدوجہد قانونی اور جائز ہے“۔(ایضاص ۲۶۱)

معلوم ہوا کہ آزادی کیلئے لڑنے والے مجاہد یا حریت پسند' دہشت گرد ہرگز نہیں۔ البتہ آزادی، امن وامان اور دفاع کے علاوہ دیگر مادی اغراض ومقاصد کے لیے کسی ملک وقوم کے خلاف جارحانہ اقدام کرنا اسلامی نکتہ نظر سے درست نہیں خواہ اس اقدام کو دہشت گردی کہا جائے یا تخریب کاری یا پھر کسی اور نام سے موسوم کیا جائے۔

سیاسی اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے تشدد اور قوت کا استعمال کب دہشت گردی کہلاتا ہے؟

سیاسی اغراض ومقاصد کے لیے کسی حکومت کو غیر مستحکم کرنا تشدد وقوت سے خوف وہراس اور بدامنی پیدا کرنا' برسر اقتدار لوگوں کو خریدنا اور اپنے ایجنٹوں کی پشت پناہی کرنا اپنی پالیسیوں کو کسی آزاد وخود مختار حکومت پر ٹھونسنا اور بصورت دیگر معاشی استحصال یا

(۱)[Liberation struggle in international law p'252]

عسکری یلغار کرنا یہ سب کچھ دہشت گردی کے زمرے میں داخل ہے۔لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دنیا بھر میں اس طرح کی سیاسی دہشت گردی کا مرتکب کون ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تمام مسلم ممالک مغربی نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ روئے ارض پر بلا مبالغہ کوئی ایک مسلم ملک بھی ایسا نہیں جو آزادانہ طور پر اسلامی نظام حکومت و سیاست پر عمل پیرا ہو بلکہ تمام کے تمام مسلم ممالک UNO کی زیر نگرانی اس عالمی نظام کا حصہ بنے ہوئے ہیں جسے مغرب نے اپنے مفادات کے لیے وضع کیا ہے اور اس کی ہاں میں ہاں بھی کئے چلے جا رہے ہیں۔لیکن مغرب مسلمانوں کی اتنی فرمانبرداری سے بھی راضی نہیں۔۔۔! بلکہ وہ مسلمانوں کو سیاسی و مادی' اقتصادی و معاشی' تعلیمی و سائنسی تہذیبی و تمدنی ہر اعتبار سے مسلسل دبائے رکھنے کا خواہاں ہے۔ان مقاصد کے لیے مغربی اقتصادی ادارے (آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک وغیرہ) بری طرح سے مسلمانوں کا معاشی استحصال کر رہے ہیں۔امریکی اور اسرائیلی خفیہ ایجنسیاں مسلم ممالک کی حکومتوں میں انتشار و عدم استحکام کی فضا برپا کیے ہوئے ہیں۔ترکی ہو یا پاکستان' عراق ہو یا افغانستان ہر جگہ مسلمانوں کو عدم استحکام سے دوچار کیا جا رہا ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ سیاسی عدم استحکام کی فضا برپا کرنے کے لیے جو مکروہ ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں، ان میں براہ راست امریکہ یا اسرائیل ہی ملوث ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود چور بھی کہے چور چور کے مصداق یہی امریکی اور اسرائیلی میڈیا مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیتے نظر آتا ہے!!

افغانستان میں طالبان حکومت نے ملک کے 90 فیصد علاقے پر کنٹرول حاصل کر کے امن و امان قائم کر دکھایا مگر اس کے باوجود مغربی طاقتوں نے طالبان حکومت کو صرف اس لیے تسلیم نہ کیا کہ طالبان امریکی پالیسی یا دخل اندازی پر امنا وصدقنا کہنے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہ کیا گیا بلکہ امن عالم کے علمبردار اور

جمہوریت نواز سپر پاور امریکہ نے بلا ثبوت ننگی جارحیت کا اقدام کرتے ہوئے افغانستان پر آتش و آہن اور بارود کی بارش برسائی۔ نہ صرف طالبان حکومت کو برطرف کیا بلکہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہزاروں بے گناہ معصوم شہریوں کے خون سے بھی ہاتھ رنگے۔

مگر عالمی سطح پر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ امریکہ کو دہشت گرد قرار دے کر اسی طرح سزا دی جائے جس طرح امریکہ نے بلا وجہ طالبان حکومت کو دہشت گرد قرار دے کر سزا دینے کا اقدام کیا ہے مگر حق آخر حق ہے اور خود دشمن بھی حق کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ بین الاقوامی شہرت یافتہ امریکی سکالر نوم چومسکی نے امریکی حکومت کی پروا کیے بغیر پاکستان اور بھارت کے دورہ پر برملا اقرار کیا کہ

"امریکی صدر بش اسامہ بن لادن سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ اس لیے کہ اسامہ کے خلاف امریکی صدر کے پاس کوئی ثبوت نہیں مگر دوسری جانب افغانستان میں بے گناہ لوگوں کا قتل عام امریکی صدر کے خلاف ثبوت ضرور ہے۔"(1)

نوم چومسکی نے یہ بھی کہا کہ "امریکہ خود بہت بڑا دہشت گرد ہے اور وہ ہر اس ملک کو دہشت گرد قرار دیتا اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے جس کو وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ امریکہ اپنے سوا کسی ملک میں قومیت کی تحریک ابھرنے نہیں دیتا۔" (نوائے وقت ایضاً)

افغانستان میں امریکہ نے جس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا، اس سے کہیں بڑھ کر وحشت و بربریت کا مظاہرہ عراق میں کیا گیا۔ امریکہ 'بہادر' نے بلا جواز عراق میں خون کے دریا بہا دیے۔ امریکہ کا کہنا تھا کہ عراق کے پاس ایسا کیمیائی و حیاتیاتی ہتھیار بنانے والا مواد موجود ہے جس کا استعمال انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر ہے اور ایسے موذی ہتھیاروں کا استعمال دہشت گردی ہے۔ جب کہ عراقی حکومت نے نہ صرف اس امریکی دعویٰ کی تردید کر دی بلکہ اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹروں اور معائنہ کاروں کے لیے

(1) [(فرنٹ لائن ۲۱ دسمبر ۲۰۰۱ء، نوائے وقت ۲۶ نومبر ۲۰۰۱ء)]

پورے عراق کے دروازے کھول دیئے اور پھر دو مہینوں کی مسلسل تلاشی کے باوجود ایسا کوئی مواد برآمد نہ کیا جا سکا۔ اس کے باوجود امریکہ بدمعاش نے عراق پر جنگ مسلط کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگر عراق کے پاس کیمیائی و حیاتیاتی ہتھیار موجود تھے یا کسی دور میں رہے تھے تو یہ وہی تھے جو ۱۹۸۰ کی دہائی میں امریکہ نے از خود عراق کو برآمد کر کے اسے ایران کے خلاف کھڑا کیا تھا جیسا کہ امریکی صحافی ولیم بیلم اپنی کتاب ''روگ سٹیٹ'' میں رقمطراز ہے کہ

''۱۹۹۴ء میں امریکی سینٹ کمیٹی کی ایک رپورٹ کے مطابق اگر پہلے نہیں تو کم از کم ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک امریکی کامرس ڈیپارٹمنٹ لائسنس یافتہ ایک پرائیویٹ امریکی سپلائر نے اصلی حیاتیاتی مواد عراق کو برآمد کیا جو انتہائی اذیت ناک اموات کا باعث تھا۔''

اس سب کے باوجود امریکہ اپنے آپ کو دہشت گرد تسلیم کرنے کو تیار نہیں البتہ اپنے مفادات کے لیے جسے وہ دہشت گرد قرار دے دے اس پر مسلم و غیر مسلم سبھی سر تسلیم خم کر لینے پر مجبور ہیں!!! اور اسے ہی کہتے ہیں: Might is right

(۲) دہشت گردی کی دوسری تعریف:

خوف و ہراس پھیلانے کے لیے بے گناہ شہریوں، سول آبادیوں اور نجی و سرکاری عمارتوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنانا اور وسیع پیمانہ پر قتل عام کرنا۔ تاکہ مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کی جائے۔

تجزیہ:

مندرجہ تعریف کے حوالہ سے دو باتیں ذہن نشین رہیں: ایک تو یہ کہ مذکورہ مسئلہ میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں اور دوسری یہ کہ اس حوالہ سے مسلمانوں کی عملی صورتحال کیا ہے۔
اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ دشمن کے خلاف دفاعی لڑائی ہو یا اقدامی جہاد، کسی بھی شخص کو

عملی طور پر اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ قصداً ان لوگوں کو اپنا ہدف بنائے جو اصولی طور پر جنگ میں شریک نہیں ہوتے مثلاً چھوٹے بچے، عورتیں، بوڑھے، مذہبی لوگ اور عام شہری آبادی۔ اسی طرح عام استعمال کی اشیاء مثلاً غلہ واناج، باغات، راشن ڈپو وغیرہ کو بلا جنگی ضرورت کے تلف کرنے کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں انتہائی ناگزیر صورتوں کے علاوہ بلاوجہ عمارتوں کو تباہ و برباد کرنے کی بھی اسلام حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ ان کے تفصیلی دلائل آگے درج کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان فرد یا گروہ جہادی آداب کا خیال نہیں رکھتا تو یہ اس کی ذاتی غلطی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے منافی ایک فعل کا مرتکب ہو رہا ہے۔ لیکن عمومی طور پر مسلمانوں کی دینی جماعتیں اس طرح کی غلطیوں کا ارتکاب نہیں کرتیں بلکہ اگر کوئی فرد یا گروہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اسلام کے اصول و ضوابط کے منافی کوئی ایسا اقدام کر بیٹھتا ہے تو دیگر جماعتیں اور مسلمانانِ عالم خود ہی ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے عالمی طاقتیں خفیہ طور پر بعض گھناؤنے اقدام کر کے کسی دینی و جہادی جماعت پر اس کی ذمہ داری ڈال دیتی ہیں اور میڈیا کی طاقت سے ایسے جھوٹے الزامات کو سچ ثابت کر دکھانے کے لیے خوب پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ ان دو تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم دہشت گردی کے حوالہ سے اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کا نظریاتی تقابل اور عملی طور پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کا کردار پیش کرتے ہیں:

1 اسلام میں انسانی جان کا احترام اور قتل ناحق کی حرمت

اسلام میں، انسانی جان کا احترام اور قدر و منزلت کس قدر ہے اس کے لیے چند ایک قرآنی آیات اور صحیح احادیث درج کی جاتی ہیں:

(۱) ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله

علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما. (النساء: ۹۳)

"جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

(۲) قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم ان لا تشرکوا بہ شیأ وبالوالدین احسانا و لا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم و ایاھم و لا تقربوا الفواحش ماظھر منھا وما بطن و لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ذلکم وصاکم بہ لعلکم تعقلون" (الانعام: ۱۵۱)

"اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل نہ کرو۔ تمہیں اور انہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے جتنے بھی طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ۔ اس کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم عقل کرو۔"

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا اللہ کے رسولؐ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل کرنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (٦) جان بچانے کی غرض سے میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلنا (۷) پاکدامن و معصوم مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔ (۱)

(۱) [(بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال...... ۲۷٦٦ مسلم کتاب الایمان باب بیان الکبائر و اکبرھا (۲۵۸) بعض روایات میں مذکورہ اشیاء کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے بخاری (۲۵۱۰، ۲٦۷۵) مسلم (۲۵٦، ۲۵۳)]

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اول ما یقضی بین الناس یوم القیامة فی الدما "(۱)

"روز قیامت لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (قتل) کے بارے میں فیصلہ کیا جائیگا۔"

یاد رہے کہ مندرجہ بالا آیات اور احادیث کسی جان کے قتل ناحق کے بارے میں ہیں جب کہ خود اپنے آپ کو قتل (خودکشی) کرنا بھی اسلام کی نگاہ میں کبیرہ گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما﴾ (النساء۔۲۹)

"اپنے آپ کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اسی طرح گرتا رہے گا جو شخص زہر پی کر خودکشی کریگا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں زہر پیتا رہے گا جس نے کسی لوہے کے آلہ سے خودکشی کی ہوگی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس آلے سے اپنے آپ کو کاٹتا رہے گا۔(۲)

قتل بالحق کا حکم

اسلام جس طرح قتل ناحق کی حرمت بیان کرتا ہے اسی طرح قتل بالحق پر عمل پیرا ہونے کا بھی حکم دیتا ہے تاکہ افراط و تفریط کا خاتمہ ہو سکے مثلاً اگر کوئی شخص کسی جان کا احترام نہ کرتے ہوئے اسے قتل کر دیتا ہے تو پھر اسلام بھی ایسے قاتل کی جان کا کوئی احترام تسلیم نہیں کرتا بلکہ قصاص میں اسے قتل کر دینے کی سزا تجویز کرتا ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثا دیت لینے اور معاف کر دینے پر راضی ہو جائیں اسی طرح شادی شدہ زانی اور اسلام سے مرتد ہونے والے کی سزا بھی قتل ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

(۱)[بخاری کتاب الرقاق باب القصاص یوم القیامة۔(۶۵۳۳)](۲)[(بخاری کتاب الطب۔ باب شرب السم...(۵۴۴۲) مسلم کتاب الایمان۔ باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ.....(۲۹۶)]

"لا یحل دم امرئ مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلاث. النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینه التارک للجماعة"(۱)

"کلمہ شہادت کا اقرار کرنیوالے کسی مسلمان شخص کا قتل جائز نہیں سوائے تین صورتوں کے، ایک تو یہ کہ اگر وہ کسی جان کو قتل کرے تو اس کے بدلہ میں اسے قتل کیا جائے دوسری یہ کہ شادی شدہ شخص زنا کا ارتکاب کرے تو اسے قتل کیا جائے اور تیسری صورت یہ کہ جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوا سے قتل کیا جائے۔"

یاد رہے کہ مندرجہ بالا صورتوں میں بھی قتل کے اختیارات حکومت کے پاس ہوتے ہیں انفرادی طور پر قانون ہاتھ میں لینے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

محاربہ اور اسلام

قرآن مجید نے دہشت گردی کی جگہ 'محاربہ' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور شر وفساد کی تمام صورتیں قرآن مجید کے بیان کے مطابق اس (محاربہ) میں شامل ہیں حتی کہ بعض تابعین (مثلاً سعید بن مسیبؒ) کے نزدیک ڈاکہ بھی فساد فی الارض کی وجہ سے محاربہ میں شامل ہے۔ جو شخص فتنہ وفساد برپا کرے، ڈاکے، قتل اور تشدد کی وجہ سے خوف و ہراس پھیلائے اور امن وامان کو تہہ وبالا کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا کافر قرآن مجید اس کی درج ذیل سنگین سزا تجویز کرتا ہے:

"انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف اوینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم" (المائدہ:۳۳)

"ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے

(۱) [بخاری کتاب الدیات باب قول الله تعالی "ان النفس بالنفس والعین بالعین (٦٨٧٨)]

انکے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت وخواری اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔"

اس سلسلہ میں بخاری و مسلم میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ

"عکل اور عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے مگر مدینہ کی آب وہوا انہیں موافق نہ آئی تو آنحضرتؐ نے انہیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ انکا دودھ اور پیشاب پیو (اللہ تعالیٰ تمہیں شفا عطا فرمائیں گے) انہوں نے اس تجویز پر عمل کیا اور صحت مند ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انکے پیچھے آدمی دوڑائے جو انہیں پکڑ لانے میں کامیاب رہے۔ نبی اکرمؐ نے حکم دیا کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں اور آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ ڈالے۔ (کیونکہ انہوں نے بھی چرواہے کو اسی طرح قتل کیا تھا) پھر ان کی مرہم پٹی کیے بغیر انہیں اسی طرح 'حرۃ' (مدینہ کی پتھریلی زمین) میں پھینک دیا گیا وہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہیں دیا گیا حتیٰ کہ وہ سب اسی طرح مر گئے۔"(۱)

ابو قلابہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے قتل بھی کیا، چوری کا ارتکاب بھی کیا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربہ (قتال) بھی کیا اور زمین میں فساد بھی پھیلایا۔"(۲)

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی محاربہ کی اصطلاح اپنے عموم کی وجہ سے دہشت گردی سے زیادہ وسعت و جامعیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں خوف و ہراس، ظلم و تشدد، قتل و غارت گری، نقب و ڈاکہ زنی اور شر انگیزی کی تمام صورتیں شامل ہیں خواہ ان کا ارتکاب سیاسی مقاصد کے لیے کیا گیا ہو یا انفرادی، ذاتی اور مادی اغراض و

(۱)[بخاری کتاب الحدود باب لم یسق المرتدون المحاربون حتی ماتوا (۶۸۰۴) مسلم کتاب القسامۃ]

(۲)[(بخاری کتاب الجهاد. باب اذا حرق المشرك المسلم...(۳۰۱۸)]

مقاصد کے لیے۔ علاوہ ازیں اسلام فتنہ وفساد کو کتنا ناپسند کرتا ہے اس کا اندازہ محاربہ کی بیان کردہ سزا سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

میدان جہاد اور غیر مقاتلین کے قتل کی ممانعت:

ظلم کے خلاف مزاحمت ایک فطرتی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام ظلم کے خاتمہ کے لیے جہاد کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ بعض حالات میں اسے فرض قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میدان جہاد میں صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑائی کا حکم ہے جو لڑنے کے لیے میدان میں اترے ہوں جب کہ وہ تمام لوگ جو لڑائی میں شریک نہیں یا عام طور پر جنگ میں حصہ نہیں لیتے مثلاً بچے، بوڑھے، عورتیں، معذور، عابد وزاہد وغیرہ، انہیں قتل کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے الا کہ یہ بھی لڑائی میں دوبدو شریک ہوں یا کوئی ناگزیر مجبوری ہو۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک غزوہ میں دیکھا کہ ایک عورت قتل کی گئی ہے تو آپؐ نے اسے سخت ناپسند کیا چنانچہ آپؐ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔(۱)

☆ اس طرح حضرت ابوبکرؓ نے ملک شام کی طرف ایک جہادی لشکر روانہ کیا تو انہیں یہ نصیحتیں فرمائیں کہ: ''عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا' پھل دار درخت نہ کاٹنا، بستیاں ویران نہ کرنا، کوئی بکری یا اونٹ کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، خیانت نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔''(۲)

☆ نبی اکرم ﷺ نے دشمن کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا۔(۳)

(۱)[بخاری' کتاب الجہاد: باب قتل الصبیان فی الحرب (۳۰۱۴'۳۰۱۵) مسلم (۱۷۴۴) ترمذی (۱۵۶۹) ابو داؤد (۲۶۶۸) ابن ماجہ (۲۸۴۱)]

(۲)[موطا: کتاب الجہاد۔ باب النہی عن قتل النسأ والولدان فی الغزو (۱۰) بیہقی ۹/۸۵)]

(۳)[بخاری: کتاب الجہاد: باب لا یعذب بعذاب اللہ(۳۰۱۶) ابو داؤد (۲۶۷۵)]

☆ اسی طرح لاش کی بے حرمتی کرنے اور اعضا کی قطع و برید (مثلہ) کرنے سے بھی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا۔(۱)

☆ مادی و دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے جہاد کرنے سے بھی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا بلکہ دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے جہاد کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "لا اجر له" ایسے شخص کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔(۲)

☆ دشمن کے سفیروں کو قتل کرنے کی بھی ممانعت ہے۔(۳)

☆ معاہد قوم کے کسی فرد کو قتل کرنا حرام ہے۔(۴)

غیر اسلامی مذاہب اور دہشت گردی کی تعلیم

امن و امان کے قیام اور تخریب کاری و دہشت گردی کے انسداد کے حوالہ سے اسلامی نکتہ نظر واضح طور پر پیش کر دیا گیا ہے کہ اسلام فتنہ و فساد کی کسی صورت و نوعیت کو پسند نہیں کرتا۔ آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظریاتی طور پر اس مسئلہ میں دیگر ادیان کا نکتہ نظر بھی معلوم کر لیا جائے۔ اور واضح رہے کہ موجودہ تورات، انجیل اور زبور محرف و مبدل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں اٹھائی۔ البتہ یہود و نصاریٰ چونکہ اپنی ان مذہبی کتابوں کو مبنی برحق تسلیم کرتے ہیں اس لیے یہود و نصاریٰ کے لیے بطور حوالہ ان کتابوں سے اقتباس پیش کیے جائیں گے:

---

(۱)[(بخاری: كتاب المظالم: باب النهى بغير اذن صاحبه ٢٤٧٤۔ مسلم ١٧٣١۔ احمد ٤/٣٠٧)]

(۲)[ابوداؤد: كتاب الجهاد: باب فيمن يغزو و يلتمس الدنيا ٢٥١٣۔ صحيح نسائی ٢٩٤٣)]

(۳)[(ايضاً باب فى الرسل ٢٧٥٨۔ احمد (١/٣٩٠)]

(٤)[(بخاری: كتاب الجزية: باب اثم من قتل معاهدا بغير جرم ٣١٦٦)]

یہودیت اور دہشت گردی:

(۱) ''اور خدا نے موآب کے میدانوں میں جو یریحو کے مقابل یردن کے کنارے واقع ہیں موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جب تم یردن کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور ان کے شبیہ دار پتھروں (مورتیں) کو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے سب اونچے مقاموں کو مسمار کر دینا۔ اور تم اس ملک پر قبضہ کر کے اس میں بسنا کیونکہ میں نے وہ ملک تم کو دیا ہے کہ تم اس کے مالک بنو۔''(۱)

(۲) ''اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بوڑھے کیا بیل کیا بھیڑ کیا گدھے سب کو تلوار کی دھار سے بالکل نیست (قتل) کر دیا...... پھر انہوں نے اس شہر کو اور جو کچھ اس میں تھا سب کو آگ سے پھونک دیا۔''(۲)

(۳) اور جب یشوع اور سب اسرائیلیوں نے دیکھا کہ گھات والوں نے شہر لے لیا اور شہر کا دھواں اٹھ رہا ہے تو انہوں نے پلٹ کر 'عی' (مقام) کے لوگوں کو قتل کیا۔ اور وہ دوسرے بھی ان کے مقابلہ کو شہر سے نکلے۔ سو وہ سب کے سب اسرائیلیوں کے بیچ میں جو کچھ تو ادھر اور کچھ ادھر تھے پڑ گئے اور انہوں نے ان کو مارا یہاں تک کہ کسی کو نہ باقی چھوڑا نہ بھاگنے دیا اور وہ 'عی' کے بادشاہ کو زندہ گرفتار کر کے یشوع کے پاس لائے اور جب اسرائیلی 'عی' کے سب باشندوں کو میدان میں اس بیابان کے درمیان جہاں انہوں نے ان کا پیچھا کیا تھا قتل کر چکے اور وہ سب تلوار سے مارے گئے۔ یہاں تک کہ بالکل فنا ہو گئے تو سب اسرائیلی 'عی' کو پھرے اور اسے تہ تیغ کر دیا۔ چنانچہ وہ جو اس دن مارے گئے مرد اور عورت ملا کر بارہ ہزار یعنی 'عی' کے سب لوگ تھے۔ کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس

(۱) [(گنتی باب ۳۳: ۵۰ تا ۵۳)]

(۲) [(یشوع باب ۶: آیات ۲۱ تا ۲۴)]

سے وہ برچھے کو بڑھائے ہوئے تھے نہیں کھینچا جب تک کہ اس نے 'عی' کے سب رہنے والوں کو بالکل ہلاک نہ کر ڈالا۔ اور اسرائیلیوں نے خداوند کے حکم کے مطابق جو اس نے یشوع کو دیا تھا اپنے لیے فقط شہر کے چوپایوں اور مال غنیمت کو لوٹ میں لیا۔ پس یشوع نے 'عی' کو جلا کر ہمیشہ کے لیے اسے ایک ڈھیر اور ویرانہ بنا دیا جو آج کے دن تک ہے۔"(1)

(۴) "اور جیسا ہم نے حسبون کے بادشاہ سیحون کے ہاں کیا ویسا ہی ان سب آباد شہروں کو مع عورتوں اور بچوں کے بالکل نابود کر ڈالا۔"(2)

مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوا کہ یہود کا منسوخ اور محرف و مبدل مذہب انہیں دہشت گردی، خون ریزی اور معصوم بچوں اور عورتوں کے قتل کی بھی اجازت دیتا ہے۔

عیسائیت اور دہشت گردی:

انجیل میں ظالمانہ قتل و خونریزی کے ایسے واضح دلائل موجود نہیں جیسے تورات میں موجود ہیں تاہم انجیل چونکہ تورات ہی کا تکملہ ہے اس لیے تورات کے احکام بھی اہل انجیل (عیسائیوں) کے ہاں معتبر تسلیم کیے جاتے ہیں جیسا کہ خود انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے مذکور ہے کہ

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل

(1) [(یشوع باب ۸: آیات ۲۲ تا ۲۹)]
(2) [(استثناء باب ۳ آیت ۶)]

کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔"(۱)

لہٰذا جس طرح یہودیت دہشت گرد مذہب ہے اسی طرح عیسائیت بھی دہشت گرد مذہب ہے جیسا کہ بریٹینڈرسل اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ

"عیسائیوں نے یہودیوں کی وحی پر ایمان لا کر اس میں رومیوں کی دنیا پر حکومت کی خواہش اور یونان کے عمیق فلسفہ کا اضافہ کیا اور اس آمیزش نے ان کے مذہب کو دنیا کا سب سے دہشت ناک اور ظالم ترین مذہب بنا دیا۔"(۲)

ہندومت اور دہشت گردی:

ہندومت طبقاتی تقسیم کا حامی مذہب ہے۔ طبقاتی تقسیم میں سب سے نچلہ درجہ "شودر" قوم کا ہے۔ شودر مجموعی طور پر ان غیر آریہ اقوام کے لیے بولا جاتا ہے جو مفتوح و مغلوب ہو کر ہندوستان کی آبادی کا جزو بن چکی تھیں۔ برہمن ہندوؤں کے نزدیک شودروں کا مقام و مرتبہ جانوروں سے بھی حقیر خیال کیا جاتا ہے جیسا کہ منو کی دھرم شاستر کے درج ذیل اقتباسات سے واضح ہوتا ہے:

(۱) "برہمن کے نام کا پہلا حصہ تقدس کو ظاہر کرنے والا ہو' کشتری کا طاقت کو' ویش کا دولت کو اور شودر کا ذلت کو۔" (۳۱:۲)

(۲) "جو کوئی شودر کو دھرم کی تعلیم دے گا اور جو اسے مذہبی مراسم ادا کرنا سکھائے گا وہ اس شودر کے ساتھ ہی اسم ورت نامی جہنم میں جائے گا۔" (۸۱:۴)

(۳) "ایک شودر اگر دو تیج کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے کیونکہ وہ برہما کے حصۂ اسفل سے پیدا ہوا ہے۔" (۸:(۲۷۰)

(۴) "اگر وہ ان کا نام اور ان کی ذات کا نام لے کر توہین کرے تو دس انگلی لمبی لوہے کی

(۱) [(متی باب ۵ آیات ۱۷ تا ۲۰)]

(۲) [(In Praise of Idlaneas, P:108)]

سلاخ آگ میں سرخ کر کے اس کے حلق میں اتار دی جائے۔(۸:۲۷۱)

(۵) ''جو ادنیٰ ترین ذات کا آدمی (شودر) اعلیٰ ذات کے آدمی (برہمن) کے برابر بے ادبی سے ایک ہی جگہ بیٹھ جائے اس کے پیچھے حصہ پر نشان لگا کر راجہ یا تو اس کو ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کٹوا دے۔''(۸:۲۸۱)

(۶) ''اگر وہ برہمن پر غرور سے تھوک دے تو راجہ اس کے دونوں ہونٹ کٹوا دے اگر وہ اس پر پیشاب کرے تو اس کی شرمگاہ کو قطع کرا دے۔ اگر وہ برہمن کی طرف گوز صادر کرے تو اس کی جائے مخصوص کٹوا ڈالے۔''(۸:۲۸۲)

دشمنوں کے بارے میں ہندوؤں کی مذہبی کتابیں جس طرح کا خوفناک اور ظالمانہ رویہ پیش کرتی ہیں اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

''پس اے دیوی گائے! برہمن پر ظلم کرنیوالے مجرم بخیل' دیوتاؤں کی خدمت کرنے والے کو اپنی سوگرہوں والی بان سے جو استرے کے پھل کی طرح تیز ہے ہلاک کر۔ اس کے سر کو کندھوں سے الگ کر دے۔ اس کے سر کے بال نوچ ڈال اس کے بدن کی کھال کھینچ لے۔ اس کے پٹھے کھینچ لے۔ اس کے ڈھانچے پر سے گوشت کی بوٹی بوٹی اتار لے اس کی ہڈیوں کو کچل دے۔ اس کے سر سے بھیجا نکال لے اور اس کے سب اعضا اور جوڑوں کو الگ کر دے۔''(۱)

(۱)[(اتھرویدا۱۲:۵'۶۵۔۷۱)بحوالہ الجہاد فی الاسلام از سید مودودی ص:۳۴۷]

❷ دہشت گرد کون؟ عملی اور واقعاتی حقائق کی روشنی میں

ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ نظریاتی طور پر اسلام ایسی تعلیمات کا پرچار نہیں کرتا جو دہشت گردی کے زمرے میں شمار ہوں جب کہ ہنود و یہود اور عیسائیوں کی مذہبی کتابیں تشدد و دہشت کے ہر حربے کو درست قرار دیتی ہیں۔ اب ہم عملی اور واقعاتی حقائق کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ دہشت گرد کون ہیں؟

آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت میں مجموعی طور پر ۸۰ کے قریب چھوٹی بڑی جنگیں لڑی گئیں اور ان تمام جنگوں میں کل ۲۵۹ مسلمان شہید ہوئے جب کہ ۷۵۹ کافر مقتول ہوئے۔ اور جزیرہ نما عرب پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔ (۱)

۸۰ جنگوں میں صرف ۷۵۹ مقتولین کی انتہائی قلیل تعداد سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس دور میں آتشیں اسلحہ و بارود اور ایٹمی ہتھیار دریافت نہ ہوئے تھے اس لیے مقتولین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے اسلام بلاوجہ قتل عام کرنے' لاشوں کے ڈھیر لگانے اور خون کے دریا بہانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ انسانی جان کا حد درجہ احترام کرتا ہے اور صرف وہاں قتل' لڑائی اور جنگ کی اجازت دیتا ہے جہاں اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ ہو۔ اس کی اس سے بڑی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ جب فتح مکہ کے موقع پر وہ تمام مجرم آپ کے سامنے گردنیں جھکائے کھڑے تھے جنہوں نے گذشتہ ۲۰ سالوں سے آپ کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی' آپ چاہتے تو ان سب کو تہہ تیغ فرما دیتے مگر آپ نے چار شخصوں کے سوا باقی تمام مجرمین مکہ کو یہ کہتے ہوئے معاف کر دیا:

''لا تثریب علیکم الیوم یغفر الله لکم اذھبو فانتم الطلقاء'' (۲)

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

---

(۱)[(رحمۃ للعالمین ص ۲۱۱ ج ۲)]

(۲)[(سیرت ابن ہشام ص ۷۷: ج ۴ طبقات ابن سعد (۱۴۱/۲)]

اسی دور میں اگر عربوں یا روم وایران کی باہمی جنگوں کا مطالعہ کیا جائے تو ایک ایک جنگ ہی وحشت و بربریت کا نمونہ ثابت ہوتی ہے۔ ایسے ایسے مبنی بر تشدد طریقے اختیار کیے جاتے کہ نہ صرف یہ کہ دشمن خوف و ہراس کا شکار ہو بلکہ اس کا نام ونشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے۔ مثلاً

قیصر جسٹنین کے زمانہ میں جب ونڈالوں (افریقی قوم) پر چڑھائی کی گئی تو ان کی پوری قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا۔ جنگ سے پہلے اس قوم میں ۱۶۰۰۰۰ نبرد آزما مرد تھے اوران کے علاوہ عورتوں' بچوں اور غلاموں کی بھی ایک تعداد کثیر موجود تھی۔ مگر رومی فاتحوں نے جب ان پر قابو پایا تو ان میں سے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ گبن کہتا ہے کہ سارا ملک ایسا تباہ کردیا گیا تھا کہ ایک اجنبی سیاح اس کے ویرانوں میں سارے سارے دن گھومتا تھا اور کہیں آدم زاد کی شکل نہ دکھائی دیتی تھی۔ پروکوپیوس نے جب اول اول اس سرزمین پر قدم رکھا تھا تو اس کی آبادی کی کثرت اور تجارت وزراعت کی فراوانی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا تھا' مگر ۲۰ سال سے بھی کم عرصہ میں وہ تمام گہما گہمی ویرانی سے بدل گئی اور پچاس لاکھ کی عظیم الشان آبادی جسٹنین کے حملوں اور جفاکاریوں کی بدولت فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ (۱)

عہد فاروقی میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا تو وہاں ایک شخص بھی قتل نہ کیا بلکہ وہاں کے باشندوں سے صلح کرتے ہوئے حضرت عمر فاروق نے یہ عہد نامہ تحریر کروایا کہ

"یہ وہ امان نامہ ہے جو امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا والوں کو دیا ہے۔ ایلیا والوں کی جان' مال' گرجے' صلیب' بیمار' تندرست' سب کو امان دی جاتی ہے اور ہر مذہب والوں کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔

(۱)[(الجہاد فی الاسلام ص ۲۱۱)]

یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا اور نہ ان کی صلیبوں اور مالوں میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا تشدد کیا جائے گا اور نہ انمیں سے کسی کو کوئی ضرر پہنچائے گا۔ اور ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ پس یونانیوں یعنی رومیوں میں سے جو شخص شہر سے نکل جائے گا اس کے جان و مال کو امان دی جاتی ہے جب تک کہ وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائے۔ اگر کوئی رومی ایلیا ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو اس کو باقی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہل ایلیا میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اس کو امن و امان ہے یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے۔ جو کچھ اس عہد نامہ میں درج ہے اس پر خدا' رسول' خلفاء اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ اہل ایلیا جزیہ کی ادائیگی کا انکار نہ کریں۔"(۱)

لیکن جب ۱۰۹۹ء میں اسی بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کیا تو مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ

"ہر طرف ان کے ہاتھ اور پاؤں کے انبار لگ گئے۔ کچھ آگ میں زندہ پھینکے جا رہے تھے۔ کچھ فصیل سے کود کر ہلاک ہو رہے تھے اور گلیوں میں ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے ہیکل میں دس ہزار مسلمانوں نے پناہ لی تھی عیسائیوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔" (یورپ پر اسلام کے احسان ص ۸۲) اسی بیت المقدس کو جب دوبارہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تو کسی عیسائی (غیر مقاتل) کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی اور ہلکا سا ٹیکس (جزیہ) لگانے کے بعد سب کو مذہبی آزادی دے دی۔ دوران جنگ عیسائیوں کا سپہ سالار رچرڈ اول بیمار ہوا تو صلاح الدین ایوبیؒ اسے کھانا' پھل اور دیگر مفرحات بھجواتا رہا۔"(۲)

(۱)[(البدایۃ والنہایۃ وطبری)] (۲)[(ایضاً ص ۸۳)]

بیسویں صدی کے وسط میں اسی سرزمین بیت المقدس میں جب عیسائیوں نے یہودیوں کو غاصبانہ انداز میں اپنی ریاست قائم کرنے کی اجازت دے دی تو تب سے آج تک نہ صرف یہ کہ یہودیوں نے فلسطینی مسلمانوں کی نصف سے زیادہ زمین زبردستی اپنے قبضہ میں کر رکھی ہے بلکہ ہزاروں فلسطینی مسلمانوں کو بھی شہید کر دیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگر یہی مظلوم فلسطینی مسلمان اپنے حقوق کے دفاع کے لیے پتھر اور غلیل جیسے معمولی ہتھیار بھی اٹھاتے ہیں تو مغربی میڈیا انہیں دہشت گرد قرار دینا شروع کر دیتا ہے۔ اور اسرائیلی یہودی ٹینکوں اور توپوں سمیت فلسطینی مسلمانوں کی بستیاں اجاڑ دیں، مسجد اقصیٰ کو شہید کریں، معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کریں تو اس کھلی اور ننگی جارحیت پر عالمی طاقتیں چشم پوشی کا مظاہرہ کرتی ہیں!

۷۱۱ء میں راجا داہر کی ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے محمد بن قاسمؒ سندھ پر حملہ آور ہوا اور فتح حاصل کرنے کے بعد تین سال تک اس سرزمین پر قیام پذیر رہا۔ ان تین برسوں میں محمد بن قاسم نے اپنے حسن سلوک اور حسن تدبیر سے سندھیوں کو اس حد تک اپنا گرویدہ بنالیا کہ وہ اس کی ماتحتی میں اپنے ہی فوجی سرداروں سے لڑنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ تین سال بعد جب محمد بن قاسم عراق واپس جانے لگا تو لوگوں کی اشکبار آنکھیں ان کے اندرونی غموں کی غمازی کر رہی تھیں۔ لوگ عرصہ دراز تک اس کی جرأت، نیک سلوک اور پروقار شخصیت کی باتیں کرتے رہے۔ (۱)

۱۸۵۷ء میں جب اسی سرزمینِ ہند پر انگریز نے غلبہ پالیا تو نہایت سفاکی، درندگی، سنگدلی، دہشت گردی اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا مثلاً

(۱) لارڈ الفسٹن (انگریز مورخ) کے بقول ''ہماری فوج کے مظالم کا تذکرہ روح میں کپکپی

(۱) [(دیکھئے اسلامی تاریخ پاک و ہند از ہدایت اللہ چوہدری ص ۱۲)]

پیدا کر دیتا ہے جہاں تک لوٹ مار کا تعلق ہے ہم نادر شاہ ایرانی سے بھی بازی لے گئے ہیں۔"(۱)

(۲) "زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا یا پھانسی دینے سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا اور انہیں مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں یقیناً عیسائیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے۔" (ایضاً)

(۳) "دہلی میں جس شخص کے چہرے پر داڑھی نظر آتی یا جس کا پاجامہ اونچا ہوتا اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا۔" (ایضاً)

دہشت گردی کی تیسری تعریف:

امریکہ کی پالیسیوں اور اس کے حامیوں کی مخالفت کرنا بقول چومسکی امریکہ کے نزدیک دراصل یہی دہشت گردی ہے۔

تجزیہ:

یہ دہشت گردی کی باقاعدہ کوئی تعریف نہیں بلکہ یہ عبارت اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے کہ امریکہ نے دہشت گردی کو اپنے مخالفین کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر وضع کیا ہے۔ اور چونکہ امریکہ کی ظالمانہ و غیر منصفانہ پالیسیوں کے خلاف مسلمان ہی آواز حق بلند کرتے ہیں اس لیے انہی پر دہشت گردوں کا سب سے زیادہ اطلاق کیا جا رہا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ امریکہ کی پالیسیوں اور اس کے حامیوں کی مخالفت دہشت گردی ہے تو بذات خود یہی چیز پھر سب سے بڑی دہشت گردی ہے کہ امریکہ دنیا کے ہر ملک کی سیاست میں مداخلت کرے' ان پر اپنا 'ورلڈ آرڈر' مسلط کرتا پھرے' انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے یا بالفاظ دیگر ان پر ہر طرح کا ظلم کرے۔۔۔۔۔ اور اس

(۱) [(بحوالہ سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۳۶)]

ظلم پر اگر کوئی آنسو بہائے یا چیخے چلائے اور واویلا کرے تو اسی مظلوم بیچارے کو دہشت گرد قرار دے دیا جائے!

یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے نزدیک اسرائیل، ننگی جارحیت اور غاصبانہ قبضے کے باوجود دہشت گرد نہیں مگر فلسطینی مظلوم مسلمان دہشت گرد ہیں۔۔۔!

بھارت۔۔۔' کشمیر پر ناجائز قبضے اور ہزاروں کشمیری مسلمانوں کے قتل عام کے باوجود دہشت گرد نہیں مگر اس ظلم وتسلط کے خلاف جدوجہد کرنے والے یا ان مظلوموں کی پشت پناہی اور تعاون کرنے والے دہشت گرد ہیں۔۔۔۔!!

گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ مختلف ادیان کی الہامی تعلیمات' مختلف اقوام وملل کے عملی واقعات اور دہشت گردی کی بین الاقوامی تعریفوں کی روشنی میں اس کا مصداق مسلمان ہرگز نہیں بلکہ مجموعی اعتبار سے اس کا مصداق وہی لوگ (غیر مسلم) ہیں جو محرف و مبدل ادیان اور عقل انسانی پر مبنی نظریات پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی زمین پر خدائی قانون کی بجائے اپنی من مانی اور بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں اور جب تک ان کے پاس قوت وطاقت رہے گی تب تک زمین پر فتنہ وفساد اور دہشت گردی کی فضا قائم رہے گی۔ اس لیے دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کا قیام ازبس ضروری ہے!



باب 2

جہاد اور دہشت گردی میں فرق

- جہاد اور دہشت گردی میں تعریف کے لحاظ سے فرق
- جہاد اور دہشت گردی میں مقاصد کے لحاظ سے فرق
- جہاد اور دہشت گردی میں نتائج کے لحاظ سے فرق



کیا جہاد دہشت گردی ہے؟

اس وقت مغربی میڈیا نہایت چالاکی اور عیاری کے ساتھ جہاد کو دہشت گردی سے موسوم کرنے پر کمر بستہ ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں پروپیگنڈہ مہم اس کامیابی سے چلائی جا رہی ہے کہ مسلم مفکرین، صحافی اور دانشور بھی اس مسموم فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور فی الواقع جہاد کو دہشت گردی کے مترادف خیال کیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ جہاد کو دہشت گردی قرار دینا حقائق کے منافی ہے کیونکہ جہاد اور دہشت گردی میں تعریف، مقاصد، آداب اور نتائج ہر پہلو سے زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

(1) جہاد اور دہشت گردی میں تعریف کے لحاظ سے فرق

دہشت گردی کی مختلف تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنا، تشدد و قوت اور قتل عام کے ذریعے دہشت پیدا کرنا، بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا، بم دھماکے کرنا، سول آبادیوں اور نجی و سرکاری عمارتوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنانا۔

جبکہ جہاد کی تعریف اس کے برعکس کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرنا، علاوہ ازیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ہر طرح کی جارحیت کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد اور دہشت گردی اپنی تعریفوں کی روشنی میں اسی طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں جس طرح یہ دونوں لفظ اپنے وجود، اشتقاق اور بناوٹ کے لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کو ایک ہی چیز قرار دینا عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

● جہاد اور دہشت گردی میں مقاصد کے لحاظ سے فرق

دہشت گردی کا بنیادی مقصد دراصل مادی اغراض و مقاصد کا حصول ہے۔ اس لئے کسی خاص گروہ یا ملک کی معیشت پر کنٹرول کرنا، یا انہیں اپنا تابع فرمان یا حامی بنانا، یا انہیں غیر مستحکم بنانا یا انہیں اپنا آلہ کار بنانا یا ان پر مسلسل خوف طاری رکھنا یا بدامنی کی فضا پیدا کرنا، یا وہاں اپنا سیاسی اثر ورسوخ پیدا کرنا ـــــ یہ سب دہشت گردی کے اغراض ومقاصد میں شامل ہیں جبکہ جہاد کے اغراض ومقاصد میں ایسی کوئی 'بدمعاشی' اور غیر اخلاقی حرکت شامل نہیں۔ بلکہ جہاد انتہائی نیک مقاصد اور ان ناگزیر صورتوں میں کیا جاتا ہے جن صورتوں مین ہتھیار اٹھانے پر دنیا کی کوئی قوم قدغن نہیں لگا سکتی، جہاد جن اغراض ومقاصد کے لیے کیا جاتا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

● حقوق کا دفاع

عزت، مال، جان، اہل وعیال اور گھر بار (علاقہ، وطن) کا تحفظ ہر انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ دنیا کا کوئی بھی اخلاقی قانون اور ضابطہ کسی فرد یا جماعت کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ کسی کے ان بنیادی حقوق کو پامال کرے بلکہ ان حقوق کی پیشگی محافظت کے لیے ہر ملک داخلی طور پر پولیس اور خارجی طور پر فوج کے شعبہ جات منظم رکھتا ہے اور اگر داخلی طور پر کوئی فرد یا گروہ شہریوں کے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے بقدر جرم، مجوزہ سزا دی جاتی ہے خواہ وہ عمر قید کی صورت میں ہو، یا قتل کی صورت میں یا کسی اور صورت میں۔ اسی طرح اگر خارجی طور پر کوئی قوم یا ملک بلا جواز حقوق کی پامالی کیلیے حملہ آور ہو تو ان کے خلاف اپنے دفاع کے لیے ہر قوم جنگ کرنے اور سر نے مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے خواہ اس کا نتیجہ فتح کی صورت میں ہو یا شکست کی صورت میں۔

اسلام آخری اسلامی سچا دین ہونے کے ساتھ انسانی فطرت کے عین مطابق بھی ہے اور حقوق انسانی کا سب سے بڑا علمبردار بھی۔ اس لیے اسلام نے حقوق کے دفاع کو نہ صرف جائز اور مستحب کہا ہے بلکہ اسے فرض قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾

''اور اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (البقرۃ۔۱۹۰)

اگر کوئی شخص اپنی جان، مال اور عزت کو بچاتے ہوئے مارا جائے تو اسلام اسے شہادت کے درجہ پر فائز کرتا ہے جیسا کہ حضرت سعید بن زید ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید ومن قتل دون دمہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ فھو شھید.''[1]

''جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہادت کے درجہ پر فائز ہوگا۔ اسی طرح جو شخص اپنے دین کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگا دے وہ بھی شہید ہے۔ جو شخص اپنی جان بچاتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔''

ظلم کا بدلہ

جس طرح دین اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کے خلاف بلا جواز ظلم وتعدی کا مظاہرہ کیا جائے اسی طرح اسلام اسے بھی برداشت نہیں کرتا کہ اسکے پیرو کاروں

(۱)[ترمذی: کتاب الحدود۔ باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فھو شھید (۱۴۲۱) ابوداؤد: (۴۷۷۲) ابن ماجہ (۲۵۸۰) نسائی (۱۱۵/۷) احمد (۱۸۷/۱) ابن حبان (۳۱۹۴) ابویعلی (۹۴۹) بیہقی (۲۶۶/۳)]

(مسلمانوں) پر ظلم و جور اور جبر و تشدد کے پہاڑ توڑے جائیں بلکہ ایسی صورت میں اسلام ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ...﴾

''جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں ان (مسلمانوں) کو بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔'' (الحج۔۳۹۔۴۰)

یاد رہے کہ انسانی فطرت سلیمہ کسی طرح بھی ظلم کو روا رکھنے کے لیے تیار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت کے ترجمان (اسلام) نے ظلم کی کسی صورت کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ ہر طرح کے ظلم کو بری نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کے خلاف فکری و عملی طور پر منصوبہ بندی کرنے کو سب سے بڑا نیک عمل یعنی جہاد قرار دیا ہے۔ ظلم کا بدلہ لینے کی چند ایک نمایاں صورتیں درج ذیل ہیں:

❶ مقبوضات کی آزادی

اگر کسی خطہ میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد ہو اور ان کی آزادی کے تمام حقوق سلب کیے جا رہے ہوں تو ان کی مدد اور ظلم کے خاتمہ کے لیے جہاد کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن و سنت کے درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

● ﴿وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ﴾ (البقرۃ۔۱۹۱)

''انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمھیں نکالا ہے۔''

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کفار مکہ نے تمہیں مکہ سے نکالا تھا اسی طرح تم بھی انہیں مکہ سے نکال باہر کرو اور صاف ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے

کی جانے والی تیاری اور لڑائی جہاد کے زمرے میں داخل ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے بموجب فتح مکہ کے بعد تمام غیر مسلموں کو مکہ سے نکال دیا البتہ جنکے ساتھ کوئی معاہدہ تھا اور انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب بھی نہیں کیا تھا، انہیں حکم دیا گیا کہ مدت معاہدہ ختم ہونے تک وہ مکہ چھوڑ جائیں ورنہ ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے گا الا کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

● ﴿قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾

”انہوں نے کہا کہ ہم کو کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے علاقوں اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔لیکن جب ان کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گیا اور اللہ گنہگاروں کو خوب جانتا ہے۔“(البقرہ۔۲۴۶)

یہ قول بنی اسرائیل کے ان مسلمانوں کا ہے جنہیں ان کے اہل وعیال اور گھر بار سے از راہِ ظلم بے دخل کر دیا گیا اور اس ظلم کے بدلہ کے لیے انہوں نے طالوت کی زیر قیادت جالوت اور اس کے ظالم لشکر کے خلاف جہاد کیا اور ظالموں کو شکست فاش دی جب کہ ان مظلوموں کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں نہایت قلیل تھی۔اور اسی غالب آنے والی قلت کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ۔۲۴۹)

”کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب رہی۔“

● مظلوموں کی مدد

اگر کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو اقرب فالاقرب کے اعتبار سے دیگر صاحب استطاعت مسلمانوں پر ان کی مدد کرنا اور انہیں ظالموں کے ظلم سے نجات دلانا فرض ہے اور

اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے بھی جہاد کیا جاتا ہے جس کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

۱. ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (الانفال۔۷۲۔۷۳)

''اور جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمھارے لیے ان کی کچھ رفاقت نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے سوائے ان لوگوں کی کہ تم میں اور ان میں کوئی عہد و پیمان ہو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھتا ہے۔ کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔''

۲. ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾

''بھلا کیا وجہ ہے؟ کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوان مردوں اور عورتوں اور ننھے بچوں کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔'' (النساء۔۷۵)

۳۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى''﴾

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔'' (البقرۃ۔۱۷۸)

مظلوموں کی مدد کے حوالہ سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر کسی خطہ میں غیر مسلموں پر بھی ظلم ہو تو مسلمانوں پر بقدر استطاعت یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ کیونکہ اسلام ظلم کی کوئی صورت بھی برداشت نہیں کرتا خواہ وہ ظلم مسلمانوں پر ہو رہا ہو یا غیر

مسلموں پر۔اسی طرح، ظالم، غیر مسلم تو کجا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اسلام کی نظر میں وہ بھی اسی طرح مجرم ہے جس طرح کوئی غیر مسلم ظالم، مجرم ہے!!

● اعلائے کلمۃ اللہ یا غلبہ دین

اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ آخری آسمانی دین کی حقانیت کو تسلیم کر کے اس کے مطابق اپنی طرز زندگی استوار کر چکے ہیں اب وہ اللہ تعالیٰ کی ساری زمین پر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آنیوالے اس نظام (دین) کو نافذ کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ خواہ یہ کوشش زبان (دعوت و تبلیغ) سے ہو، مال سے ہو یا جان (قوت و طاقت) سے۔اور یاد رہے کہ غلبہ دین کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کو پوری زمین میں جہاں وہ چاہیں نماز پڑھنے اور رکوع وسجود کرنے کی اجازت مل جائے یا دیار غیر میں ان کے لیے مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، یا انہیں سرزمین کفر اور دارالحرب میں بآواز بلند کلمہ پڑھنے، تسبیح اور ورد کرنے کی سہولت حاصل ہو جائے بلکہ غلبہ دین کا معنی یہ ہے کہ انفرادی زندگی کے علاوہ اجتماعی سطح پر بھی اللہ کے حکم، قانون اور فیصلے کو بالادستی حاصل ہو۔ کسی فرد، گروہ، جماعت یا قوم کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت (Sovereignty) قائم ہو۔ سوشلزم، فاشزم، ماڈرنزم، کمیونزم، سیکولرزم، ڈیموکریسی یا بدھ مت، ہندومت، عیسائیت اور یہودیت کی بجائے صرف اللہ کا حکم چلے۔ کیونکہ وہی اس کائنات اور اس میں بسنے والی ساری مخلوق کا حقیقی خالق ہے اور صرف خالق ہی نہیں بلکہ رازق و مالک بھی وہی ہے۔ اس لیے جب ارض وسما، بحروبر، انسان وحیوان اور وسائل وذرائع اسکے پیدا کردہ ہیں تو پھر حکم بھی اسی مالک الملک کا چلنا چاہیے!

جو صاحب بصیرت اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے انعام و کرام پر اس کا شکر بجالاتے ہوئے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی پر اللہ کے دین کو غالب کر لیتے ہیں پھر

انہیں ہی اللہ تعالی یہ حکم دیتے ہیں کہ میری زمین پر میرے وسائل کو استعمال کرنے والے میرے ناشکروں، نافرمانوں اور کافروں کے خلاف جہاد کرو اور ان کے عقل وخواہشات پر مبنی خودساختہ نظاموں کو ان کی انفرادی زندگی سے نہ سہی کم از کم اجتماعی زندگی سے ختم کر کے میرے دین، نظام، حکم اور قانون کو نافذ کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

● ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبہ۔۲۹)

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ (یہ) ان لوگوں میں سے (ہیں) جنہیں کتاب (تورات وانجیل) دی گئی، (ان سے اس وقت تک لڑتے رہو) حتی کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔''

● ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال۔۳۹)

''اور تم ان (کافروں) سے لڑو اس حد تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔''

● ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (البقرۃ۔۱۹۳)

''اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

''ای یکون دین اللہ ھو الظاھر العالی سائر الادیان ''[1]

''یعنی اللہ کا نظام (دین) بلا استثنا تمام نظاموں پر غالب آجائے۔''

اللہ کے آخری برگزیدہ رسول ﷺ کی ساری زندگی اسی محنت اور کوشش میں بسر ہوئی۔ جب تک مکی دور میں آپ پر قتال فرض نہ ہوا تب بھی آپ کی یہی دعوت تھی کہ لوگو! اللہ کے

(۱) [تفسیر ابن کثیر ص:۳۴۱ ج۱]

قانون، نظام اور دین کو قبول کرلو اور جب آپ پر قتال فرض کر دیا گیا تو تب بھی اسی نظریہ کے مطابق آپ ﷺ یہ کہتے رہے کہ

"امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وانّ محمد رسول اللہ ویقیمو الصلوٰۃ ویوتوا الزکاۃ فاذا فعلوا ذٰلک عصموا منی دمائھم واموالھم الاّ بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ"(۱)

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ لہٰذا جب لوگ ایسا کرلیں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کرلیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا حق ہے، اور ان کا (اعتقادی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ بھی اسی مشن پر گامزن رہے کہ جب ارض وسما اور اس میں پیدا کردہ انسان اور انہیں عطا کردہ تمام وسائل زندگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے مرہون منت ہیں تو پھر اس زمین پر اس کا حکم کیوں نہ چلے اور کیوں اس کے پیدا کردہ انسان اس کے وسائل استعمال کرنے کے باوجود اس کی زمین پر اس کی بغاوت اور فتنہ وفساد برپا کیے رکھیں۔ اسی بغاوت، سرکشی اور حقیقی حاکم کی حاکمیت سے روگردانی کرنے والوں کے خلاف ان کی تلواریں چلیں، حق وباطل کے پیہم معرکے ہوئے اور کفر وسرکشی پر مبنی قیصر وکسریٰ جیسی طاغوتی حکومتیں گرتی چلی گئیں جب کہ اللہ کا دین بلند وبالا اور اللہ کا حکم نافذ ہوتا چلا گیا۔ اسکی تفصیلات کا یہ محل تو نہیں تاہم اسی سے متعلقہ ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جسے تقریباً تمام متقدم مؤرخین نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ

(۱)[بخاری: کتاب الایمان: باب فان تابوا واقاموا الصلاۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم (۲۵) مسلم: کتاب الایمان۔ ۳۶۔۲۲]

"جنگ قادسیہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ سے پہلے مذاکرات کی مختلف نشستیں ہوئیں۔ انہی میں سے ایک نشست ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم اور حضرت ربعی بن عامر صحابی رسول کے درمیان ہوئی تو رستم نے کہا کہ تم ہمارے ملک کو فتح کرنے کیوں چلے آئے؟ اگر تمہیں بھوک، ننگ اور غربت و افلاس نے ستایا ہے تو ہم ازراہ احسان تمہیں مال و متاع سے نواز دیتے ہیں! مگر حضرت ربعیؓ نے جواب دیا:

"والله جاء بنا لنخرج العباد من عبادة العباد الى عبادة الله "[1]

"اللہ تعالیٰ ہمیں تمہارے خلاف چڑھا لایا ہے تاکہ ہم اللہ کے بندوں کو (تم) لوگوں کی غلامی و بندگی سے نکال کر (اپنی بندگی کی بجائے) اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف لے آئیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی فتوحات ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں بلکہ حکم الٰہی کے قیام کی خاطر تھیں۔

ضروری وضاحت

غلبہ دین کے لیے جہاد کرنے کے اس مقصد و غرض پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تو امن و امان اور پرامن بقائے باہمی (Peace full living) کی بجائے مستقل جنگ کی کیفیت برپا کیے رکھنے والا دین ہے۔ جو جہانگیریت کو پروان چڑھاتا ہے۔۔۔ علاوہ ازیں ایک یہ شبہہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام بزور شمشیر مسلمان بنانے والا دین تو نہیں؟ یہی وہ دو شبہے ہیں جنہیں ہر دور میں اسلام دشمن پیش کرتے آئے ہیں اور دور حاضر میں بھی اسلام پر یہ اعتراض مسلسل جاری ہے۔

پہلے اعتراض کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر فی الوقت امریکہ ساری دنیا میں اپنا ورلڈ آرڈر جاری کر سکتا ہے اور اس کے تحفظ اور قیام کے لیے ہر طرح کی دشمنی مول لے سکتا ہے تو پھر اسلام کو دنیا میں اپنا نظام قائم کرنے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی آخر اجازت کیوں نہیں؟

(1) [(تاریخ طبری ص ۵۲۰ ج ۳، البدایہ والنھایہ)]

البتہ اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اسلام اللہ تعالی کا آخری آسمانی اور تا قیامت ابدی دین ہے اور یہ اللہ کا حق ہے کہ اس کی زمین اور اس کے بندوں پر صرف اسی کا دین اور حکم چلے۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان بھی صرف اپنے ذاتی مفاد کیلیے یا اسلام کے خلاف کسی اور نظام کی ترویج کے لیے کھڑا ہو تو اسلام ایسے مسلمان کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔

جب کہ اسی اعتراض کا عقلی جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک ارتقائی تسلسل ہے اور انسان کی عقل و بصیرت انتہائی کارگر ہونے کے باوجود محدود ہے۔ اس لیے انسانی عقل کی بنیاد پر بننے والا ہر نظام اور ہر قانون محدود ہوتا ہے۔ تاریخی ارتقا کے ساتھ لامحالہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پچھلے پورے کے پورے نظام کو الوداع کہہ دیا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالی کی طرف سے آنیوالا نظام اس فطری کمزوری سے یکسر پاک ہوتا ہے۔ اس لیے آسمانی دین ہی اس بات میں حق بجانب ہے کہ بہرصورت اسے ہی فکری و عملی طور پر نافذ کیا جائے۔

لیکن اب یہاں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اسلام کے علاوہ عیسائیت اور یہودیت بھی تو آسمانی ادیان تھے پھر انہیں چھوڑ کر صرف اسلام ہی کا تقاضا کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ دین تغیر و تبدل اور تحریف کی نذر ہو چکے ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ دونوں اپنے ادوار تک محدود تھے (اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل مغرب کی تاریخ میں کلیسا اور سائنس دانوں کی وہ جنگ ہرگز برپا نہ ہوتی جس میں مذہبی پیشواؤں کے ہاتھوں لاکھوں سائنس دان مارے گئے۔ کیونکہ سائنسی تحقیقات ان کے محرف شدہ دین کے برخلاف تھیں۔ اور بالآخر سائنس دانوں کے ہاتھوں ان جھوٹے اور تبدیل شدہ ادیان و مذاہب کے پیشواؤں کو شکست قبول کرنا پڑی!) جب کہ اسلام ان دونوں اور ان کے علاوہ بھی ہر طرح کے نقص و عیب سے پاک اور قیامت تک کے لیے قابل عمل ہے۔ اس لیے اب صرف اسی آخری آسمانی دین کا یہ حق بنتا ہے کہ اس کے مطابق دنیا کا نظام کھڑا کیا جائے۔

پہلے اعتراض کا دوسرا اور عقلی جواب، یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی مقتدر قوت خدائی تعلیمات سے منحرف ہو کر محض اپنی عقل کی بنیاد پر کوئی قانون اور نظام تجویز کرے گی تو وہ نظام لامحالہ اسی اعلیٰ قوت اور مقتدر افراد یا اقوام کے ذاتی اغراض و مقاصد کا ترجمان اور محافظ ہوگا جب کہ اس بالا دست طبقہ کے علاوہ دیگر طبقوں اور لوگوں کا اس کے ذریعے استحصال اور دیگر حقوق کی پامالی یا ناانصافی یقینی ہے! [دورِ حاضر میں اس کی روشن مثال 'اقوام متحدہ' کا ادارہ ہے جو بلاشبہ چند عالمی طاقتوں کا پشت پناہ ہے۔] جب کہ آسمانی دین کسی فرد وقوم کے ذاتی اغراض و مقاصد سے بالاتر ہو کر محض خدائی حقوق اور عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے دینِ اسلام ہی یہ استحقاق رکھتا ہے کہ اسے تمام نظاموں پر حاوی کیا جائے مگر اسے حاوی کرنے کی صلاحیت بھی صرف وہی لوگ رکھتے ہیں جو پہلے اپنی زندگیوں، اپنے معاشروں اور خطوں میں اسے غالب کر چکے ہوں۔

ان تصریحات کے بعد باآسانی یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلام امن وسلامتی سے نوازنے والا دین ہے مگر صرف ان لوگوں کو جنہیں امن وسلامتی کا حق اس ذات کی طرف سے مل جائے جو تمام کائنات کی خالق و مالک ہے اور صرف اسی دین کے اصول و قوانین عدل و انصاف پر مبنی ہیں جنہیں بلا نقص و عیب قرآن وسنت میں سمو دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی نام نہاد مسلمان بھی ان اصول و قواعد کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کا ذاتی طور پر قابل اعتراض فعل ہوگا لیکن اس کی بنیاد پر اسلام کو مطعون نہیں کیا جا سکتا!

دوسرے اعتراض یا شبہہ (کہ اسلام بزورِ شمشیر مسلمان کرنے والا دین ہے) کا جواب یہ ہے کہ اول تو عقل ہی اس بات کی تردید کرتی ہے کہ کسی شخص کو بزورِ قوت مسلمان بنایا جا سکتا ہے کیونکہ جسمانی طور پر کسی کو مغلوب تو کیا جا سکتا ہے مگر عقلی وفکری اور نظری طور پر کسی شخص کو جبراً ہرگز مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کہیں کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں ملتی کہ جس سے کسی کو زبردستی مسلمان کرنے کا اشارہ تک بھی

ہو بلکہ قرآن مجید صریح طور پر اس نظریہ کی ان الفاظ میں نفی کر دیتا ہے کہ

"لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (البقرۃ۔۲۵۶)

"دین (قبول کروانے کے سلسلہ) میں کوئی جبر اور زبردستی جائز نہیں"

اور جہاد اگرچہ ظالمانہ نظام حکومت کو ختم کر کے اجتماعی معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے مگر انفرادی و نجی سطح پر ہر شخص اور گروہ کو پوری مذہبی آزادی فراہم کرتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی تصور جہاد کے مطابق دشمن کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ صدق دل سے اس دعوت کو قبول نہ کرنے والوں کو دوسرے نمبر پر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور کیا جاتا ہے اور اگر دشمن دوسری صورت کو بھی قبول نہ کرے تو تیسری اور آخری صورت میں اس کے خلاف قتال کیا جاتا ہے۔ اور یاد رہے کہ جزیہ کی صورت پر دشمن کے رضامند ہو جانے کے بعد اسلام ایسے دشمن کو "ذمی" قرار دیتا ہے۔ اور انفرادی طور پر انہیں اپنی عبادت گاہوں اور اپنی نجی عدالتوں میں اپنے احکامات اور عبادات پر عمل پیرا ہونے کی آزادی دیتا ہے اور جب تک یہ 'ذمی' مسلمانوں سے کیے ہوئے اپنے معاہدات پر قائم رہیں تب تک اسلام بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔ البتہ اسلام کے عدل و انصاف سے متاثر ہو کر ہر دور میں ذمی اور غیر مسلم بڑی تعداد میں مسلمان ہوتے رہے جس سے بعد کے لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید انہیں زبردستی مسلمان بنایا جاتا رہا ہے!!

فتنہ و فساد کی سرکوبی

قرآن مجید فتنہ و فساد کا خاتمہ بھی جہاد کے اغراض و مقاصد میں شامل قرار دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ (البقرۃ۔۱۹۳)

"ان سے اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک کہ فتنہ ختم اور دین اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔"

بنیادی طور پر فتنہ کا معنی امتحان اور آزمائش ہے۔ یہ آزمائش انسان کے لیے دنیاوی اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور دینی اعتبار سے بھی۔ دنیاوی اعتبار سے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی جگہ پر بعض لوگوں (مسلم ہوں یا غیر مسلم) پر جسمانی طور پر ظلم کیا جائے یا معاشی اعتبار سے ان کا استحصال ہو یا ان کے بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کی جاتی ہو تو حسب استطاعت ان کی مدد کرنا اور ان پر ہونے والے فتنہ وفساد کا خاتمہ کرنا قرآنی حکم کی عین تعمیل ہے۔

دینی اعتبار سے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی جگہ بعض لوگ اسلام قبول کرنا چاہتے ہوں لیکن انہیں اسلام قبول کرنے سے زبردستی اور جبری طور پر روکا جائے یا مسلمان ہو جانے والوں کو ان کے دین سے منحرف کرنے کے لیے مختلف مصائب اور آزمائشوں سے دوچار کیا جاتا ہو جس کی وجہ سے ایسے لوگوں کیلیے دنیا دار العذاب بن چکی ہو تو انہیں اس ابتلاء وامتحان سے بچانے اور فتنہ وفساد کا خاتمہ کرنے کے لیے بھی جہاد کیا جاتا ہے۔

● داخلی امن واستحکام

معاشروں، قوموں اور ملکوں کو اندرونی سازشوں اور تخریب کاریوں کا شکار بنا کر انہیں کمزور کرنے اور مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کو ہمیشہ سے ایک کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس صورت پر قابو پانے کیلیے بعض شرائط اور حدود وقیود کے ساتھ داخلی طور پر بھی جہاد کو مشروع قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

"جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کے لیے دوڑتے ہیں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کا ایک ہاتھ اور ایک مخالف پاؤں کاٹ دیا جائے یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ مگر جنہوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (المائدہ۔۳۳-۳۴)

داخلی امن وامان اور استحکام کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وہ اقدامات نہایت اہمیت کے حامل ہیں جو بعض مرتدین، ملحدین اور منکرین زکاۃ کے خلاف آپ نے کیے۔ حتی کہ جب آپؓ نے منکرین زکاۃ کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا تو عمر فاروقؓ جیسے جرأت مند صحابی بھی ڈگمگا گئے اور ابوبکرؓ سے کہنے لگے کہ

"یا ابا بکر کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہﷺ امرت ان قاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ اللہ عصم منی مالہ ونفسہ"

ابوبکرؓ! آپ ان (کلمہ گو مسلمان) لوگوں سے کیونکر جہاد کریں گے؟ جب کہ اللہ کے رسول ا کا فرمان ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑائی کرتا رہوں گا جب تک وہ کلمہ شہادت کا اقرار نہ کر لیں اور جو کلمہ پڑھ لیں گے وہ مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان بچا لیں گے (اور انہوں نے صرف زکاۃ کا انکار کیا ہے کلمہ شہادت کا تو یہ اقرار کرتے ہیں!)

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ

" واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ فان الزکاۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ لقاتلتھم علی منعھا "

"اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرتا ہے۔ بلاشبہ زکاۃ مال کا حق ہے (جس طرح نماز جسم کا حق ہے) بخدا! اگر یہ لوگ مجھے بکری کا ایک بچہ بھی نہ دیں جو یہ (بطور زکاۃ) آنحضرتﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان کے اس انکار پر ان کے خلاف

لڑوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے جب یہ جواب سنا تو کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! مجھے سمجھ آ گئی کہ ابو بکرؓ کے دل میں جو لڑائی کا ارادہ ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں ڈالا گیا ہے اور ابو بکرؓ کی رائے برحق ہے۔" (۱)

اسی طرح حضرت علیؓ نے داخلی استحکام کے لیے خوارج کے ساتھ جہاد کیا جب کہ خوارج کلمہ گو اور بظاہر نہایت متقی معلوم ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی واضح رہے کہ مندرجہ صورت ہی کے برعکس اگر ملحد و زندیق قسم کے لوگ برسر اقتدار آ کر اسلام کے خلاف معاندانہ اقدام شروع کر دیں تو پھر رعایا کو ایسے حکمرانوں کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت ہے۔ مگر یہ اجازت چند کڑی شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کے تذکرے کا یہ محل نہیں۔

⓫ عہد شکنی کی سزا

اگر کوئی قوم مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے اپنے کسی بھی معاہدے کی واضح طور پر خلاف ورزی کرے تو اس عہد شکنی کے جرم میں اس کے ساتھ جہاد کیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

● ﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبہ۔۱۰ تا ۱۴)

"اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: کتاب استتابة المرتدین: باب قتل من ابی قبول الفرائض..... (۶۹۲۴۔۶۹۲۵)، کتاب الزکاة (۱۳۹۹)، مسلم: کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ (۳۲۔۲۰)]

کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں کے ساتھ جنگ کرو تاکہ وہ باز آجائیں۔ بے شک ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول اکو جلاوطن کرنے کا پکا ارادہ کرلیا اور انہوں نے تم سے چھیڑ چھاڑ پہلے شروع کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا بہت زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔"

● ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللّٰهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِينَ﴾ (الانفال۔۵۵تا۵۸)

"جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو منکر ہوئے۔ پس وہ ایمان نہیں لاتے۔ ان میں سے جن لوگوں سے تم نے عہد کیا ہے، اور پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے، پس اگر تم ان کو میدان جنگ میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کی پشت پر ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ وہ عبرت پکڑیں۔ اور اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو۔ اس طرح کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

❸ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں یہود کے تین بڑے قبیلے آباد تھے جن کے ساتھ آپ ﷺ نے ایک تفصیلی معاہدہ کرلیا لیکن ان تینوں قبائل نے یکے بعد دیگرے معاہدے کی خلاف ورزی کی جس کی پاداش میں ان قبائل کے خلاف آنحضرت ﷺ نے جہاد کیا۔

☐ بنو قینقاع کی عہد شکنی کے سلسلہ میں سب سے مشہور یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت بنو

قینقاع کے بازار میں ایک یہودی سنار کے پاس کسی ضرورت کے لیے گئی تو یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا پچھلی طرف سے باندھ دیا۔ جب وہ اٹھی تو اس سازش سے بے خبر ہونے کی وجہ سے بے پردہ ہو گئی۔ وہ عورت چیخ و پکار کرنے لگی جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ جواباً یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اس عہد شکنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے بنو قینقاع کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر عبداللہ بن ابی منافق کی کوششوں سے انہیں قتل کرنے کی بجائے مدینہ سے نکال دینے ہی کی سزا پر اکتفا کیا گیا۔

□ اسی طرح بنی نضیر قبیلے نے عہد شکنی کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی جس کی سزا میں انہیں بھی مدینہ سے نکال دیا گیا۔

□ جب کہ آخری یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے جنگ احزاب کے موقع پر مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدہ کے مطابق بیرونی حملہ آوروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے بیرونی دشمنوں کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے جنگ سے فارغ ہو کر ان کا محاصرہ کیا اور انکے بیوی، بچوں کو غلام اور ان کے جنگی جوانوں کو قتل کروا کے انہیں عہد شکنی کی قرار واقعی سزا دی۔[1]

ضروری وضاحت

گذشتہ صفحات میں جہاد کے چھ بنیادی اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ اغراض و مقاصد کچھ حدود و قیود اور اصول و ضوابط کے ساتھ مربوط ہیں۔ اگر ان حدود و شرائط

(۱) [یہودیوں کے حوالے سے یہ بات یاد رہے کہ بعض غیر مسلم اسلام کے حوالے سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے ان یہودیوں پر ظلم کیا تھا حالانکہ مذکورہ واقعات کی تفصیلات یہ بتاتی ہیں کہ خود ان یہودیوں کی روش ہی بری تھی اور چار و ناچار ان کے خلاف مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے پڑے۔]

کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یہی مقدس جہاد، بذات خود فساد میں بدل سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض اغراض و مقاصد کا تعلق اقدامی جہاد سے ہے اور بعض کا دفاعی جہاد سے۔ بعض اغراض کے حصول کے لیے باقاعدہ نظم بندی، ذو سلطہ (صاحب اقتدار) امیر و حاکم یا صحیح اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے۔ بعض مقاصد کے حصول کے لیے جہاد سے پہلے والدین کی اجازت، مطلوبہ قوت و استعداد، معاہدات کی پاسداری وغیرہ جیسی شرائط بھی ضروری ہیں جب کہ جہاد کی بعض صورتوں (بالخصوص دفاعی صورتوں) میں یہ مذکورہ شرائط پوری کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے جہاد کے اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرتے وقت ان تمام صورتوں اور ان کے آداب وضوابط کو مدنظر رکھنا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ جب کہ بعض جہادی اور عسکری تحریکیں یقیناً اس مقام پر افراط وتفریط کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کے پیش نظر جہاد کے مطلوبہ اغراض و مقاصد تو ضرور ہوتے ہیں مگر ان کے حصول کے جو ذرائع اسلام متعین کرتا ہے اور انہیں کچھ شرائط کے ساتھ مشروط کرتا ہے، انہیں کما حقہ مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ حالانکہ کوئی فرد یا گروہ جس طرح صحیح اغراض و مقاصد کے لیے جہاد کرنے کو حرام قرار دے کر بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے اسی طرح جہاد کرنے اور اس کا جذبہ رکھنے والے وہ افراد، تنظیمیں اور گروہ بھی اس وقت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ جب وہ جہاد کی مختلف صورتوں اور انکی شرطوں کا لحاظ نہیں رکھتے۔ جہاد کے آداب وضوابط اور اغراض و مقاصد کے حوالے سے مکمل تفصیلات راقم کی کتاب ''اسلام میں تصور جہاد اور دور حاضر میں عمل جہاد'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جبکہ اس سے متعلقہ ایک بحث آئندہ صفحات میں ''اسلام دہشت گردوں سے بری ہے'' میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

جہاد اور دہشت گردی میں آداب وضوابط کے لحاظ سے فرق

دہشت گردی بذات خود ایک گھناؤنا جرم ہے اس لیے دہشت گردی کے حوالہ سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں اخلاقی ضابطوں اور انسانی قدروں کا پاس کیا جاتا ہوگا۔ کیونکہ دہشت گردی کا سب سے بڑا ضابطہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ''مقصد کی تکمیل ہونی چاہیے'' خواہ اس کے لیے کتنا ہی گھناؤنا ذریعہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اور ذرائع کا گھٹیا ہونا بھی مقاصد کے گھٹیا ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ جہاد میں اخلاقی قدروں کا پاس کرتے ہوئے شریعت نے بے شمار آداب وضوابط مقرر کر رکھے ہیں تاکہ بوقت لڑائی صرف انہی ظالموں، سرکشوں اور شوریدہ سروں کا خون بہایا جائے جو قرار واقعی سزا کے مستحق ہیں اور معصوم و بے گناہ لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں۔ علاوہ ازیں ان آدب وضوابط کی پاسداری کو یقینی بنانے کے لیے شریعت نے جہاد کے اجر وثواب کو انہی آداب وضوابط اور حدود وقیود پر موقوف ٹھہرا دیا ہے۔ آئندہ صفحات میں جہاد کے چند ایک اہم آداب درج کیے جا رہے ہیں:

● جنگ سے قبل مدنظر رکھے جانے والے آداب:

● دنیاوی اغراض ومقاصد سے پرہیز:

اسلام میں محض دنیاوی مال ومتاع اور صرف مادی اغراض ومقاصد کے حصول کیلیے اقدامی جہاد کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ ان چیزوں کو ضمنی طور پر ان فوائد میں شمار کیا گیا ہے جو جہاد کے نتیجے میں غالب آنے والے مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں مگر صرف انہیں بنیاد بنا کر جہاد کرنے کو اسلام نے گوارا نہیں کیا بلکہ اسلام میں (اقدامی) جہاد کا مقصد غلبہ دین اور حکم خداوندی کی تنفیذ ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آدمی آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ!

"الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل ليذكر والرجل يقاتل ليرى مكانه فمن في سبيل الله ؟فقال من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله"

"ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص نام کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص ریاکاری کے لئے لڑتا ہے، ان میں سے جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو شخص اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے لڑتا ہے اس کی لڑائی فی سبیل اللہ ہے۔"(۱)

آنحضرت ﷺ کی بعثت ورسالت سے پہلے اہل عرب بھی دنیاوی اغراض ومقاصد کیلیے جنگیں لڑا کرتے تھے چنانچہ ایک مسلمان شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ

"اگر کوئی شخص جہاد کا ارادہ رکھتا ہو اور اسکے ذریعے دنیا کا مال ومتاع بھی حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ 'لا اجر له' اسکے لیے اللہ کے ہاں کوئی اجر وثواب نہیں۔ جب لوگوں نے اس آدمی سے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی تو بڑے حیران ہوئے اور اسے کہنے لگے کہ تم اللہ کے رسول ﷺ سے یہی سوال دوبارہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ تم پہلے اپنے سوال کو واضح نہ کر سکے ہو اسنے دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے وہی جواب دیا کہ ایسے شخص کیلیے کوئی اجر وثواب نہ ہوگا۔ لوگوں نے اس آدمی سے تیسری مرتبہ یہی بات کہی کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا کر پھر یہی سوال کرو۔ اسنے تیسری مرتبہ پھر یہ سوال کیا مگر اللہ کے رسول ﷺ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ 'لا اجر له' ایسے شخص کیلیے کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔" (۲)

اسی طرح کے ایک سائل کو آپ ﷺ نے یہی جواب ('لا اجر له') دیتے ہوئے فرمایا:

---

۱) [بخاری: کتاب الجہاد: باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (۲۸۱۰) مسلم: کتاب الامارۃ: باب من قتل..(۱۹۰۴) ابوداؤد (۲۵۱۴) ترمذی (۱۶۴۶) ابن ماجہ (۲۷۸۳) احمد (۳۹۲/۴)]

۲) [ابوداؤد کتاب الجہاد: باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا (۲۵۱۶) مستدرک حاکم (۱۵/۲)]

''ان اللہ لا یقبل من العمل الا ما کان خالصا وابتغی بہ وجھہ.......''(1)

''اللہ تعالی صرف اس عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے حصول کے لیے کیا جائے۔''

بے شمار احادیث مبارکہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں محض دنیاوی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ آپ ﷺ نے محض دنیاوی اغراض و مقاصد کیلیے کوئی جنگی اقدام کیا ہو۔ علاوہ ازیں محض دنیاوی اغراض و مقاصد کے حصول کیلیے اپنی توانائی اور کوشش صرف کرنے والوں کی قرآن مجید نے اسطرح مذمت کی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [ھود۔۱۵۔۱۶]

''جو شخص دنیا کی زندگی اور اسکی زینت پر فریفتہ (ہوجاتا) ہو ہم اس کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کیلیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا تھا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب کچھ برباد ہونے والا ہے''

● شہرت، ناموری اور بہادری دکھانے کے لیے لڑنے کی ممانعت

اسلام نے شہرت نام و نمود، ریاکاری اور فخر و تکبر کا مظاہرہ کرنے کیلیے لڑائی کرنے سے منع کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

◆ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ (الانفال۔۴۷)

(۱) [نسائی کتاب الجہاد: باب من غزا یلتمس الاجر والذکر]

"اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کیلئے گھروں سے نکل آئے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ جو کرتے ہیں، اللہ اس پر احاطہ کئے ہوئے ہے"

جنگ حنین میں محض اس وجہ سے مسلمانوں کو قدرے نقصان اٹھانا پڑا کہ افراد و وسائل کی فراوانی کیوجہ سے ان میں یک گونہ فخر کا احساس پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

◆ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز سب سے پہلے ایک شہید کا فیصلہ کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تم نے میری نعمتوں کا حق کس طرح ادا کیا تو وہ شہید جواب دیگا کہ

"قاتلت فيك حتى استشهدت....."

"میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتی کہ شہید کر دیا گیا"۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے :

"كذبت ولكنك قاتلت لان يقاتل جرئى فقد قيل ثم امر به فسحب على وجهه حتى القى فى النار...." "تو جھوٹ بولتا ہے تو نے اس لیے جہاد کیا تا کہ لوگ تمہیں بہادر کہیں اور دنیا والوں کی طرف سے تجھے بہادر کہا گیا۔۔۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا جائیگا اور وہ اس شہید کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔"(1)

● عہد شکنی سے گریز

اگر دشمن سے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اس میں خیانت کر کے لڑائی کرنے کو اسلام نے پسند نہیں کیا۔ بلکہ اسلام اس بات کا متقاضی ہے کہ دشمن کو لڑنے سے پہلے اچھی طرح متنبہ و مطلع کر دیا جائے تا کہ وہ لڑنے یا جزیہ دینے کی ادائیگی پر صلح کرنے یا مسلمان ہونے پر آخری

(1)[مسلم کتاب الامارۃ: باب من قاتل للریاء.......(۱۹۰۵) نسائی کتاب الجہاد (۲۳/۶) حاکم (۱۱۰/۲)]

مرتبہ پوری سنجیدگی سے غور کرلے۔لیکن اسکے باوجود اگر دشمن لڑنے ہی پر آمادہ ہو تو پھر اس کے خلاف لڑائی کی جائے گی۔

● اسلام یا جزیہ کی پیش کش

جنگ شروع کرنے سے پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے۔اگر وہ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے مسلمان ہو جائیں تو انہیں بھی دیگر مسلمانوں والے تمام حقوق حاصل ہوں گے حتی کہ انکا علاقہ اور اقتدار وغیرہ بھی انہی کے پاس [illegible] اگر دشمن اسلام کی دعوت سے انکار کردے تو پھر دوسری شرط یہ پیش کی جائے گی کہ وہ مذہبی طور پر تو پوری طرح آزاد ہیں لیکن اپنے مذہبی احکام بجالانے، اپنے قوانین کے مطابق اپنے فیصلے کرنے اور اپنے گھربار اور کاروبار کے مالک رہنے کے باوجود اپنے اقتدار اور سیاسی اثر ورسوخ سے دستبردار ہو جائیں اور مسلمانوں کو مقررہ ٹیکس (جزیہ) ادا کریں جبکہ اس صورت میں انکے دفاع کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی۔اگر دشمن اس دوسری صورت پر بھی رضامند نہ ہو تو پھر بالآخر اسکے خلاف جنگی اقدام کیا جائیگا۔جیسا کہ

● حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور انکے والد فرماتے ہیں کہ "اللہ کے رسول ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر بنا کر روانہ کرتے تو انہیں خاص طور پر تقوی کا حکم دیتے ......(اسکے علاوہ یہ حکم بھی دیتے کہ) جب تم مشرک دشمنوں سے آمنا سامنا کرو تو انہیں تین چیزوں کی پیش کش کرو۔ان میں سے جس چیز پر وہ راضی ہو جائیں تم اسے تسلیم کرکے لڑائی سے رک جاؤ۔انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کرلیں تو تم بھی اس پر آمادہ ہو کر لڑائی سے رک جاؤ۔پھر انہیں یہ دعوت دو کہ وہ اپنے علاقہ سے ہجرت کرکے مہاجرین کے علاقے

میں چلے آئیں اور اس صورت میں انکے حقوق وفرائض وہی ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں ......اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو پھر ان سے جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرو۔لیکن اگر وہ جزیہ کی ادائیگی سے بھی انکار کردیں تو پھر انکے خلاف اللہ تعالی سے مدد طلب کرتے ہوئے لڑائی شروع کردو۔"(۱)

● حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

"اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کی دعوت دیئے بغیر کسی قوم کے خلاف جہاد نہیں کیا۔"(۲)

● میدان جنگ کے آداب

غیر مقاتلین کے قتل کی ممانعت

اسلام نے غیر مقاتلین سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے سے منع کیا ہے۔غیر مقاتلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو لڑنے کے لیے نہ خود میدان میں آئیں اور نہ ہی دیگر لڑنے والوں کی مدد کررہے ہوں مثلاً دشمن کے پچھلے کیمپوں اور بستیوں میں موجود مقاتلین کے بیوی، بچے ،اسی طرح بوڑھے اور معذور یا زخمی لوگ اور عبادت خانوں میں موجود پرستش کرنے والے وہ لوگ جنہیں جنگ سے سروکار نہیں۔یہ سب غیر مقاتلین (Non.combatants) میں شامل ہیں۔اسلام نے ان سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں دی تاوقتیکہ یہ خود میدان جنگ میں نہ اتر آئے ہوں یا پھر کسی مصلحت کی بنا پر انہیں نشانہ بنانے کی گنجائش ہے وگرنہ نہیں۔جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

(۱)[احمد (۵/۳۵۲) مسند دارمی (۲/۲۱۵) ابو یعلی (۱۴۱۳) مسلم (۱۷۳۱) ابو داؤد (۲۶۱۲) ترمذی (۱۴۰۸،۱۶۱۷) ابن ماجہ (۲۸۵۸) ابن حبان (۴۷۳۹) بیہقی (۹/۱۵،۴۹،۹۷) مجمع الزوائد (۵/۳۰۷)]

(۲)[احمد (۱/۲۳۱،۲۳۶) حاکم (۱/۱۵) ابو یعلی (۲۴۹۴) مسند عبد بن حمید (۶۹۷)]

❶ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک غزوہ میں دیکھا کہ ایک عورت قتل کی گئی ہے تو آپ نے اسے ناپسند کیا اور بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع کر دیا۔ (۱)

حضرت صفوان بن عسالؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک غزوہ کیلیے روانہ کیا اور حکم دیا کہ

لا تقتلوا ولیدا ''کسی بچے کو قتل نہ کرنا''(۲)

❸ حضرت رباح بن ربیعؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک جنگ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک جگہ پر لوگوں کا ہجوم دکھائی دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی روانہ کیا تا کہ لوگوں کے ہجوم کی وجہ معلوم کرے۔ اسنے آ کر کہا کہ ایک مقتول عورت کی وجہ سے لوگ جمع ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورت تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی۔ مقدمۃ الجیش کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کے ذریعے خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ

''لا تقتلن امرأۃ ولا عسیفا ''(۳)

''کسی عورت اور مزدور وغیرہ کو قتل نہ کرو۔''

❹ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ (جہادی لشکر) سے فرماتے:

''انطلقوا باسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ولاتقتلوا شیخا فانیا

---

(۱)[بخاری کتاب الجہاد: باب قتل الصبیان فی الحرب، باب قتل النساء فی الحرب (۳۰۱۴،۳۰۱۵) مسلم (۱۷۴۴) ابوداؤد (۲۶۶۸) ترمذی (۱۵۶۹) ابن ماجہ (۲۸۴۱)]

(۲)[احمد (۲۴۰/۴) ابن ماجہ (۲۸۵۷) السنن الکبری (۸۸۳۷)]

(۳)[ابوداؤد کتاب الجہاد: باب فی قتل النساء (۲۶۶۹) احمد (۴۸۸/۳، ۱۷۸/۴) بیہقی (۹۱/۹) حاکم (۱۲۲/۲) السنن الکبری للنسائی (۱۸۶/۵) ابن ماجہ (۲۸۴۲) ابن حبان (۴۷۹۱)]

ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان الله یحب المحسنین......."(۱)

"اللہ کا نام لے کر اور اللہ کے رسول کے طریقے پر کوچ کرو۔ کسی عمر رسیدہ ضعیف کو قتل نہ کرو، کسی بچے کو نہ چھوٹے کو اور نہ ہی کسی عورت کو قتل کرو۔ خیانت نہ کرو۔ مال غنیمت ایک جگہ جمع کرو۔ نیکی و احسان کرو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کو پسند کرتے ہیں۔"

● حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب لشکر روانہ کرتے تو انہیں نصیحت فرماتے کہ

"اللہ تعالیٰ کے نام کیساتھ نکلو اور اللہ کے راستے میں کافروں کے ساتھ لڑائی کرو۔ غدر نہ کرو، خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچوں اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کرو۔"(۲)

◆ غیر اہل قتال کو کن استثنائی صورتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے، اس کے بارے میں مولانا مودودیؒ کا درج ذیل اقتباس لائق مطالعہ ہے:

"ان مختلف جزئی احکام سے فقہائے اسلام نے یہ قاعدہ کلیہ مستنبط کیا ہے کہ تمام وہ لوگ جو لڑنے سے معذور ہیں یا عادتاً معذور کے حکم میں ہیں قتل سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن انکا استثنا علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس شرط کیساتھ ہے کہ وہ عملاً جنگ میں حصہ نہ لیں۔ اگر ان میں سے کوئی عملاً جنگ میں فی الواقع شرکت کرے، مثلاً بیمار پلنگ پر لیٹے لیٹے فوجوں کو جنگی چالیں بتا رہا ہو، یا عورت جاسوسی کا کام کر رہی ہو یا بچہ خفیہ خبریں حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا مذہبی طبقہ کا کوئی فرد دشمن قوم کو جنگ کا جوش دلاتا ہو، اسکا قتل جائز ہوگا۔ کیونکہ

(۱)[ابوداؤد کتاب الجہاد: باب فی دعاء المشرکین: (۲۶۱۴) اگرچہ اسکی سند میں ضعف ہے تاہم دیگر روایات سے اسکے مفہوم کی تائید ہوتی ہے]

(۲)[احمد(۱/۲۶۶)]

اسنے خود مقاتلین میں شامل ہو کر اپنے آپ کو غیر مقاتلین کے حقوق سے محروم کر لیا۔ اس باب میں اسلامی قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص جو اہل قتال میں سے ہے، اسکا قتل جائز ہے۔ خواہ بالفعل لڑے یا نہ لڑے اور ہر شخص جو اہل قتال سے نہیں ہے اسکا قتل ناجائز ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ حقیقتاً لڑائی میں شامل ہو یا مقاتلین کے سے کام کرنے لگے" (۱)

مثلہ کی ممانعت:

دور جاہلیت میں جنگوں کا وحشیانہ اصول تھا کہ مقتولین کے لاشوں کا مثلہ کر کے بے حرمتی کیجاتی اور غیظ و غضب کی آگ بجھائی جاتی مگر اسلام نے لاشون کی بے حرمتی کرنے اور اعضا کی قطع و برید کرنے سے منع کر کے اس وحشیانہ فعل کا خاتمہ کر دیا۔ مثلہ کی حرمت سے متعلقہ چند احادیث درج ذیل ہیں:

❶ حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بنا کر روانہ کرتے تو اسے اللہ سے ڈرنے اور اپنی ماتحت جماعت کیساتھ نیکی و بھلائی سے پیش آنے کی خاص وصیت فرماتے اور یہ حکم فرماتے:

"اغزوا باسم الله في سبيل الله قاتلوا من كفر بالله اغزوا فلا تغلوا ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا وليدا..........."(۲)

"اللہ کے راستے میں اللہ کا نام لیکر جہاد کرو اور کافروں کے ساتھ لڑو۔ جہاد کر ولیکن خیانت نہ کرو، دھوکہ بازی نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور بچوں کو قتل نہ کرو۔"

(۱)[الجہاد فی الاسلام (ص۔۲۲۳،۲۲۴)]

(۲)[(مسلم کتاب الجہاد: باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ....،۱۷۳۱) احمد (۳۵۲/۵) دارمی (۲۱۵/۳) ابو یعلی (۱۴۱۳) ابو داؤد (۲۶۱۳) ترمذی (۱۴۰۸،۱۶۱۷) ابن حبان (۴۷۳۹) ابن ماجہ (۲۸۵۸) بیہقی (۱۵/۹)]

● حضرت صفوان بن عسالؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) بھیجتے وقت ہمیں فرمایا کہ

"سیروا باسم الله فی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله ولا تمثلوا"(۱)

''اللہ کا نام لیکر اسکے راستہ میں جہاد کیلیے نکلو اور کافروں کیساتھ لڑائی کرو مگر مثلہ نہ کرو۔''

● حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ سے مروی ہے کہ

"نهی النبی عن النهبی والمثلة"(۲)

''نبی اکرم ﷺ نے لوٹ مار مچانے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔''

آگ میں جلانے کی ممانعت

اسلام نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ دشمن کو آگ میں جلا کر انتہائی وحشیانہ طریقہ سے قتل کیا جائے۔ کیونکہ اسلام سے پہلے غیر مسلموں کے ہاں شدت انتقام میں دشمن کو وحشیانہ طریقے سے قتل کرنا اور آگ لگا کر اسکے مرنے کے نظارے سے خوش ہونے کا حیوانی مادہ پایا جاتا تھا اور دور حاضر میں بھی ایسی مثالیں دیکھنے سننے میں آتی ہیں مگر اسلام ایسے وحشیانہ فعل کو حرام قرار دے دیتا ہے جسکے دلائل درج ذیل ہیں:

● حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک معرکہ کے لیے روانہ کیا اور فرمایا کہ

"ان وجدتم فلانا فلانا فاحرقوهما بالنار ثم قال رسول اللهﷺ حين اردنا الخروج انی امرتکم ان تحرقوا فلانا فلانا وان النار لا یعذب

(۱) ابن ماجه: کتاب الجهاد: باب وصية الامام (۲۸۵۷) احمد (۲۴۰/۴) السنن الکبری للنسائی (۳۶۰/۵)

(۲) بخاری کتاب المظالم: باب النهبی بغیر اذن صاحبه (۲۴۷۴) احمد (۳۰۷/۴)

بها الا الله فان وجدتموها فاقتلو هما ..... "(۱)

"اگر تمھیں فلاں فلاں مل جائیں تو انھیں آگ میں جلا دینا پھر جب ہم نے روانگی کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں کو جلا دینا لیکن آگ ایک ایسی چیز ہے جسکی سزا صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے اسلیے اگر وہ تمھیں ملیں تو انھیں قتل کرنا (آگ میں نہ جلانا)"

❷ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے کچھ مرتد لوگوں کو آگ سے جلا دیا اور جب یہ بات عبداللہ بن عباسؓ تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ان (مرتد) لوگوں کو آگ سے نہ جلاتا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"لا تعذبوا بعذاب الله تم اللہ کے عذاب (آگ) کیساتھ لوگوں کو عذاب نہ دو۔"

تو اس فرمان کے پیش نظر میں انہیں آگ سے جلانے کی بجائے قتل کر دیتا کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ

"من بدل دينه فاقتلوه جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔" (۲)

لوٹ مار اور بدنظمی کی ممانعت

دور جاہلیت میں عربوں میں بدنظمی کیوجہ سے یہ رواج تھا کہ جنگ کے موقع پر جس طرف سے لشکر کا گزر ہوتا وہاں خوب لوٹ مار مچائی جاتی، راستے میں آنیوالی بستیوں اور مسافروں کو نشانہ بنایا جاتا اسی طرح میدان جنگ میں جسکے ہاتھ میں جو کچھ آتا وہ اسے اپنے قبضہ میں کر لیتا مگر اسلام نے اسطرح لوٹ مار کرنے اور اودھم مچانے سے خصوصی طور پر منع فرمایا جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

(۱) [بخاری کتاب الجهاد: باب لا یعذب بعذاب اللہ (۳۰۱۶) ابوداؤد (۲۶۷۵)]

(۲) [بخاری ایضاً (۳۰۱۷)]

❶ عبداللہ بن یزید انصاریؓ سے مروی ہے کہ

"نهى النبي ﷺ عن النهبى و المثلة "

"نبی اکرم ﷺ نے لوٹمار مچانے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے"(۱)

❷ حضرت انس جہنیؓ سے مروی ہے کہ میں ایک جنگ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا (کہ خبر آئی) کہ لوگوں نے راستے تنگ کرنے اور راہگیروں کو لوٹنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیج کر اعلان کروایا کہ

"من ضيق منزلا او قطع طريقا فلا جهاد له "(۲)

"جس شخص نے راستہ تنگ کیا اور راہگیروں کو لوٹا اسکا کوئی جہاد نہیں۔"

❸ ایک انصاری صحابیؓ کا بیان ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک جہادی سفر میں تھے کہ لوگوں کو زور کی بھوک لگی اور انہیں چند بکریاں نظر آئیں اور وہ انہیں لوٹ لائے۔ ابھی انکا گوشت دیگچیوں میں پک رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کمان ٹیکتے ہوئے وہاں تشریف لائے اور اپنی کمان کیساتھ تمام دیگچیاں الٹ دیں اور گوشت کو مٹی میں ملا دیا پھر فرمایا:

"ان النهبة ليست باحل من الميتة اوان الميتة ليست باحل من النهبة "(۳)

"لوٹ مار کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں۔ یا (آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ) مردار، لوٹ کھسوٹ کے مال سے بہتر نہیں ہے۔" (یعنی جسطرح مردار حرام ہے اسی طرح لوٹ مار سے حلال چیز بھی حرام ہو جاتی ہے۔)

---

(۱) [بخاری کتاب المظالم: باب النهبی بغیر اذن صاحبہ (۲۴۷۴) احمد (۳۰۷/۴)]

(۲) [ابوداؤد کتاب الجهاد: باب ما یؤمر من انضمام العسکر وسعتہ (۲۶۲۹)]

(۳) [ابوداؤد کتاب الجهاد: باب فی النهبی (۲۷۰۵)]

تخریب کاری، دہشت گردی اور فتنہ وفساد پھیلانے کی ممانعت

دور جاہلیت میں محض دہشت اور خوف پیدا کرنے یا جوش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے دشمن کے علاقہ میں کھیت کھلیانوں اور فصلوں کو خراب کرنا، مکانات کو تباہ و برباد کرنا، بستیوں کو نذر آتش کرنا، ضروریات زندگی کی اشیا کو قصداً تلف کرنا اور بڑے پیمانہ پر تخریب کاری کرنا جنگی معمول سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام نے اس تخریب کاری کو فساد فی الارض قرار دے کر اس سے منع کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

❶ ﴿واللہ لا یحب الفساد﴾ ''اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا'' (البقرۃ۔۲۰۵)

❷ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ملک شام کی طرف ایک جہادی لشکر روانہ کیا اور انکے امیر یزید بن ابی سفیان کو درج ذیل دس نصیحتیں کیں:

''لا تقتلن امرأۃ ولا صبیا ولا کبیرا ھرما ولا تقطعن شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرا الا لمأکلۃ ولا تحرقن نخلا ولا تفقنہ ولا تغلل ولا تجبن''(۱)

''عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، بستیاں ویران نہ کرنا، کوئی بکری یا اونٹ کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، خیانت نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔''

❸ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے معرکہ موتہ کیلیے حضرت زید بن حارثہؓ کی زیر قیادت لشکر روانہ کیا تو انہیں یہ وصیت فرمائی کہ ''جس جگہ حارث بن عمیرؓ (مسلمان سفیر) کو شہید کیا گیا ہے وہاں پہنچ کر اس علاقہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے جہاد کرنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں ان لوگوں کیساتھ جہاد کرنا جو اللہ کیساتھ کفر کرنے والے

(۱) [موطا: کتاب الجہاد: باب النھی من قتل النساء والولدان فی الغزو (۱۰) بیہقی (۹/۸۵)]

ہیں۔ اور عہد شکنی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے، عورت اور انتہائی عمر رسیدہ بوڑھے کو اور گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا (راھب) کو قتل نہ کرنا۔"(۱)

آرزوئے جنگ کی ممانعت

اسلام میں جسطرح جرائم کی بیخ کنی کے لیے بعض شرعی سزاؤں (حدود قصاص) کا نفاذ کرنا پڑتا ہے اسی طرح جنگ بھی ناگزیر صورتوں میں لڑنا پڑتی ہے۔ بہر دو صورت شرعی حدود اسلام کے مقاصد میں شامل ہیں نا جنگ وقتال۔ البتہ یہ چیزیں بعض دیگر مقاصد حسنہ کے حصول کے ذرائع ضرور ہیں جنہیں چار و ناچار اسی وقت بروئے کار لایا جاتا ہے جب کوئی دوسرا ذریعہ کارگر ثابت نہ ہو۔ اسلیے آنحضرت ﷺ نے بلاوجہ جنگ کی آرزو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یا ایھا الناس الا تتمنوا لقاء العدو وسلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف........"(۲)

"لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو نہ کرو اور اللہ تعالی سے سلامتی ہی کی دعا مانگا کرو لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر صبر و استقامت اختیار کرو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔"

قتل سفیر کی ممانعت

جنگوں میں ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ جنگ سے پہلے ہی امن وصلح یا دوران جنگ کے

(۱)[(الرحیق المختوم ص۔ ۶۲۹)]

(۲)[بخاری کتاب الجہاد: باب لاتمنو القاء العدو (۳۰۲۵ ۹)]

، جنگ بندی وغیرہ کی بات چیت کرنے کیلیے سفیر بھیجے جاتے ہیں جنہیں قتل کرنا انتہائی معیوب یا دوسرے لفظوں میں جنگ کا الٹی میٹم سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ سفرا کا قتل انتہائی قبیح خیال کیا جاتا تھا اسلیے آنحضرت ﷺ نے بھی اس اصول کو جاری رکھا اور جب مسیلمہ کذاب کے دو سفیر ابن نواحہ اور ابن اثال آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مسیلمہ کے بارے میں کہنے لگے کہ ہم تو اسے اللہ کا سچا رسول سمجھتے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے انکے کفریہ جملے سن کر فرمایا:

"لو كنت قاتلا رسولا لقتلتكما "(١)

"اگر میں کسی سفیر کو قتل کرنے کو جائز سمجھتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔"

ایک روایت میں اسطرح ہے:

"والله لو لا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقكما "(٢)

"خدا کی قسم اگر سفیروں کے قتل کرنے کا رواج ہوتا تو میں تمہاری گردنیں مار دیتا۔"

میدان قتال اور وقت نماز

نماز ایسا فریضہ ہے کہ اگر معرکہ کارزار میں نماز کا وقت آ جائے تو تب بھی نماز معاف نہیں ہوتی البتہ سفر یا مرض میں جسطرح نماز میں تخفیف کی صورتیں موجود ہیں اسی طرح میدان جنگ میں بھی تخفیفِ نماز کی صورتیں موجود ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾

"(اے پیغمبر! میدان جہاد میں) جب آپ ﷺ ان میں موجود ہوں اور انہیں نماز

(١)[احمد (١/٣٩٠-٣٩٦-٤٠٦)]

(٢)[ابوداود کتاب الجہاد: باب فی الرسل (٢٧٥٨) احمد (٣/٤٨٧) معجم الصحابہ لابن قانع (١١٢٢)]

پڑھانے لگیں تو چاہیے کہ انکی ایک جماعت آپکے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی ہو پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر آپکے پیچھے آجائیں اور دوسری جماعت جسنے نماز نہیں پڑھی وہ آکر آپکے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں۔" (النساء۔۱۰۲)

③ فتح کے بعد کے آداب

سجدہ شکر

دور جاہلیت میں فاتح قوم اپنی خوشی کا اظہار کرنے کیلیے وسیع پیمانے پر ناچ گانے اچھلنے کودنے اور جشن منانے کا انتظام کرتی اور اپنی قوت وطاقت اور فتح وغلبہ پر فخر وتکبر کا اظہار کرتی مگر اسلام نے ان تمام چیزوں کے برعکس فتح کے بعد عاجزی وانکساری اور شکر خداوندی کی تلقین فرمائی تاکہ فتح وکامرانی کو اپنی طاقت کا مرہون منت سمجھنے کی بجائے اللہ کی مدد ونصرت کا محتاج سمجھا جائے۔

حضرت ابو بکرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا عام اصول تھا کہ جب کبھی آپ کو اچھے کام کی خبر پہنچتی یا کوئی بشارت دیجاتی تو آپ ﷺ اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ (۱)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ اپنے لشکر کیساتھ فاتحانہ حیثیت کیساتھ مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ ﷺ نے عاجزی کیساتھ اپنا سر مبارک اتنا نیچے جھکا رکھا تھا کہ وہ اونٹنی کے پالان کو چھو رہا تھا۔ اور آپ کی زبان اطہر سے سورت النصر (اذا جاء نصر الله والفتح) کی تلاوت جاری تھی۔ یہ سورت اسی موقع پر نازل ہوئی جسمیں خصوصی طور پر آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دیا گیا: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ (النصر:۳)

"لہذا اپنے رب کی تعریف کیساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے"

14225

(۱) [ابوداؤد کتاب الجهاد: باب فی سجود الشکر (۲۷۷۱)]

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے خصوصی طور پر آٹھ رکعت نوافل شکرانے کے طور پر ادا کیے۔(۱)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ سفر جہاد سے واپس لوٹتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر یہ دعا پڑھتے:

"آئبون ان شاء الله تائبون عابدون حامدون لربناساجدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده"

"ان شاء اللہ ہم اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہم توبہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں، اس کی تعریف کرنے والے اور اس کے لئے سجدہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اور کافروں کے لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔"(۲)

قتل عام کی ممانعت

دور جاہلیت میں فاتحین جوش انتقام میں قتل عام کا حکم صادر کر دیتے اور آنا فانا دشمن قوم کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا جاتا حتیٰ کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے والے بوڑھے لوگ بھی اور معصوم بچے بھی قتل عام سے محفوظ نہ رہتے۔ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر، خون کے دریا اور سروں کے مینار دکھائی دیتے۔ بستیوں کی بستیاں اور شہروں کے شہر نذر آتش کر دیئے جاتے ؛قرآن مجید کی درج ذیل آیت اسی حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے:

﴿ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴾ (النمل ۔۳۴)

(۱)[تفصیلات کیلیے ملاحظہ ہو۔ بخاری: کتاب المغازی: باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح، باب دخول النبی من اعلی مکۃ، باب منزل النبی ایوم الفتح ، فتح الباری (۱۲۰/۱۶ تا ۱۲۹) سیرت ابن ھشام (۶۹/۴ تا ۷۱)]

(۲)[بخاری کتاب الجهاد: باب مایقول اذا رجع من الغزو (۳۰۸۴)]

"بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) گھستے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر چھوڑتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور یہ لوگ اسی طرح (فساد برپا) کریں گے۔"

اسلام فتح کے بعد اسی طرح کے قتل عام اور فتنہ فساد کی اجازت نہیں دیتا۔ اول تو اسلام اپنے مدمقابل دشمن کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک مقاتل؛ جو میدان جنگ میں بغرض لڑائی شریک ہوں اور دوسرے غیر مقاتل؛ جو لڑائی میں شریک نہ ہوں بلکہ عام شہری آبادی کے حکم میں ہوں۔ اسلام ان میں سے صرف مقاتلین کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ بھی اس وقت تک جب تلکہ جنگ جاری رہے اور فتح کے بعد کسی استثنائی صورت کے علاوہ عمومی طور پر انہیں قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

اس سلسلہ میں فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا کردار ہمارے لیے مشعل راہ ہے کہ جب تمام مجرم آپ ﷺ کے سامنے گردنیں جھکائے اس خوف و خطر میں تھے کہ اب محمد ﷺ گذشتہ بیس سالوں کا ہم سے انتقام لیں گے اور اس انتقام میں آپ ﷺ حق بجانب بھی تھے مگر آپ ﷺ نے تمام باشندگان مکہ کو یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا:

"لا تثریب علیکم الیوم یغفر الله لکم اذھبوا فانتم الطلقاء"(1)

"آج تم پر کوئی سرزنش نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائیں جاؤ تم سب آج آزاد ہو۔"

لاشوں کی بے حرمتی کی ممانعت

دور جاہلیت میں فاتح قوم کے افراد جوش انتقام میں شکست خوردہ قوم کی لاشوں کی بے حرمتی کرتے۔ لاشوں پر گھوڑے دوڑاتے، ان کا مثلہ کرتے، اعضا کاٹ کر ہار بناتے اور گلے میں ڈال کر ناچتے کودتے حتیٰ کہ مقتولین کی کھوپریوں میں شراب پیتے اور انتقام کی

(1) [سیرت ابن ھشام (۴/۷۷-۷۸) کتاب الاموال لابی عبیدہ (ص ۱۴۳) طبقات ابن سعد (۲/۱۴۱)]

آگ ٹھنڈی کرتے۔ مگر اسلام نے ایسی تمام اخلاق سوز حرکتوں پر پابندی لگاتے ہوئے دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی ہی سے منع فرمادیا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ سے مروی ہے کہ

"نهى النبي ﷺ عن النهبى و المثلة "(۱)

"نبی اکرم ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمادیا۔"

مال غنیمت میں خیانت کے لیے لوٹ مار کی ممانعت

دور جاہلیت میں بعض لوگ صرف اس وجہ سے جنگ میں حصہ لیتے کہ لوٹ مار کا مال حاصل کیا جائے پھر مال و متاع کی طمع میں کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی نہ کیجاتی اور فتح حاصل ہونے کے بعد شہری آبادیوں کو جی بھر کر لوٹا جاتا اور جسے جو چیز پسند آتی وہ اسے اپنے قبضہ میں کر لیتا صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کی لوٹ مار میں کسی جنگی نظم وضبط کی پابندی ممکن نہیں رہتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال و متاع کے لالچ میں فاتح قوم آپس ہی میں لڑنا شروع ہو جائے۔ اسلیے اسلام نے لوٹ مار کی اس جاہلی عادت کو ختم کرنے کیلیے پہلے تو یہ اصول پیش کیا کہ کہ جس شخص نے مال و دولت کی خاطر جہاد میں شرکت کی اسے جہاد کا اجر وثواب ہی نہیں ملے گا، پھر یہ پابندی عائد کی گئی کہ مفتوح قوم کا سارا مال سپہ سالار کی نگرانی میں ایک جگہ پر جمع کر کے اسکے پانچ حصے کیے جائیں جن میں سے ایک بیت المال کا اور باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والے مجاہدین میں مناسب طور پر سپہ سالار از خود تقسیم کرے۔

اسطرح جنگ میں شریک مجاہدین کو علم ہوگا کہ ہم تھوڑا مال غنیمت اٹھائیں یا زیادہ ہمیں تو صرف اتنا ہی ملنا ہے جتنا ہمارا حصہ بنتا ہے۔ پھر نا ممکن ہے کہ مال غنیمت کے لالچ میں اسلام کے مقرر کردہ جنگی اصول وضوابط میں مجاہدین تجاوز کریں۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ پھر

(۱)[بخاری کتاب المظالم: باب النھبی بغیر اذن صاحبہ (۲۴۷۴) احمد (۳۰۷/۴)]

بھی کوئی شخص چوری چھپے مال غنیمت میں تجاوز کرتا مگر اس راہ کے انسداد کیلیے اسلام نے مال غنیمت چھپانے پر جہنم کی وعید بیان کر دی تا کہ پیش کردہ اصول وضوابط کو ہر طرح ممکن العمل بنایا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب ہم نے خیبر فتح کیا تو سونے چاندی کی بجائے گائے، اونٹ، سامان اور باغات مال غنیمت میں حاصل ہوئے، ہم اللہ کے رسول ا کیساتھ واپس لوٹتے ہوئے وادی القری مقام پر ٹھہرے تو آپ ا کا ایک غلام جسے 'مدعم' کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہ غلام بنوضباب قبیلہ کے ایک شخص نے آپ کو بطور تحفہ پیش کیا تھا، آپ ا کی سواری کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک ایک ناگہانی تیر اسے لگا اور وہ مر گیا۔ لوگ کہنے لگے: اسے مبارک ہو کہ اسنے شہادت کی موت پائی۔ آنحضرت انے فرمایا: ہر گز نہیں! قسم اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اسنے خیبر میں تقسیمِ غنیمت سے پہلے مال غنیمت سے چرائی تھی وہ اس پر آگ بن کر برس رہی ہے۔ یہ سن کر ایک اور آدمی جوتی کا ایک یا دو تسمے لیکر آپ ا کے پاس آیا اور کہا کہ یہ مال غنیمت سے میں نے بلا اجازت اٹھا لیے تھے۔ آپ انے فرمایا کہ (اگر تو یہ واپس نہ کرتا تو) یہی ایک تسمہ یا دو تسمے آگ بن جاتے (اور قیامت کے روز تجھے جلاتے!)(۱)

عصمت وعزت کی حرمت

دور جاہلیت میں فاتحین جوش انتقام میں مفتوح قوم کی عورتوں کی بے دریغ عصمت دری کو اپنا حق سمجھتے تھے مگر اسلام نے اس سلسلہ میں بھی اسی طرح حدود وقیود اور اصول وضوابط مقرر کیے ہیں جسطرح لوٹ مار روکنے کیلیے مال غنیمت کے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے تو یہی بات قابل غور ہے کہ دشمن قوم کی کسی عورت کی عصمت دری اسلام کی نگاہ میں اسی طرح جرم ہے جسطرح عام حالات میں یہ جرمِ عظیم ہے۔ پھر اگر دشمن

---

(۱)[بخاری کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر (۴۲۳۴)]

قوم مسلمان ہو جائے تو انکے تمام حقوق وفرائض اسی طرح قابل تعمیل ہیں جسطرح عام مسلمانوں کے۔

اگر وہ مسلمان نہ ہوں مگر جزیہ کی شرط پر صلح کرلیں تو پھر بھی انکی جان ومال اور عزت کا احترام مسلمانوں پر فرض ہے۔ البتہ اگر دشمن قوم لڑائی پر مصر رہے اور لڑائی میں شکست کھاجائے تو اس صورت میں انکی عورتیں (لونڈیاں) الگ جمع کیجائیں گی اور سپہ سالار مال غنیمت کی طرح انہیں مجاہدین میں تقسیم کرے گا اور جسطرح مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے مال چرانا جرم عظیم ہے اسی طرح تقسیم سے پہلے ان عورتوں سے قربت کرنا زنا کے زمرے میں داخل ہے۔لیکن سپہ سالار (امیر) کی تقسیم کے بعد ہر مجاہد اپنے حصہ کی عورت (لونڈی) سے ہر طرح متمتع ہوسکتا ہے البتہ جماع کیلیے اسے ایک ماہ تک رکنا پڑے گا اور اگر وہ لونڈی حاملہ ہو تو پھر وضع حمل کے بعد اس سے صحبت جائز ہے۔ علاوہ ازیں اس لونڈی کے لباس ،رہائش اور خورد ونوش وغیرہ کا بھی وہی ذمہ دار ہوگا جس کے قبضہ میں وہ عورت (لونڈی) دی گئی ہے۔اگر چاہے تو اسے آزاد کرکے اسکے ساتھ نکاح بھی کرسکتا ہے۔

⓺ عبادت گاہوں کی حرمت

دور جاہلیت میں عبادت گاہوں کی پائمالی کی واضح مثالیں تونہیں ملتیں البتہ دور حاضر میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ فاتح قوم عام طور پر دشمن قوم کے عبادت خانوں کی حرمت پامال کرتے ہوئے انہیں گھوڑوں کے اصطبل یا شراب اور جوا خانوں میں بدل دیتی ہے۔مگر اسلام عبادت خانوں کی اسطرح حرمت پامال کرنے کی اجازت نہیں دیتا قطع نظر اس سے کہ وہ کسی دین ومذہب کے پیروکاروں کے معبد ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوٰت ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا.......... ﴾(الحج۔۴۰)

''اگر اللہ تعالی لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی سب ڈھائے جا چکے ہوتے جہاں اللہ تعالی کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔''

● جہاد اور دہشت گردی میں نتائج کے لحاظ سے فرق

دہشت گردی کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا (یا مطلوبہ ملک) میں بدامنی، خوف وہراس، فتنہ وفساد اور وحشیت ودہشت پھیلتی ہے جبکہ جہاد کے نتیجہ میں دنیا میں امن وامان اور عدل وانصاف قائم ہوتا ہے، فتنہ وفساد، ظلم وتشدد، خوف وہراس اور وحشیت وبربریت کا خاتمہ ہوتا ہے اور مظلوم انسانیت سکھ اور چین کا سانس لیتی ہے۔

اگر چہ میدان جہاد میں بھی خون بہتا ہے، سروں کے مینار اور لاشوں کے انبار لگتے ہیں مگر میدان جہاد میں اللہ کے سپاہیوں کا بہنے والا خون اتنا مقدس ہوتا ہے کہ اس کے پہلے قطرے ہی پر اللہ تعالیٰ شہید ہونے والے کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور اللہ کے باغیوں اور ظالموں کا خون اتنا زہریلا اور گندا ہوتا ہے کہ اسے بہانا ہی دنیوی امن وامان اور اخروی اجر وثواب کا پیش خیمہ ہے۔ گویا دہشت گردی کے ذریعے معصوم وبے گناہ لوگوں کا خون بہتا ہے تو جہاد کے ذریعے اصل مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا ہے۔ دہشت گردی کے ذریعے اگر خوف وہراس کی فضا پیدا ہوتی ہے تو جہاد کے ذریعے امن وامان قائم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ (البقرۃ۔۲۵۱)

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ روکتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔''

دہشت گردی اور جہاد کے ان نتائج ہی کی وجہ سے دہشت گرد اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت بڑا مجرم ہونے کی وجہ سے سنگین ترین سزا کا مستحق ہے جبکہ جہاد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا

منظور نظر ہونے کی وجہ سے عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ اجر وثواب کا مستحق ہے۔

دہشت گردوں کی سزا

''انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم''(المائدہ۔۳۳)

''ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے انکے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت وخواری اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔''

'' ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیما''(النساء: ۹۳)

''جوکوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

مجاہدین کا اجر وثواب

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾(النساء۔۹۵)

''مسلمانوں میں سے جو بیٹھ رہنے والے ہیں حالانکہ وہ کوئی عذر نہیں رکھتے اور

جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے لڑنے والے ہیں، یہ دونوں برابر نہیں ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے اور گو نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجر عظیم میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بزرگی دی ہے۔"



باب 3

کیا اسلام دہشت گرد دین ہے..؟

- اسلام کسے کہتے ہیں؟
- امن وسلامتی قرآن مجید کی روشنی میں
- امن وسلامتی احادیث کی روشنی میں

0321 7516039



کیا اسلام دہشت گرد دین ہے؟

دشمنانِ اسلام نے ہر دور میں اسلام کو مطعون و بدنام کرنے کے لیے پوری کوشش کی اور کبھی کوئی موقع ضائع نہ جانے دیا۔ اب ایک عرصہ سے اسلام کے بارہ میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام دہشت گردی، تخریب کاری اور بدامنی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سلسلے میں دہشت گردی کے بعض واقعات کا از خود ارتکاب کر کے اس کے قلابے کسی مسلمان جماعت یا ملک کے ساتھ ملا دیئے جاتے ہیں۔ پھر میڈیا کے ذریعے اسے سچ ثابت کرنے کی مہم چلائی جاتی ہے اور خوب شور مچایا جاتا ہے کہ اسلام دہشت گردی، درندگی، سفاکی، بدامنی، آتش زدگی، تباہی و بربادی اور تخریب کاری کی تعلیم دیتا ہے۔۔۔!!

اس دعوے کو اس وقت مزید گرہ لگائی جاتی ہے جب فلسطین و کشمیر یا اراکان و چیچنیا اور فلپائن وغیرہ کا کوئی مظلوم مسلمان یا گروہ ظلم و تشدد اور جارحیت کے خلاف ردِ عمل کے طور پر کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھتا ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ مگر دشمنانِ اسلام اس ردِ عمل کے اسباب و وجوہات تلاش کرنے اور ان پر قابو پانے کی بجائے اسلام کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے لگتے ہیں۔

مزید برآں جب مظلوم مسلمان ظلم کے بدلہ اور حقِ آزادی کی خاطر جہادی تحریکیں کھڑی کر کے جذبۂ شہادت کے شوق میں میدان میں اتر آتے ہیں تو انہیں کچلنے اور دبانے کے لیے جہاں ظلم کے دیگر ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں وہاں مجموعی طور پر اسلام کو بھی بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ اول تو اسلام ظلم کی کوئی صورت قبول کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کا حکم دیتا ہے اور دوم یہ کہ اس وقت خطہء ارضی پر سب سے زیادہ مسلمان ہی ظلم و تشدد اور جارحیت کا شکار ہیں۔ مسلمانوں کے خطوں پر مسلم اکثریت کے

باوجود دشمنانِ اسلام کا تسلط ہے اور اس ظالمانہ تسلط کے خلاف مسلمان لامحالہ جہاد کر رہے ہیں ۔اس لیے دہشت گرد تو اصولی طور پر وہ ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر ناجائز قبضہ جما رکھا ہے نا کہ وہ جو اس ظلم کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور نہ ہی وہ دین جو اس ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور اپنے حقوق کا تحفظ کرنے پر ابھارتا ہے! اس لیے اس بنیاد پر اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دینا کہ یہ اپنے ماننے والوں کو ظلم و تشدد کے خالف مزاحمت اور جہاد کے لیے ابھارتا ہے، سراسر غیر معقول الزام ہے۔

لیکن اگر اس کے برعکس کوئی شخص دینِ اسلام کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے کہ اسلام تو امن وامان کی فضا خراب کرنے اور بلا جواز ہتھیار اٹھا کر معصوم و بے گناہ لوگوں کا خون بہانے کی تعلیم دیتا ہے، تو پھر ایسے شخص کی اسلام کے بارے میں معلومات درست نہیں اور اس کے ناقص مطالعہ و معلومات پر مبنی اس رائے سے اسلام قطعی طور پر بری ہے۔

جہاد اور دہشت گردی کے حوالہ سے مختلف پہلو اُجاگر کیے جا چکے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا کہ اب اسلام کے بارے میں چند ایسی بنیادی معلومات پیش کی جائیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام امن وسلامتی والا دین ہے، دہشت گردی و تخریب کاری کی ترغیب دلانے یا اس کی حوصلہ افزائی کرنے والا دین ہرگز نہیں ہے۔

اسلام کسے کہتے ہیں؟

لفظ اسلام 'سلم' سے نکلا ہے جسکا لغوی معنی (یعنی عربی زبان میں اس لفظ ''سلام'' کا معنی) سلامتی و تابعداری، صلح اور رضامندی ہے۔ سیاق وسباق کی مناسبت سے لفظ ''سلم ''عربی میں جہاں بھی استعمال ہوتا ہے وہاں انہی معانی (یعنی سلامتی و تابعداری، صلح اور رضامندی) میں سے کسی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو ان سب معانی میں قدر مشترک ''امن وسلامتی'' ہی ہے۔

دین اسلام کو بھی اسلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ ''اسلام'' کا لغوی معنی ہے تابعداری وفرمانبرداری کرنا۔ دین اسلام قبول کرنے والا چونکہ اللہ تعالی کی تابعداری کا اقرار کرتا ہے اس لیے اسے مسلمان (یعنی مطیع وفرمانبردار) کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں لفظ 'سلم' کی مناسبت سے اسلام کا یہ مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ اس دین میں داخل ہونے والا دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے امن وسلامتی حاصل کر لیتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رقمطراز ہیں کہ

''اسلام'' ۔۔۔ کے اصل معنی 'سلم' (صلح) میں داخل ہونے کے ہیں اور صلح کے معنی یہ ہیں کہ فریقین باہم ایک دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچنے سے بے خوف ہو جائیں ۔۔۔ شرعا اسلام کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ کوئی شخص محض زبان سے اسلام کا اقرار کرے، دل سے معتقد ہو یا نہ ہو، اس سے اس انسان کا مال وجان اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے، مگر اس کا درجہ ایمان سے کم ہے اور اس آیت:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ (۴۹۔۱۴)

''دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم (یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔'' ۔۔۔

۔۔۔ میں اَسْلَمْنَا سے یہی (پہلی قسم) مراد ہے۔

۲۔ اسلام کا دوسرا درجہ وہ (ایمان) ہے جو اس (پہلے درجہ) سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کے اعتراف کے ساتھ ساتھ قلبی اعتقاد بھی ہو اور عملی طور پر اس (دین) کے تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے، مزید برآں یہ کہ انسان ہر طرح سے قضا وقدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ہے کہ

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۲۔۱۳۱)

''جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔''

گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ گویا یہ اقرار کر لیتا ہے کہ میں اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ میرا نفس اللہ کے تابع ہوگا۔ میرا ہر عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہوگا۔ میں من مانی اور خواہش پرستی کی بجائے خدا پرستی کا ثبوت دونگا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسا شخص دنیا میں وہی کام کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کے مطابق ہوگا اور ہر ایسے کام سے اجتناب کریگا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

اب ہم قرآن مجید کی روشنی میں یہ جائزہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر فتنہ وفساد ، خوف وہراس، بدامنی، دہشت گردی، تخریب کاری، خون ریزی، آتشزدگی وغیرہ کا مظاہرہ چاہتے ہیں یا امن وامان، عدل وانصاف، راحت وچین، صلح وصفائی اور امن وسلامتی کا دور دورہ چاہتے ہیں۔۔۔؟؟

اسلام اور امن وسلامتی قرآن مجید کی روشنی میں

ا۔ اللہ تعالیٰ سلامتی کے داعی!

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِى مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

"اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف تمہیں بلاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں۔" (یونس۔۲۵)

۲۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لیے سلامتی ہے!

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ (النمل۔۵۹)

"آپ کہہ دیجیے کہ ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو۔"

۳۔ اللہ تعالیٰ فساد پسند نہیں کرتے!

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرۃ۔۲۰۵)

"اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے۔"

۴۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے کو بھی پسند نہیں کرتے!

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (المائدہ۔۶۴)

"وہ (یہود) زمین بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتے۔"

۵۔ اللہ تعالیٰ فتنہ و فساد سے منع کرتے ہیں!

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ (البقرۃ۔۶۰)

"زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو"

۶۔ ایک دوسرے کو فساد سے روکنا خدائی حکم ہے!

﴿فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اولوا بقية ينهون عن الفساد في الارض الا قليلا ممن انجينا منهم﴾ (ھود۔۱۱۶)

"تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ان میں ایسے اہل خیر کیوں نہ پیدا ہوئے جو دوسروں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے۔ البتہ بہت تھوڑے لوگ ان میں ایسے بھی تھے جنہیں ہم نے نجات دی"

۷۔ فتنہ و فساد پھیلانے والوں کی سزا!

"انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف اوينفوا من الارض ذلک لهم خزى في الدنيا ولهم في الاخرة عذاب عظيم" (المائدہ۔۳۳)

"ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے انکے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت وخواری اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔"

۸۔فسادی اور امن وسلامتی کے دشمن جنت میں نہیں جائیں گے!

﴿تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولافسادا والعاقبة للمتقین﴾(القصص۔۸۳)

"یہ دار آخرت (جنت) تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں جو زمین میں برائی یا فساد نہیں چاہتے اور (بہتر) انجام تو متقین کے لیے ہے۔"

۹۔اللہ تعالیٰ نیکی واحسان، عدل وانصاف اور جہاد کرنیوالوں کو پسند کرتے ہیں

﴿فاعف عنه واصفح ان الله یحب المحسنین﴾(المائدہ۔۱۳)

"انہیں معاف کیجیے اور ان سے درگزر کیجیے بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

﴿وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان الله یحب المقسطین﴾

"ہاں اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو پھر انصاف سے فیصلہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"(المائدہ۔۴۲)

﴿فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان الله یحب المقسطین﴾

"تو ان کے درمیان انصاف سے صلح کر۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"(الحجرات۔۹)

﴿ان الله یحب المتقین﴾(التوبة۔۷)

"یقیناً اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے۔"

﴿واللہ یحب المطھرین﴾ (التوبہ۔۱۰۷)

''اور اللہ تعالیٰ بہت پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾

''اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جیسے کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔'' (الصّف۔۴)

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾

''پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے بلاشبہ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (آل عمران۔۱۵۹)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ ظالموں، سرکشوں، باغیوں، فسادیوں اور دہشت گردوں کو پسند نہیں کرتے

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ (آل عمران۔۵۷)

''اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتے۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ (النسآء۔۳۶)

''اللہ تعالیٰ یقیناً مغرور اور خود پسند بننے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (المائدہ۔۸۷)

''اور حد سے نہ بڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الانعام۔۱۴۱)

''اور تم اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾ (الانفال۔۵۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (النحل۔۲۳)

"یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ﴾ (البقرۃ۔۲۷۶)

"اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔"

امن وسلامتی احادیث کی روشنی میں

امن وسلامتی کے قیام کے بارے میں

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده "(۱)

"مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے (تکلیف) پہنچنے سے محفوظ رکھے۔"

۲۔ حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! سب سے افضل اسلام (یا مسلمان) کون ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"من سلم المسلمون من لسانه ویده "(۲)

"جس کی زبان اور ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔"

۳۔ حضرت ابوشریحؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن قیل ومن یارسول اللہ ؟قال الذی لایأمن من جارہ بوائقه "(۳)

"بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا وہ مومن نہیں! عرض کیا گیا کون مومن نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ؟ فرمایا وہ شخص جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔"

(۱) [بخاری: کتاب الرقاق: باب الانتھاء عن المعاصی (۶۴۸۴) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان تفاضل الاسلام (۴۱) ترمذی (۲۶۲۷)]

(۲) [مسلم ایضاً (۴۲)]

(۳) [بخاری: کتاب الادب: باب اثم من لا یامن جارہ بوائقه (۶۰۱۶)]

۴۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس (آکر) کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"الا اخبرکم بخیرکم من شرکم؟قال فسکتوا ،فقال ذلک ثلاث مرات،فقال رجل بلیٰ یارسول اللہ اخبرنا بخیرنا من شرنا قال :خیرکم من یرجی خیرہ ویؤمن شرہ وشرکم من لا یرجی خیرہ ولا یؤمن شرہ "(۱)

"کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سے بہترین کون ہے اور بدترین کون ہے؟ راوی کا بیان ہے کہ لوگ خاموش ہو گئے۔آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی پھر ایک صحابی نے عرض کیا: جی ہاں اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں ضرور بتایئے کہ ہم میں سے اچھا کون ہے اور برا کون۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی توقع کی جائے اور اس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں۔اور تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جس سے کسی خیر کی امید نہ کی جائے اور اس کے شر سے لوگ غیر محفوظ ہوں۔"

۵۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"انصر اخاک ظالما او مظلوما قالوا:یارسول اللہ ھذا ننصرہ مظلوما فکیف ننصرہ ظالما؟ فقال :تاخذفوق یدیہ "(۲)

"اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم،صحابہ کرام نے عرض کیا،یارسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کر سکتے ہیں لیکن ظالم کی ہم کیسے مدد کریں؟ آپؐ نے فرمایا: کہ ظلم سے اس کا ہاتھ روک لو"۔(یہی اس کی مدد ہے)

---

(۱)[ترمذی: کتاب الفتن: باب حدیث خیرکم من یرجی خیرہ ویؤمن شرہ (۲۲۶۳)]

(۲)[بخاری: کتاب المظالم: باب اعن اخاک ظالما او مظلوما (۲۴۴۴) مسلم: کتاب البر والصلۃ: باب نصر الاخ ظالما او مظلوما (۶۵۱۵) ترمذی (۲۲۵۵)]

ظلم وتشدد کی حرمت و مذمت کے بارے میں..

۱۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"یاعبادی !انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما فلاتظالموا"۔(۱)

''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی ظلم کو حرام کر رکھا ہے اور تمہارے لئے بھی اس بات کو حرام کر دیا ہے کہ تم کسی پر ظلم کرو''

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"الظلم ظلمات یوم القیامة "(۲)

''ظلم و سرکشی قیامت کے روز بہت سی تاریکیوں کا سبب ہوگا۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا:

"اتق دعوة المظلوم فانها لیس بینها وبین الله حجاب "(۳)

''مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"من کانت له مظلمة لاخیه من عرضه او شیء فلیتحلله منه الیوم قبل ان لایکون دینار ولادرهم ان کان له عمل صالح بقدر مظلمة وان لم یکن له حسنات اخذ من سیات صاحبه فحمل علیه "

(۱)[مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم (۲۵۷۷)]

(۲)[بخاری: کتاب المظالم: باب الظلم ظلمات یوم القیامة (۲۴۴۷) مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم (۶۵۲۰) ترمذی (۲۰۳۰)]

(۳)[بخاری: ایضا: باب الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم (۲۴۴۸) مسلم: کتاب الایمان: باب الدعاء الی الشهادتین... (۱۲۱) ابوداؤد (۱۵۸۴)]

''اگر کسی شخص کا ظلم کسی دوسرے کی عزت پر ہو یا کسی بھی طریقہ سے ظلم کیا ہو، تو اسے آج ہی، اس دن کے آنے سے پہلے پہلے معاف کرا لے جس دن نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم، بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل اس کے پاس ہوگا تو اس کے ساتھی (مظلوم) کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔''(۱)

۵۔ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

من اخذ من الارض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة الى سبع ارضين "(۲)

''جس شخص نے ناحق کسی زمین کا کوئی تھوڑا سا حصہ بھی لیا تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔''

۶۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"من ظلم شبر من الارض طوقه من سبع ارضين "(۳)

''اگر کسی شخص نے ایک بالشت بھر زمین بھی کسی دوسرے کی ظلم سے لے لی تو سات زمینوں کا طوق (قیامت کے دن) اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔''

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"من اقتطع مال امرىء مسلم بيمين كاذبة لقى الله وهو عليه غضبان "(۴)

''جس نے کسی مسلمان کا مال جھوٹی قسم کھا کر مار لیا تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔''

۸۔ حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱)[بخاری: کتاب المظالم: باب من کانت له مظلمة عند الرجل فحللها له...(۲۴۴۹) احمد (۵۰۶/۲)]

(۲)[بخاری: کتاب المظالم: باب اثم من ظلم شيئا من الارض (۲۴۵۴)]

(۳)[بخاری: ایضا (۲۴۵۳)]

(۴)[بخاری: کتاب التوحید: باب قول الله تعالى وجوه يومئذ ناضرة...(۷۴۴۵)]

"من اقتطع حق امرىء مسلم بيمينه فقد اوجب الله له النار وحرم عليه الجنة فقال له رجل وان كا شيئا يسيرا يارسول الله؟ قال وان قضيب من اراک "(۱)

"جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ جہنم کو واجب اور جنت کو حرام کر دیتے ہیں۔ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! کسی معمولی چیز پر بھی (یہی وعید ہے)؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اگر چہ پیلو کی ایک (مسواک) شاخ ہی کیوں نہ ہو۔"

۹۔ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان الله ليملى لظالم حتى اذا اخذه لم يفلته قال: ثم قرأ "وكذلك اخذ ربک اذا اخذ القرى وهى ظالمة ان اخذه اليم شديد "(۲)

"اللہ تعالیٰ ظالم کو دنیا میں چند روز مہلت دیتے رہتے ہیں لیکن جب پکڑتے ہیں تو پھر نہیں چھوڑتے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی "اور تیرے رب کی پکڑ اس طرح ہے، جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں، بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ اور بڑی سخت ہے۔"

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وكونوا عباد الله اخوانا المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره التقوى هاهنا ويشير الى صدره ثلاث مرات بحسب امرىء من الشر ان يحقر اخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه "(۳)

"اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، مسلمان اس

(۱) [مسلم: کتاب الایمان: باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرہ بالنار (۱۳۷)]
(۲) [بخاری: کتاب التفسیر: باب قولہ وکذلک اخذ ربک.... (۴۶۸۶)]
(۳) [مسلم: کتاب البر والصلۃ: باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ودمہ وعرضہ ومالہ (۲۵۶۴)]

(بھائی) پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسکی تحقیر کرتا ہے۔ آپؐ نے اپنے سینے (دل کی) طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا کہ تقوی یہاں ہوتا ہے۔ (نیز فرمایا) کہ کسی آدمی کے لیے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال و دولت اور عزت و آبرو حرام ہے۔ (یعنی قابل احترام ہے۔ اس کی بے عزتی کرنا، مال و دولت لوٹنا یا اسے ناحق قتل کرنا حرام ہے۔)

قتل ناحق کی حرمت کے بارے میں

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یارسول اللہ وماھن؟ قال ....وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق"(۱)

"سات گناہوں سے جو تباہ کرنے والے ہیں بچو! صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ کسی کی ناحق جان لینا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔"

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"لن تزال المؤمن فی فسحة من دینه مالم یصب دما حراما"(۲)

"مومن اس وقت تک اپنے دین کے بارے میں کشادہ رہتا ہے جب تک وہ ناحق خون نہ کرے۔"

۳۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ

"ہلاکتوں کا بھنور جس میں گرنے کے بعد نکلنے کی امید نہیں، وہ ناحق خون کرنا ہے

---

(۱)[بخاری: کتاب الوصایا: باب قول اللہ تعالیٰ: ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ...(۲۷۶۶) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان الکبائر واکبرھا (۲۵۸)]

(۲)[بخاری: کتاب الدیات: باب قول اللہ تعالیٰ: ومن یقتل مومنا متعمدا..(۶۸۶۲)]

جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔" (1)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض" (2)

"میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔"

۵۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ

"ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی شاخ کی طرف (مہم پر) بھیجا۔ ہم نے بوقت صبح ان پر حملہ کیا ور انہیں شکست دے دی (اسامہ) فرماتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری آدمی نے قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی کا سامنا کیا جب ہم نے اسے گھیرے میں لے لیا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ۔۔۔ انصاری صحابی نے تو (یہ کلمہ سنتے ہی) ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اپنے نیزے سے اسے قتل کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس آئے تو نبی اکرمؐ اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسامہ! تم نے اس شخص کو لا الٰہ الا اللہ (کلمہ شہادت) پڑھنے کے بعد قتل کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے صرف جان بچانے کے لیے اس کا اقرار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر یہ کہا کہ تم نے اسے کلمہ شہادت کا اقرار کرنے کے باوجود قتل کر ڈالا؟ (اسامہؓ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (افسوس کے ساتھ) اس جملے کو اتنی بار دہراتے رہے کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔" (3)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من حمل علینا السلاح فلیس منا"

---

(1) [ایضا (۶۸۶۳)]

(2) [ایضا: باب ومن احیاھا (۶۸۶۹)]

(3) [ایضا (۶۸۷۲)]

''جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔''(۱)

۷۔ احنف بن قیس فرماتے ہیں کہ

''میں ان صاحب کی (یعنی حضرت علیؓ کی جنگ جمل میں) مدد کرنے کے لیے نکلا تھا کہ مجھے حضرت ابوبکرہؓ ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ ان صاحب کی مدد کے لیے جانا چاہتا ہوں انہوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ایک تو قاتل تھا مگر مقتول کو کس چیز کی سزا ملے گی؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے قاتل کے قتل پر آمادہ تھا۔''(۲)

۸۔ حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لو ان اھل السماوا اھل الارض اشترکوا فی دم امری ء مؤمن لاکبھم اللہ فی النار ''(۳)

''اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی مسلمان شخص کے قتل ناحق کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو اوندھے منہ جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے۔''

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم ''(۴)

''کسی مسلمان شخص کے قتل ناحق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو یہ بات ہلکی معلوم ہوتی ہے کہ ساری دنیا کا خاتمہ ہو جائے۔''

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(۱)[ایضا (۶۸۷۴)] (۲)[ایضا (۶۸۷۵)]

(۳)[ترمذی: کتاب الدیات: باب الحکم فی الدما (۱۳۹۸) المعجم الکبیر (۱۳۳/۱۲)]

(۴)[ترمذی: ایضا: باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن (۱۳۹۵) نسائی: کتاب التحریم: باب تعظیم الدم (۱۹۹۸)]

"من قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنة وان ریحها توجد من مسیرة اربعین خریفا "(۱)

"جس نے کسی ذمی کو (ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔ حالانکہ ان کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جا سکتی ہے۔"

انسانوں کے ساتھ رحمت وشفقت کے بارے میں

۱۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس "(۲)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرنا جانتے۔"

۲۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اونما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء "(۳)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم فرماتے ہیں جو بندے خود رحم دل ہوں۔"

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کو بوسہ دیا تو اقرع بن حابس جو پاس بیٹھا تھا، کہنے لگا کہ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی کبھی بوسہ نہیں دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:(۴)

---

(۱)[بخاری: کتاب الجزیۃ: باب اثم من قتل معاهدا (۳۱۶۶)]

(۲)[بخاری: کتاب التوحید: باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ: قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمان.... (۷۳۷۶) مسلم: کتاب الفضائل: باب رحمتہ... (۲۳۱۹) احمد (۴۰/۳)]

(۳)[ایضا (۷۳۷۷) مسلم: کتاب الجنائز: باب البکاء علی المیت (۹۲۳)]

(۴)[بخاری: کتاب الآداب: باب رحمۃ الوالد وتقبیلہ ومعانقتہ (۵۹۹۷) مسلم: کتاب الفضائل: باب رحمتہ.... (۲۳۱۸) ترمذی (۱۹۲۲) احمد (۲۲۸/۳)]

"من لا یرحم لا یرحم"

"جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) رحم نہیں کیا جاتا۔"

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا ویامر بالمعروف وینہ عن المنکر"(۱)

"جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، بڑوں کی عزت وتوقیر نہیں کرتا، نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے منع نہیں کرتا، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"الراحمون یرحمهم الرحمن ارحمو من فی الارض یرحمکم من فی السمآء"(۲)

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

کرو مہربانی تم اہل زمین پر / خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

۶۔ صفوان بن سلیمؒ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله او کالذی یصوم النهار ویقوم اللیل"(۳)

"بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔"

۷۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(۱)[ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی رحمة الصبیان (۱۹۲۱) احمد (۱/۲۵۷) ابوداؤد (۴۹۴۵)]

(۲)[ترمذی: ایضا: باب ماجاء فی رحمة الناس (۱۹۲۴) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی الرحمة (۴۹۴۱)]

(۳)[بخاری: کتاب الادب: باب الساعی علی الارملة (۶۰۰۶) مسلم: کتاب الزهد: باب الاحسان الی الارملة (۲۹۸۲)]

"انا و كافل اليتيم في الجنة هكذا و قال :باصبعه السبابة و الوسطى"[1]

"کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور اپنے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا۔"

۸۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"ترى المؤمنين في تراحمهم و توادهم و تعاطفهم كمثل الجسد اذااشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسهر و الحمى"[2]

"تم ،مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جس طرح جسم کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارے جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ایسی تکلیف کہ نینداڑ جاتی ہے اور بخار ہوجاتا ہے۔"

۹۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"لايؤمن احدكم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه "[3]

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

۱۰۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

"ماضرب رسول الله شيئا قط بيده و لا امرأة و لاخادما الاان يجاهد في سبيل الله ،ومانيل منه شيء قط فينتقم من صاحبه الا ان ينتهك شيئا من محارم الله فينعقم لله عزوجل "[4]

(۱)[بخاری: ایضا: باب فضل من یعول یتیما (۶۰۰۵)]

(۲)[ایضا: باب رحمۃ الناس والبھائم (۶۰۱۱)]

(۳)[بخاری: کتاب الایمان: باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (۱۳)]

(۴)[مسلم: کتاب الفضائل: باب مباعدتہ للآثام واختیارہ من المباح...(۲۳۲۸)]

''اللہ کے رسول ﷺ نے سوائے جہاد کے کبھی کسی پر اپنا ہاتھ مبارک نہیں اٹھایا حتی کہ اپنی بیوی اور خادم پر بھی نہیں، اسی طرح آپؐ نے کبھی کسی ظالم کے ظلم پر اپنا انتقام نہ لیا الا کہ اللہ کی حدود کی اگر کوئی شخص پامالی کرتا تو آپؐ اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے انتقام لیتے۔''

جانوروں کے ساتھ رحمت وشفقت کے بارے میں

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص راستے میں چل رہا تھا کہ اسے شدت کی پیاس لگی۔ اسے ایک کنواں نظر آیا اور اس نے اس میں اتر کر پانی پیا۔ جب وہ باہر نکلا تو وہاں ایک کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ کتا بھی اتنا ہی زیادہ پیاسا معلوم ہوتا ہے جتنا کہ میں تھا۔ چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر اسے منہ سے پکڑ کر اوپر لایا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو پسند فرمایا اور اس کی مغفرت فرمادی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ رحمدلی اور نیکی کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں ہر تازہ کلیجے والے (یعنی ذی روح) کے ساتھ نیکی کرنے پر ثواب ملتا ہے''۔ (۱)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"دخلت امرأة النار في هرة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاكل من خشاش الارض "(۲)

''ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں جا پہنچی، اس نے بلی کو باندھے رکھا اور اسے نہ تو کھانا دیا اور نہ ہی چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا کر اپنی جان بچا لیتی۔''

(۱)[بخاری: کتاب الادب: باب رحمۃ الناس البھائم (۶۰۰۹) مسلم (۴۴/۷) ابوداؤد (۲۵۵۰)]

(۲)[ایضا: کتاب بدء الخلق: باب اذا وقع الذباب... (۳۳۱۸) مسلم (۴۳/۷) احمد (۵۰۷/۲) الادب المفرد (۳۷۹)]

۳۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''نبیوں میں سے کوئی نبی کسی درخت کے سائے میں اترے وہاں انہیں کسی ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے حکم دیا اور ان کا سارا سامان اس درخت تلے سے اٹھا لیا گیا پھر چیونٹیوں کا سارا چھتہ انہوں نے جلوا دیا۔انہیں ڈانٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ تمہیں تو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور تم نے تمام چیونٹیوں کو جلا کر رکھ دیا۔حالانکہ یہ بھی اللہ کی تسبیح کرنے والی ایک امت ہے۔''(۱)

۴۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ ،یحییٰ بن سعید کے ہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ

یحییٰ کی آل واولاد میں سے ایک لڑکا زندہ مرغی کو باندھ کر اس پر تیر کا نشانہ لگا رہا تھا ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ مرغی کے پاس گئے اور اسے کھول دیا، پھر اس مرغی اور لڑکے کو اپنے ساتھ لائے اور یحییٰ سے کہا کہ اپنے بچے کو منع کرو کہ اس طرح جانور کو باندھ کر نہ مارے کیونکہ میں نے نبی اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے کسی بھی چوپائے اور جانور وغیرہ کو باندھ کر مارنے سے منع کیا ہے۔''(۲)

۵۔سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ

میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا۔آپ چند آدمیوں کے پاس سے گذرے جنہوں نے ایک مرغی باندھ رکھی تھی اور اس پر تیر کا نشانہ لگا رہے تھے،جب انہوں نے ابن عمرؓ کو دیکھا تو وہاں سے بھاگ گئے۔ابن عمرؓ نے کہا کہ یہ اس طرح (نشانہ بازی) کون کر رہا تھا؟!ایسا کرنے والوں پر نبی اکرمؐ نے لعنت بھیجی ہے۔''(۳)

۶۔حضرت سہل بن حنظلہؓ سے روایت ہے کہ

---

(۱)[بخاری: کتاب الجهاد: باب (۱۵۳) حدیث (۳۰۱۹)]

(۲)[بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب یکرہ من المثلہ والمصبورۃ والمجثمۃ (۵۵۱۴)]

(۳)[ایضاً (۵۵۱۵)]

اللہ کے رسول ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گذرے، (بھوکے پیاسے رہنے کی وجہ سے) اس کی پشت اس کے پیٹ سے لگ رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا:

"اتقوا الله في هذه البهائم المعجمة فاركبوها صالحة وكلوها صالحة "[1]

''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈر جاؤ اور ان پر مناسب سواری کیا کرو اور انہیں مناسب حالت میں چھوڑو۔''

۷۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ

''ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے (سواری پر) سوار کیا...پھر آپؐ ایک انصاری آدمی کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ تھا۔ اور جب اونٹ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو غمگین ہو کر بلبلانے لگا اور اس کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ آنحضرت ﷺ اس کے پاس گئے اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور وہ خاموش ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کی ملکیت ہے؟ تو ایک انصاری شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کہ جسے اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملکیت میں دیا ہے، کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے! اس اونٹ نے میرے سامنے شکایت کی ہے کہ تم اسے تکلیف پہنچاتے ہو اور اس پر خوب مشقت ڈالتے ہو!''[2]

۸۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان کے والد فرماتے ہیں کہ

''ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ اپنی حاجت کے لیے نکلے تو ہم نے دیکھا کہ ایک سرخ چڑیا اپنے دو بچوں کے ساتھ (کسی جگہ بیٹھی) ہے۔ ہم نے اس

---

(۱) [ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب ما یؤمر به من القیام علی الدواب والبهائم (۲۵۴۵) صحیح ابن حبان (۸۴۴) احمد (۱۸۰/۴) المعجم الکبیر (۵۶۲۰) السلسلة الصحیحة (۲۳)]

(۲) [ابو داؤد ایضا: (۲۵۴۹) احمد (۲۰۴/۱) حاکم (۹۹/۲) ابو یعلی (۳۱۸) السلسلة الصحیحة (۲۰)]

کے بچے اٹھا لیے تو وہ چڑیا ہمارے اوپر چکر کاٹنے لگی۔ نبی اکرمؐ جب آئے تو (یہ معاملہ دیکھ کر) فرمانے لگے کہ کس شخص نے اس چڑیا کو اس کے بچوں کی وجہ سے دکھ پہنچایا ہے؟ اس کے بچے واپس لوٹا دو۔ اسی طرح آپؐ نے چیونٹیوں کی ایک بل دیکھی کہ جسے ہم نے جلا دیا تھا۔ آپؐ نے پوچھا کہ اسے کس نے جلا دیا؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم نے اسے جلایا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کو آگ کی سزا دے سوائے آگ کے پیدا کرنے والے (خدا) کے۔''(۱)

۹۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

''اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گذرے جس نے بکری کے پہلو پر پاؤں رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں چھری تیز کر رہا تھا جبکہ بکری آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اس سے پہلے ہی چھری تیز کیوں نہ کر لی؟ کیا تم اس جانور کو دو مرتبہ موت سے دوچار کرنا چاہتے ہو؟!(۲)

۱۰۔ حضرت عاصم بن عبیداللہ فرماتے ہیں کہ

''ایک آدمی نے بکری پکڑ رکھی تھی او (اس کے سامنے) چھری تیز کر رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے اسے کوڑے سے مارا اور کہا کیا تم اس کی روح کو عذاب دیتے ہو؟! اسے پکڑنے سے پہلے ہی تم نے چھری تیز کیوں نہ کی؟''(۳)

۱۱۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ

''حضرت عمرؓ دیکھا کہ ایک آدمی بکری کو ذبح کرنے کے لیے اسے گھسیٹ کر لے جا رہا تھا تو عمرؓ نے اسے کوڑا مارا اور کہا تیری ماں نہیں! اسے موت کی طرف مناسب طریقے سے چلا کر لے جاؤ۔'' [ایضا]

---

(۱) [ابو داؤد: کتاب الجہاد: باب فی کراھیۃ حرق العدو بالنار (۲۶۷۲) حاکم (۲۳۹/۴) الادب المفرد (۳۸۲) السلسلۃ الصحیحۃ (۲۵)]

(۲) [المعجم الکبیر (۱۴۰/۳) حاکم (۲۳۱/۴) مجمع الزوائد (۳۳/۵) بیہقی (۲۸۰/۹) السلسلۃ الصحیحۃ (۲۴)]

(۳) [بیہقی (۲۸۰/۹) السلسلۃ الصحیحۃ (۶۸/۱)]

باب — 4

اسلام دہشت گردوں سے بریٔ الذمہ ہے!

❶ بھارتی طیارے کا اغوا، اور چند حریت پسند!

❷ ڈینئل پرل کیس!

❸ ماسکو تھیٹر کا المیہ!



اسلام دہشت گردوں سے بری ہے!

بد قسمتی سے اس وقت مسلمان دنیا بھر میں ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ کشمیر، فلسطین، فلپائن ،ارکان، چیچنیا وغیرہ تو وہ علاقے ہیں جہاں کئی سالوں سے مسلمانوں پر آتش و آہن کی بارش کی برسائی جارہی ہے۔ سیاسی، معاشی، تہذیبی و معاشرتی اور سائنسی زوال کیوجہ سے مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ بظاہر آزاد و خود مختار مسلم ممالک میں بھی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وسائل سے مالا مال مسلم حکومتیں بھی مظلوم مسلمانوں کی قرار واقعی مدد نہیں کر رہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض جذباتی مسلمان ردعمل کے طور پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بعض ایسی کارروائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جنہیں بجاطور پر دہشت گردی کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے مثلاً سول آبادی کو یرغمال بنا کر مختلف مطالبے پیش کرنا اور عدم تکمیل کی سورت میں انہیں قتل کرنا۔ یا بم دھماکوں کے ذریعے دشمن کی سول آبادی کو نشانہ بنانا۔۔۔

یہ تو ردعمل کی مثالیں ہیں جب کہ ایسے ہی بعض واقعات ردعمل کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ان کی پشت پر یہ دلیل کارفرما ہوتی ہے کہ دشمن نے ہمارے خلاف لڑائی کا آغاز کررکھا ہے۔ لہذا ہمیں بھی جہاں دشمن نظر آتا ہے (خواہ میدان جنگ ہو یا میدان امن) ہم بدلہ لیتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو ردعمل اس بات کی دلیل ہے کہ دشمن کا کوئی شخص خواہ مقاتل ہو یا غیر مقتل جہاں نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے اور نہ ہی کسی شخص کو محض اس بنیاد پر قتل کیا جاسکتا ہے کہ وہ 'ہمارا دشمن ہے۔' بلکہ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا اسلام کی نگاہ میں بدترین

جرم ہے۔حتیٰ کہ کافروں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے بھی اسلام نے باقاعدہ آداب وضوابط مقرر کیے ہیں جن کے مطابق دشمن پرحملہ آور ہونے سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا یا پھر جزیہ کی پیش کش کرنا اور ایسے ہی کچھ دیگر شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اگر دشمن ان صورتوں کو قبول نہ کرے تو آخری صورت یہ ہے کہ علی الاعلان اس کے خلاف جہاد کیا جائے جب کہ اس دشمن کیساتھ کسی قسم کا معاہدہ امن نہ کیا گیا ہو۔حتیٰ کہ اگر کسی ملک کی حکوم نے کسی دشمن قوم کے ساتھ معاہدہ امن کر رکھا ہو تو اس ملک کے باشندے غیر سرکاری طور پر اس دشمن قوم کے خلاف کسی قسم کی جارحیت کا ارتکاب کرنے کے مجاز ہرگز نہیں۔

علاوہ ازیں اسلام نے میدان جنگ کے بھی اصول وضوابط مقرر کیے ہیں جن کے مطابق کسی غیر مقاتل کو قتل کرنا حرام ہے اور غیر مقاتل میں وہ لوگ شامل ہیں جو عموماً جنگ میں حصہ نہیں لیتے مثلاً معصوم بچے،عورتیں،بوڑھے،زاہد وعابد،وغیرہ۔اگر بالفرض یہ لوگ میدان جنگ میں نبرد آزما ہوں تو پھر ان کے قتل کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔یہ تمام آداب وضوابط گزشتہ باب میں جہاد کے آداب وضوابط کے ضمن میں تفصیلا درج کیے جا چکے ہیں۔(جبکہ اس سے بھی زیادہ تفصیل راقم کی کتاب ''اسلام میں تصور جہاد اور دور حاضر میں عمل جہاد'' میں دیکھی جاسکتی ہے)

لہذا یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یا گروہ اسلامی اصول وضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی قابل مذمت اقدام کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہی ہے جب کہ اسلام اس سے بری ہے۔آئندہ صفحات میں بطور مثال چند ایسی کارروائیوں کی تفصیل دی جارہی ہے۔جنہیں یقیناً دہشت گردی کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے جب کہ ان کے فوائد ونقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اسلام ایسی کارروائیوں کی اجازت نہیں دیتا۔خواہ اس کا ارتکاب کوئی مذہبی اور دینی جماعت ہی کیوں نہ کرے!!

① بھارتی طیارے کا اغوا اور چند حریت پسند!

۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ء انڈین ائیرلائن کا ایک طیارہ جو کھٹمنڈو سے روانہ ہو، کے بارے میں اچانک کنٹرول ٹاور کو اطلاع دی گئی کہ ''طیارہ اغوا ہو چکا ہے'' اس طیارے میں ۲۰۰ کے قریب مسافر سوار تھے جنہیں طیارے سمیت چار ہائی جیکر قندھار (قندھار) لے گئے۔ ہائی جیکروں نے بھارتی حکام سے مطالبہ کیا کہ (مولانا) مسعود اظہر سمیت ۳۵ قیدیوں کو فوری رہا کیا جائے۔ ورنہ تمام سواریوں سمیت طیارے کو تباہ کر دیا جائے گا۔ اس دورانیہ میں ہائی جیکروں نے چند ایک مسافروں کو قتل کر کے جہاز سے باہر پھینک دیا تا کہ ایک تو ان کے مطالبے پر عملدآمد کی طرف توجہ کی جائے اور دوسرے یہ کہ تمام مسافروں اور عملے پر دہشت طاری رکھی جائے۔

بالآخر بھارتی حکام اور ہائی جیکروں کے درمیان ہونے والے مذاکرات ۱۳ اہم قیدیوں (مسعود اظہر، مشتاق احمد زرگر اور شیخ عمر) کی رہائی پر منتج ہوئے۔ ۳۱ دسمبر کی شام بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ، کا خصوصی طیارہ قندھار ائیرپورٹ پر اترا اور اغوا شدہ طیارے سے چند کلومیٹر دور، رن وے پر جا کر رک گیا۔ اس وقت افغانستان میں طالبان کی حکومت تھی چنانچہ طالبان کے کمانڈوز جو لینڈ کروزر گاڑیوں پر سوار تھے، تیزی سے بھارتی جہاز کے قریب پہنچ گئے، طالبان کے اس قافلہ میں طالبان کے اس وقت کے وزیر خارجہ مولوی وکیل احمد متوکل بھی شامل تھے۔ انہوں نے جسونت سنگھ کا استقبال کیا۔ جسونت سنگھ کے ساتھ تین افراد تھے جن کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ وہی افراد تھے جن کی رہائی کا مطالبہ ہائی

جیکروں نے کیا تھا۔ ان تینوں کو ایک گاڑی میں سوار کر دیا گیا پھر با حفاظت طریقے سے اس گاڑی کو اغوا شدہ طیارے کے قریب لے جایا گیا۔ سیاہ نقاب پہنے ایک پھرتیلا ہائی جیکر ہاتھ میں پستول لیے طیارے سے نکل کر گاڑی کے قریب گیا اور جسونت سنگھ کے ساتھ آنے والے تین افراد کیساتھ ہاتھ ملایا اور شناخت کے بعد کاک پٹ کی جانب طیارے کے دروازے کے قریب جا کر اندر موجود اپنے ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے اس بات کی تصدیق کرائی کہ مطلوبہ افراد ہی گاڑی میں سوار ہیں۔

پھر اس ہائی جیکر نے کاک پٹ کے نیچے اس دروازے کو کھولا جس میں پیکج لوڈ کیا جاتا ہے۔ دروازہ کھلتے ہی چار سیاہ رنگ کے بیگ نیچے گرے اور ساتھ ہی مزید چار ہائی جیکر نہایت پھرتی سے ایک سیڑھی کے ذریعے ہتھیاروں سمیت رن وے پر آ گئے۔ مستعد طالبان نے چاروں ہائی جیکروں سے ہتھیار لیے اور نہیں ڈبل کیبن فور ویل گاڑیوں میں سوار کر دیا۔ ان گاڑیوں کے شیشے سیاہ تھے اور ان پر ابوظہبی کی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ جیسے ہی ہائی جیکروں کو لے جانے والی گاڑی روانہ ہوئی ایک سیاہ گاڑی بھی جس میں بھارت کی قید سے رہا ہونے والے مسعود اظہر اور دیگر دو کشمیری حریت پسند سوار تھے، ائیر پورٹ سے روانہ ہو گئے۔ ہائی جیکروں کے ائیر پورٹ سے جاتے ہی مسافر طیارے سے باہر آنا شروع ہو گئے جنہیں وہاں موجود کوسٹروں میں سوار کر کے فوری طور پر دوسرے طیارے میں پہنچا کر ان کے ملکوں کی طرف روانہ کیا گیا۔

بھارتی طیارے کے اغوا کی مذکورہ کاروائی کے دو پہلو قابل غور ہیں: ایک تو اس کی کامیابی یا ناکامی کے لحاظ سے اور دوسرا اس کے جواز یا عدم جواز کے لحاظ سے۔ اول الذکر پہلو کے لحاظ سے یہ کارروائی نہایت کامیاب رہی اس لیے کہ طیارے یا مسافروں کو بڑا نقصان پہنچائے بغیر ہائی جیکروں نے اپنا مطالبہ پورا کروالیا اور پھر وہ ایسے روپوش ہوئے کہ آج تک ان کا سراغ نہ مل سکا! جبکہ اس ہائی جیکنگ میں خود بھارت ہی بدنام ہوا!!

لیکن اگر غیر جانبدارانہ انداز سے اس کے دوسرے پہلو یعنی جواز یا عدم جواز کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کسی طرح بھی اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اس (عدم جواز) کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دشمن کی قید سے مسلمانوں کو آزاد نہ کرایا جائے بلکہ مسلمان قیدیوں کو دشمن کی قید سے آزاد کرانا نہ صرف مستحسن ہے بلکہ دیگر مسلمانوں پر فرض ہے البتہ اس کے لیے معصوم و بے گناہ اور غیر مقاتل (سول) لوگوں کو یرغمال بنا کر ان کی جانوں کو خطرے میں ڈالنا اور ان کی رہائی کو اپنے مطالبات کے ساتھ مشروط کرنا اور مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں انہیں قتل کر دینا سراسر ناجائز اقدام ہے۔

اس کے دلائل ''جہاد اور دہشت گردی میں فرق، اور جہاد کے آداب وضوابط'' کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ البتہ سردست ایک نئی دلیل پر اکتفا کیا جاتا ہے:

صحیح البخاری [1] میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جاسوسی کے لیے صحابہ کرامؓ ایک جماعت حضرت عاصم بن ثابتؓ کی زیر امارت روانہ کی۔ جب یہ جماعت عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچی تو ہذیل کے بنولحیان نامی ایک قبیلہ کو ان کی اطلاع پہنچی چنانچہ انہوں نے تقریباً سو تیر اندازوں کو اس جماعت کے تعاقب میں روانہ کیا اور بالآخر ان تیر اندازوں نے صحابہ کرامؓ کی جماعت کو جالیا۔ حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ تعاقب کرنے والے دشمنوں نے کہا کہ ہم تم سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم ہتھیار ڈال دو گے تو ہم تم میں سے کسی کو بھی قتل نہ کریں گے۔ حضرت عاصمؓ کہنے لگے کہ میں تو کسی کافر کی پناہ نہیں لے سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت لڑائی شروع کر دی۔ بالآخر حضرت عاصمؓ اپنے چھ ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔

(۱) [بخاری: کتاب المغازی: باب غزوۃ الرجیع (۴۰۸۶)]

حضرت خبیبؓ ،حضرت زیدؓ اور ایک اور صحابیؓ ابھی زندہ تھے ۔دشمنوں نے انہیں پھر حفاظت وامن کا یقین دلایا اور گرفتاری پیش کرنے کا مطالبہ کیا،تو یہ حضرات ان کی یقین دہانی پر ٹیلے سے نیچے اتر آئے ۔پھر جب دشمنوں نے انہیں پوری طرح اپنے قبضے میں لے لیا تو ان کی کمانوں کی تانت اتار کر انہیں باندھ دیا۔تیسرے صحابیؓ جو حضرت خبیبؓ اور زیدؓ کے ساتھ تھے،انہوں نے کہا کہ یہ تمہاری پہلی غداری ہے اور انہوں نے دشمنوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔دشمنوں نے انہیں گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن جب وہ کسی طرح تیار نہ ہوئے تو انہوں نے اس صحابی کو وہیں شہید کر ڈالا اور دوسرے دو صحابیوں کو مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔حضرت خبیبؓ کو تو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خرید لیا کیونکہ خبیبؓ نے بدر کی جنگ میں حارث کو قتل کیا تھا۔وہ ان کے ہاں کچھ دنوں تک قیدی کی حیثیت سے رہے۔جس وقت ان سب کا حضرت خبیبؓ کے قتل پر اتفاق ہو گیا تو حضرت خبیبؓ نے (بنو) حارث کی کسی عورت (جن کے گھر میں خبیب کو قید میں رکھا گیا تھا) سے استرا مانگا تاکہ (شہادت سے پہلے)اپنے موئے زیر ناف صاف کر لیں۔انہوں نے انہیں استرا دے دیا۔

استرہ دینے والی عورت کا بیان تھا کہ میری غفلت کی وجہ سے میرا بچہ (حضرت)خبیبؓ کے پاس چلا گیا۔انہوں نے اسے اپنی ران پر بٹھالیا۔میں نے جب دیکھا کہ بچہ ان کے پاس ہے اور استرہ بھی ان کے ہاتھ میں ہے تو میں گھبرا گئی (کہ کہیں یہ قیدی میرا بچہ نہ مار ڈالے)۔حضرت خبیبؓ نے کہا کیا تمہیں یہ خطرہ ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا۔۔؟؟ان شاءاللہ!میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔پھر بعد میں حضرت خبیبؓ کو قتل کے لیے حدود،حرم سے باہر لیجایا گیا تو حضرت خبیبؓ نے قتل کرنے والوں سے یہ مطالبہ کیا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو۔(انہوں نے اجازت دے دی اور) جب خبیبؓ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ اگر تم یہ خیال نہ کرنے لگتے کہ میں موت سے گھبرا

گیا ہوں تو میں اور لمبی نماز پڑھتا۔ (حضرت خبیبؓ ہی وہ شخص ہیں جن سے قتل سے پہلے دو رکعت نماز کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔)

اس پورے واقعہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ جب ایک معصوم بچہ حضرت خبیبؓ کے پاس جا پہنچا اور ان کے پاس استرے جیسا تیز دھار آلہ بھی تھا تو حضرت خبیبؓ اگر چاہتے تو اس بچے کو آڑ بنا کر اپنی نجات کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ بصورت دیگر دشمن سے انتقام لینے کے لیے اس بچے کا خون بہا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا بزدلانہ طریقہ اس لیے اختیار نہ کیا کہ اس میں بچے کا کوئی قصور نہ تھا اور بچے کی ماں کی پریشانی دیکھ کر حضرت خبیبؓ نے یہی جواب دیا کہ ''ان شاء اللہ میں [illegible] معصوم بچے کو قتل نہیں کروں گا!''

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام معصوم و بے گناہ افراد، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، زیر معاہدہ اور غیر مقاتلین کو قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

0321-7516039

❷ ڈینئل پرل کیس!

۲۳ جنوری ۲۰۰۲ء کو کراچی (پاکستان) میں عارضی طور پر مقیم روزنامہ وال سٹریٹ جرنل کے یہودی رپورٹر ڈینئل پرل کو اچانک خفیہ طریقہ سے اغوا کر لیا گیا۔ عالمی طاقتوں کے دباؤ پر پاکستانی حکومت نے پرل کی تلاش پر تمام ملکی وسائل بے دریغ خرچ کیے مگر پرل کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ ۲۸ جنوری کو اغوا کرنے واکوں نے، جو اپنے آپ کو

Movement for theRestoration of Pakistani Sovereignty

''یعنی تحریک بحالی حاکمیت پاکستان'' کے نام سے ظاہر کر رہے تھے، وال سٹریٹ جرنل اور دیگر بین الاقوامی اخباروں کو ای۔میل بھیجی جس میں انہوں نے ڈینئل پرل کو اغوا کرنے کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس کے ساتھ وہ تصویر بھی بھیجی جس میں پرل کو زنجیروں سے بندھا ہوا دکھایا گیا تھا۔

اس حادثہ پر یہودیوں نے عالمی میڈیا کا رخ پاکستان کی طرف موڑ دیا اور پرل کے اغوا کی وجہ سے عالمی سطح پر پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے کے مطالبے شروع ہو گئے جب کہ امریکی ایف۔بی۔آئی اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کو اس بہانے پاکستان میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ مہینہ بھر ڈینئل پرل کی تلاش جاری رہی جب کہ اس دوران اغوا کرنے والے ای۔میل کے ذریعے پرل کی رہائی کے لیے امریکہ سے مختلف مطالبے کرتے رہے۔ مثلاً یہ کہ ۲ملین ڈالر اور افغانی سفیر ملا ضعیف کو رہا کیا جائے۔ پاکستان سے امریکی اثر و رسوخ ختم کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ورنہ پرل کی لاش واپس بھیجی جائے گی!

کئی روز کے بعد جب اغوا کرنے والوں کے مطالبات پورے نہ ہوئے تو انہوں نے خبر جاری کی کہ کراچی کے کسی قبرستان سے پرل کی لاش وصول کر لی جائے۔ پورے کراچی کے قبرستانوں کی تلاشی کے باوجود کہیں سے پرل کی لاش نہ ملی البتہ ایک دو اور لاشیں پولیس کے ہاتھ آئیں۔ عین ممکن ہے کہ ان بے گناہوں کو بھی انہی اغوا کرنے والے دہشت گردوں نے قتل کیا ہو۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے ویسے ویسے پاکستانی حکومت پر عالمی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور پوری دنیا کی نظریں پاکستان کی طرف تھیں جب کہ ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جانے کی وجہ سے حج بھی قریب آ رہا تھا اور پرل کیس کی وجہ سے حج کے لیے جمع ہونے والے دنیا بھر کے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کی مسموم فضا خود بخود یا از خود تیار کی جا رہی تھی۔

اسی دوران جیش محمد کے قائد وامیر 'مسعود اظہر' کا ایک انتہائی قریبی ساتھی شیخ عمر، پرل کیس میں شریک ہونے کے شک میں گرفتار ہو گیا۔ پھر یہ شک یقین میں بدل گیا جب شیخ عمر نے کہا کہ پرل مر چکا ہے۔ بالآخر ۲۱ فروری ۲۰۰۲ء کو کراچی میں امریکی قونصلیٹ اور واشنگٹن میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے پرل کی موت کی باقاعدہ تصدیق کر دی۔ چنانچہ ۲۲ فروری کا سورج پاکستان کے لیے بالخصوص اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے بالعموم ذلت کا پیغام لے کر طلوع ہوا، جب تمام بین الاقوامی اخبار و جرائد کی نمایاں سرخی یہ تھی کہ ''ڈینئل پرل دہشت گردوں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے''۔ یاد رہے کہ کیلنڈر کے مطابق اس دن پاکستان میں ۹ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ اور سعودی عرب میں جہاں وقت کے فرق کے مطابق گزشتہ روز حج ہو چکا تھا، عیدالاضحیٰ کا دن تھا۔ پرل کی موت کی خبر سے عالمی سطح پر مسلمانوں کا امیج جس قدر خراب ہوا ہوگا، اس کا اندازہ مسلمانوں کے اس تاریخی دن میں پرل کی موت کی تصدیقی خبروں سے کیا جا سکتا ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ پرل کیس کوئی ایسا سوچا سمجھا منصوبہ تھا کہ جس کی پشت پر

دشمن اسلام ایجنسیاں متحرک تھیں یا کسی دینی و جہادی تحریک نے ظلم کے ردعمل یا کسی اور اچھے مقصد کے لیے یہ ذریعہ اختیار کیا جو کسی بھی فائدہ کی بجائے انتہائی مضر ثابت ہوا۔۔۔۔،(اس سے قطع نظر) ہمیں اس پہلو پر غور کرنے کی زیادہ ضرورت ہے کہ ایسی دہشت گردی کی کارروائی میں کوئی مسلمان کیوں شریک ہوا؟ کیا ڈینئل پرل کوئی ایسا یہودی تھا جس نے کسی فلسطینی مسلمان کو قتل کیا تھا کہ اس کے بدلہ میں اسے قتل کیا جاتا۔۔۔؟(اگر فی الواقع کوئی ایسی بات بھی ہوتی تو اس کا نوٹس حکومتی سطح پر لیا جا سکتا تھا نا کہ انفرادی طور پر)۔۔۔کیا ڈینئل پرل، جنگجو، فوجی اور جارح کی حیثیت سے پاکستان میں آیا تھا کہ اسے اس طرح قتل کیا جاتا۔۔۔؟؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پرل غیر مسلم اور یہودی ہونے کے باوجود پاکستان میں سیاسی معاہدے(ویزے) کے تحت آیا تھا اور قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ:

﴿وان احد من المشركين استجارك فاجره ...ثم أبلغه مأمنه﴾

[اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دیجئے۔۔۔پھر اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو(التوبۃ۔٦)]

کی رو سے بھی دشمن کے کسی ایسے شخص کو قتل کرنا ممنوع ہے جو پناہ کے ذریعے مسلمانوں کے علاقہ میں آیا ہو۔اور دور حاضر میں ویزا، پاسپورٹ وغیرہ اسی پناہ کے معاہدہ کی مختلف صورتیں ہیں۔علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ایک یہودی کے قتل کا فائدہ بڑا تھا یا عالمی سطح پر اسلام، اہل اسلام، اور پاکستان کی بدنامی کا نقصان بڑا تھا؟

❸ ماسکو تھیٹر کا المیہ!

نومبر۲۰۰۲ء کو روس میں چیچن حریت پسندوں نے ایک کارروائی کی جس میں نہ صرف یہ کہ بہت سے معصوم لوگ ہلاک ہوئے بلکہ تمام حریت پسند بھی مارے مارے گئے اور جو تھوڑے بہت باقی بچے، انہیں بھی روسی حکومت نے گرفتار کرلیا۔ یہ کارروائی کیسے ہوئی، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ پچاس (۵۰) کے قریب حریت پسندوں نے روس کے دار الحکومت 'ماسکو' میں واقع ایک تھیٹر پر قبضہ کر کے سات سو (۷۰۰) کے قریب افراد کو یرغمال بنالیا۔ اور روسی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر چیچنیا کو خالی کردے، ورنہ وہ یرغمالیوں کو بموں سے اڑا دیں گے۔ حریت پسندوں نے اپنے جسموں پر بم باندھ رکھے تھے اور وہ پوری طرح اس بات پر تیار تھے کہ اگر ان کے مطالبہ کو تسلیم نہ کیا گیا تو وہ فی الواقع ان تمام یرغمالیوں کو ہلاک کردیں گے۔

مگر روسی صدر پوٹن کی ہدایت پر تھیٹر کا محاصرہ کرنے والی فوج نے زہریلی کیمیائی گیس تھیٹر میں داخل کردی جس کے زیر اثر حریت پسندوں سمیت سبھی لوگ بے ہوش ہوگئے۔ اس طرح سب لوگوں کو بے ہوش کرنے کے بعد روسی فوج اندر داخل ہوئی اور بے ہوش پڑے ان حریت پسندوں پر فائرنگ کر کے تقریباً سب کو مار ڈالا اور کچھ کو گرفتار کرلیا۔

یقیناً اسلام اس بات سے نہیں روکتا کہ حق آزادی کے لئے کوئی جدوجہد کی جائے، البتہ اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ آزادی کے حصول کے لئے کوئی ایسی کارروائی کی جائے، جس میں بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ اس لئے مذکورہ کارروائی اور اس نوعیت کی دیگر کارروائیوں کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا! خواہ اس سے کتنا ہی بڑا فائدہ کیوں نہ ہو رہا ہو!!

باب 5

0321-8052374

فدائی کارروائیوں کی شرعی حیثیت

- پہلی صورت یعنی فدائی کارروائی
- دوسری صورت یعنی خودکش حملہ
- خودکش حملہ اور بے گناہوں کا قتل
- فدائی حملے قرونِ اولیٰ سے تسلسل کے ساتھ ثابت ہیں!!



فدائی کارروائیوں کی شرعی حیثیت

فدائی کارروائی کی شرعی حیثیت سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو وہ جس میں دشمن پر فدائی حملہ کرنے کے باوجود زندہ بچنے کی امید ہو خواہ یہ امید ۵۰ فیصد ہو یا ایک فیصد۔ بہر حال بچنے کی امید ضرور ہو۔ اور دوسری صورت وہ ہے جس میں ایک فیصد بھی بچنے کی امید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ۱۰۰ فیصد موت یقینی ہوتی ہے۔ مثلاً جسم پر بم باندھ کر عین دشمن کے اندر جا کر اسے بلاسٹ کرنا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ ایسی کارروائی میں سب سے پہلے تو وہی ہلاک ہوگا جس کے جسم پر بم بندھا ہوا ہے، خواہ اس کے علاوہ کوئی اور مرے یا نہ مرے!

ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت کو 'خودکش' کارروائی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس میں سو فیصد موت یقینی نہیں ہوتی البتہ دوسری صورت کے خودکش ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے خلاصہ کلام یہ ہوا کہ فدائی کارروائی دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) ایک وہ جس میں مرنے کے ساتھ زندہ بچ جانے کی بھی امید ہو، اسے (ان مذکورہ بالا معنوں کو ذہن میں رکھ کر) اگر ''فدائی کارروائی'' سے موسوم کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (اگرچہ فدائی کارروائی میں فدائی کا معنی بھی ایک لحاظ سے خودکشی کی قبیل سے ہے لیکن ایک لحاظ سے اس سے مختلف بھی ہے۔)

(۲) دوسری قسم وہ جس میں سو فیصد ہلاکت یقینی ہو اسے ''خودکش کارروائی'' سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی صورت یعنی فدائی کارروائی:

میدان جہاد میں فدائی کارروائی کی پہلی صورت اختیار کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ بعض جہادی اور جنگی معاملات میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے حتی کہ اسلامی تاریخ کے قرن اول میں ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں فدائی کارروائیوں نے جنگ کا پانسہ ایسا پلٹا کہ مسلمانوں کی شکست فتح میں بدل گئی۔

نبی اکرمؐ کے دور میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے فدائی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اور نبی اکرمؐ نے نہ صرف یہ کہ ان کارروائیوں کی کوئی مذمت نہ کی بلکہ بعض مواقع پر خود ایسی کارروائیوں کے لیے فدائی طلب کئے۔ مثلاً کعب بن اشرف ،ابورافع ، خالد بن سفیان وغیرہ کے خاتمہ کے لیے آپؐ نے محمد بن مسلمہ ،عبداللہ بن انیس ،وغیرہ جیسے فدائی روانہ کئے۔ ان کارروائیوں میں اگرچہ انہیں موت کا بھی خدشہ تھا مگر اس کے باوجود آپؐ نے انہیں روانہ کیا۔ اور تقریباً ایسی تمام فدائی کارروائیاں کامیاب رہیں اور کوئی صحابی بھی شہید نہ ہوا۔

اسی طرح عہد صحابہ میں بھی ایسی بے شمار فدائی کارروائیوں کا ثبوت ملتا ہے بطور مثال دو کارروائیاں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جنگ یمامہ کے موقع پر جب مسیلمہ کذاب اور اس کا لشکر ایک باغ میں محصور (قلعہ بند) ہو گیا تو حضرت براء بن عازبؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: مجھے ڈھال کے اوپر بٹھا کر ڈھال کو نیزوں پر بلند کرو اور فصیل کے اوپر سے مجھے دشمن کے اندر پھینک دو۔ چنانچہ دیگر صحابہ نے ایسے ہی کیا اور اس طرح سے اکیلے حضرت براءؓ کو اس دشمن کے اندر پھینک دیا گیا۔ وہاں انہوں نے خوب قتال کیا۔ حتی کہ دس کافروں کو قتل کر دیا اور اس قلعہ (نما باغ) کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے جبکہ اس مہم میں

حضرت براکو ۸۰ سے زیادہ زخم لگے!۔

امام بیہقی یہ واقعہ روایت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "**ولم ینکر علی فعله احد من الصحابة**" / اکیلے براکو اس طرح دشمن کے اندر پھینک دینے پر، صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا"۔

یعنی کسی صحابی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ تو اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا یہ خودکشی ہے!!

(۲) حضرت ابو عمرانؓ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا، تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو! یہ اپنے ہاتھوں، اپنی جان ہلاکت میں ڈال رہا ہے! (حالانکہ قرآن مجید نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا گیا ہے جیسا کہ آیت مبارکہ ہے: **ولاتلقو ابایدیکم الی التهلکة ...!**)

تو حضرت ابوایوب نے یہ سن کر فرمایا کی اس آیت "**ولاتلقو ابایدیکم الی التهلکة...**" (ترجمہ: "اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو") کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہم نے حضورﷺ کی صحبت اٹھائی اور آپؐ کے ساتھ جہاد و قتال میں شریک رہے اور آپ کی مدد کرتے رہے حتیٰ کہ اسلام غالب آ گیا اور مسلمان بھی غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے، آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے۔ اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا، مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا، اور لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی اور نہ مال کی دیکھ بھال کی اور نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ دیں۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی "**ولاتلقو ابایدیکم الی التهلکة ...**" پس جہاد کر چھوڑ کر بال

بچوں اور پیشہ تجارت میں مشغول ہو جانا، یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے (یعنی جہاد چھوڑ کر کاروبار کی طرف مشغول ہونے کی اس کیفیت کو اللہ تعالی نے ہلاکت سے تعبیر کیا ہے۔)''(۱)

اسی طرح کی فدائی کارروائیوں کی بے شمار مثالیں اسلامی تاریخ میں محفوظ ہیں لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جو فدائی کارروائیاں ہمیں ملتی ہیں، ان کا سب کا تعلق پہلی قسم سے ہے دوسری قسم (یعنی خودکش حملوں) سے نہیں۔ کیونکہ ان کارروائیوں میں زندہ بچنے کی بھی امید ہوتی تھی بلکہ اکثر و بیشتر ان کارروائیوں میں فدائی زندہ سلامت واپس لوٹتے تھے۔

علاوہ ازیں ان میں کوئی ایک کارروائی بھی ایسی دکھائی نہیں دیتی جس میں حملہ آور نے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہو بلکہ اس دور میں ایسا خودکش اسلحہ بھی ایجاد نہیں ہوا تھا کہ جس کے ذریعے فدائی کارروائی کرنے والے کی موت یقینی ہوتی۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس دور کا کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں کسی فدائی نے گرفتاری یا کسی اور خوف سے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہو۔ اس لیے ان فدائی کارروائیوں کو دور حاضر کے خودکش حملوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری صورت یعنی خودکش حملہ:

فدائی کارروائی کی دوسری قسم یعنی خودکش حملہ جس میں اپنی ہلاکت کا قطعی یقین ہو، اس کے جواز کے بارے میں وہ فتوی نہیں دیا جا سکتا جو اوپر فدائی کارروائی کے جواز کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ خودکش حملہ مطلق طور پر حرام ہے بلکہ اس کے جواز کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ بھی انتہائی درجے کی۔ اس کی تفصیل سے پہلے

(۱) [ابوداؤد: کتاب الجہاد: باب فی قولہ ولا تلقوا بایدیکم ...(۲۵۱۲) ترمذی: کتاب التفسیر: باب ومن سورۃ البقرۃ...(۲۹۷۲) بحوالہ تفسیر ابن کثیر (ج۱ص۳۱۳)]

خودکشی کی تفصیل اور خودکشی سے بھی پہلے موت کی دعا کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قدرے تفصیل مطلوب ہے۔لہذا ذیل میں یہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

موت کی دعا کرنا حرام ہے مگر..!

خودکش حملوں اور خودکشی سے بھی پہلے موت کی دعا کے بارے میں یہ بات یاد رہے کہ عام حالات میں موت کی دعا کرنا حرام ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

''لایتمنین احدکم الموت ''

''کوئی شخص موت کی تمنا ہرگز نہ کرے'' (۱)

جب کہ دو حالتیں اس سے مستثنیٰ ہیں:

❶ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہادت کی دعا کی جائے جیسا کہ خود نبی اکرمؐ نے شہادت کی دعا اس طرح سے مانگی:

''والذی نفس محمد بیدہ لوددت انی اغزو فی سبیل اللهِ فاقتل ثم اغزو فاقتل ثم اغزو فاقتل '' (۲)

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدا کی جان ہے۔میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں پھر جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں''

اسی طرح بہت سے صحابہ کرامؓ سے شہادت کی دعا مانگنا کتب احادیث میں موجود ہے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد میں کہا: اے سعد! تم اللہ پاک سے دعا کیوں نہیں مانگتے ؟اس کے بعد یہ دونوں ایک گوشہ تنہائی میں

(۱)[بخاری: کتاب المرضیٰ (۵۶۷۱) مسلم (۲۶۸۰)]

(۲)[مسلم، کتاب الامارۃ۔باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللہِ :۱۸۷۶، بخاری، کتاب الجهاد والسیر ،باب الجعائل والحملان]

گئے۔ حضرت سعد نے اس طرح دعا مانگی کہ اے میرے اللہ! جب دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو تو میرے سامنے ایک ایسے شخص کو لا، جو سخت حملہ آور ہو اور بہت ہی ماہر جنگ ہو۔ میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے۔ پھر مجھے اس پر کامیابی کی توفیق عطا فرما کہ میں اسے قتل کردوں اور اس کا سارا مال لے لوں۔ ان کی اس دعا پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے آمین کہی۔

پھر حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے دعا مانگی: اے میرے اللہ! مجھے ایک ایسے شخص سے مقابلہ کی توفیق دے جو سخت حملہ آور ہو اور سخت جنگجو بھی۔ میں تیرے لیے اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر وہ مجھے پکڑے، میری ناک بھی کاٹ دے، میرے کان بھی کاٹ دے۔ جب میں کل روز قیامت تجھ سے ملوں، تو تو پوچھے کہ کس لیے تیری ناک اور کان کاٹے گئے؟ میں عرض کروں کہ تیرے اور تیرے رسول کے لیے میرے ناک اور کان کاٹے گئے۔ تو کہے کہ ہاں تو سچ کہتا ہے۔ حضرت سعد نے آمین کہی۔

حضرت سعد اپنے بیٹے سے کہتے تھے کہ عبداللہ بن جحشؓ کی دعا میری دعا سے بہتر رہی۔ میں نے اسی دن کے آخری حصہ میں دیکھا کہ (اللہ کے راستے میں) ان کی ناک اور کان کٹے ہوئے ایک دھاگے میں لٹکے ہوئے تھے۔"[1]

زید بن اسلم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ یہ دعا کیا کرتے تھے:

"اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک

/اے اللہ! میں تجھ سے تیرے راستے میں شہادت کا سوال کرتا ہوں اور یہ بھی سوال کرتا ہوں کہ مجھے موت تیرے رسول کے شہر میں آئے۔"[2]

❷ اور دوسری حالت وہ ہے جب کوئی مومن فتنوں کا شکار ہو جائے اور زندہ رہنے سے اسے اپنے ایمان کا خطرہ ہو تو پھر وہ موت کی دعا کر سکتا ہے جیسا کہ امام بخاری کے لیے

(۱)[مستدرک حاکم۔۲/۷۶،۷۷۔حلیۃ الاولیاء۱/۱۰۹]

(۲)[بخاری، کتاب المدینۃ(۱۸۹۰)]

جب ایسے حالات پیدا ہوئے تو انہوں نے موت کی دعا کی تھی۔ ایسے حالات میں موت کی دعا کرنے کے جواز کی ایک دلیل یہ حدیث نبویؐ ہے:

"اذا اردتّ فتنة بقوم فتوفني غير مفتون" (یا اللہ! جب تو کسی قوم کے ساتھ آزمائش کا ارادہ کرے تو مجھے اس آزمائش میں مبتلا کرنے سے پہلے ہی موت دے دے)

اسی طرح آپؐ سے مروی ہے کہ موت کی آرزو نہ کرو اور اگر بڑی مجبوری ہو تو پھر (موت کے لئے) یہ دعا کرلو:

اللهم احيني ما كانت الحياة الدنيا خيرا لي وتوفني ما كانت الوفاة خيرا لي (۱)

"یا اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور جب میرے لئے موت ہی بہتر ہو تو اس وقت مجھے موت دے دے۔"

اس حدیث سے بھی اس دوسری صورت کی تائید ہوتی ہے۔

خودکشی اور خودکش حملہ:

موت کی دعا اور تمنا کے بعد اگلا درجہ خودکشی کا ہے۔ خودکشی کے حوالہ سے یہ بات یاد رہے کہ خودکشی کے حرام اور کبیرہ گناہ ہونے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سلسلے میں چند ایک دلائل درج ذیل ہیں:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ان الله كان بكم رحيما﴾ (النساء۔۲۹)

"اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اسی طرح گرتا رہے گا۔ جو شخص زہر پی کر خودکشی

(۱) [بخاری: کتاب المرضیٰ (۵۶۷۱) مسلم (۲۶۸۰)]

کریگا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں زہر پیتا رہے گا۔ جس نے کسی لوہے کے آلہ سے خودکشی کی ہوگی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس آلے سے اپنے آپ کو کاٹتا رہے گا''۔ (۱)

البتہ جس طرح انتہائی مضطرب اور پرفتن حالات میں موت کی دعا حرام ہونے کے باوجود، از راہ اضطرار جائز ہو جاتی ہے، اسی طرح انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں خودکشی، حرام اور کبیرہ گناہ ہونے کے باوجود جائز ہو جاتی ہے مگر وہ بھی صرف اس وقت جب اس کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہ ہو۔ اس لیے خودکش حملہ ایک انتہائی صورت اور مجبوری کا آخری درجہ ہے جسے معمول کی کارروائی ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح اسے فدائی کارروائی (جسے ہم پہلی قسم کے تحت بیان کر آئے ہیں) کے ساتھ مخلط کرنا بھی غلط ہے کیونکہ ان دونوں میں ایک ایسا بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے انہیں ایک ہی زاویہ میں رکھ کر نہیں پرکھا جاسکتا۔ لہذا خودکش حملہ صرف اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ رہے اور اس حملے کا فائدہ بھی یقینی و حتمی ہو۔ اس سلسلہ میں کتب احادیث میں مذکور درج ذیل واقعہ سے بھی راہنمائی ملتی ہے:

''مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا، اس کے ہاں ایک جادوگر تھا۔ جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ رہا ہے، کوئی بچہ مجھے سونپ دو تا کہ میں اسے جادو سکھا دوں۔ چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو (اس کے سپرد کیا گیا اور اسے) وہ تعلیم دینے لگا، لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا تھا، جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا، یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریقہ عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا۔ وہ (بچہ) آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا جس کی وجہ سے

(۱) [(بخاری کتاب الطب. باب شرب السم... (۵۴۴۲) مسلم کتاب الایمان. باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ..... (۲۹۶)]

جادوگر بھی اسے مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ یہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔ ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی۔ راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا، آج جادوگر نے روک لیا تھا۔ یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا، دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا۔

ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست، ہیبت ناک جانور بیٹھا ہوا ہے ،جس نے لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے، ادھر والے ادھر، اور ادھر والے ادھر نہیں آ سکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں، اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کر لوں کہ راہب کا دین خدا کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ خدایا گر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے، پتھر کے لگتے ہی جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ پھر اس نے جا کر راہب کو خبر دی تو اس راہب نے کہا کہ پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے، اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی، اگر ایسا ہو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔

اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادر زاد اندھے، کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی، وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفاء دے دے تو یہ سب تجھے دے دوں گا، اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ میں نہیں، میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے تیرے لیے دعا کروں گا۔ اس نے اقرار کیا، بچے نے اس کے لیے دعا کی، اللہ نے اسے شفا دے دی اور وہ بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا

ہونے سے پہلے کام کرتا تھا،اسی طرح کام کرنے لگا اوراس کی آنکھیں بالکل روشن تھیں۔بادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟اس نے کہا کہ میرے رب نے'بادشاہ نے کہا:ہاں یعنی میں نے'وزیر نے کہا:نہیں!نہیں!! میرااور تیرارب اللہ ہے۔بادشاہ نے کہااچھا تو کیامیرے سوا کوئی اور بھی رب ہے؟وزیر نے کہا:ہاں! میرااور تیرارب اللہ عزوجل ہے۔اب اس نے اس کی مار پیٹ شروع کردی اورطرح طرح کی تکلیفیں اورایذائیں پہنچانے لگااور پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟آخراس نے بتادیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا ہے۔اس نے اس بچے کو بلوایا اورکہا؛اب تم جادو میں خوب کامل ہوگئے ہوکہ اندھوں کودیکھتااور بیماروں کوتندرست کرنے لگ گئے ہو؟،اس نے کہاغلط ہے،نہ میں کسی کوشفادے سکتا ہوں،نہ جادوکسی کوشفادے سکتا ہے،شفااللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔بادشاہ کہنے لگاہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں!اس نے کہا ہرگزنہیں،کہاپھر کیا تو میرے سوا کسی اورکورب مانتاہے؟تو وہ کہنے لگاہاں میرااور تیرارب اللہ تعالیٰ ہے،اس نے اب سے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کردیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگالیاراہب کو بلا کراس نے کہاتو اسلام چھوڑدےاوراس دین سے پھر جا،اس نے بھی انکار کیاتو بادشاہ نے اسے آرے سے چیردیااورٹھیک دوٹکڑے کرکے پھینک دیا۔

پھراس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا،اس نے بھی انکار کیاتو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اوراس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑنے کوکہیں،اگر مان لے تو اچھاورنہ وہیں سے اسے لڑھکادیں۔چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی''اللھم اکفنیھم بماشئت'' خدایا جس طرح چاہو،مجھے ان سے نجات دو،اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلااوروہ سب سپاہی لڑھک گئے،صرف وہ بچہ

بچا رہا۔ وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کیا ہوا۔ میرے سپاہی کہاں ہیں؟ بچے نے کہا: میرے خدا نے مجھے ان سے بچالیا۔ اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور عین سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ، یہ اسے لے کر چلے اور سمندر کے بیچ میں پہنچ کر جب اسے سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ یاالٰہی! جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا! ایک موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے، صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا۔

یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچالیا، اے بادشاہ! تو چاہے تمام تر تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کرسکتا' ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر تو کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی، اس نے کہا کیا کروں؟ لڑکے نے کہا کہ تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر، پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش سے ایک تیر نکال، میری کمان پر چڑھا اور ''بسم اللہ رب ھذا الغلام'' (یعنی اس اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے) کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک، وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا، تیر بچے کی کنپٹی میں لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا، ہر طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے، یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں، دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے۔ ہم نے تو اسی لئے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے!! بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ، ان میں لکڑیاں بھرواور اس میں آگ لگادو، جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور

جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ان مسلمانوں نے صبر وسہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کرلیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے، البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو خدا نے بولنے کی طاقت دی اور اس نے کہا کہ اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔"(۱)

اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسی صورت مین جان کا نذرانہ پیش کیا جا سکتا ہے جس سے اسلام یا مسلمانوں کو مجموعی طور پر فائدہ ہو۔اور بالخصوص جان کی بازی لگانے کے سوا کسی اور صورت میں وہ فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو۔اسی طرح اگر کسی مسلمان کو یہ خدشہ ہو کہ دشمن کے نرغہ میں آنے کے بعد ان کی ایذا دہی، میں برداشت نہیں کر پاؤں گا اور دشمن مجھ سے میری جماعت، قوم اور ملک وغیرہ کے بارے میں ضروری راز اگلوا لے گا، تو اس خدشہ کے پیش نظر، اگر وہ گرفتاری سے پہلے خودکشی کر لے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم!

خودکش حملہ اور بے گناہوں کا قتل :

خودکش حملے کی جس قدر اجازت معلوم ہوتی ہے اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی تاہم خودکش حملہ میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ بے گناہ، معصوم شہری، بچے، عورتیں ، بوڑھے وغیرہ اس حملہ کا نشانہ نہ بنیں۔کیونکہ اسلام ان بے گناہوں کو قتل کرنے کی کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتا سوائے اس ایک صورت کے کہ یہ غیر مقاتلین (یعنی بچے، بوڑھے ،عورتیں وغیرہ) خود بھی کسی طرح لڑائی میں شریک ہوں۔اور اگر ان کی شرکت نہ ہو تو پھر انہیں قتل کرنے سے آنحضرتؐ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے جیسا کہ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں (جہاد اور دہشت گردی میں فرق، کے ضمن میں) اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) [احمد (۶/۱۶-۱۸) مسلم، کتاب الزھد: باب قصۃ اصحاب الاخدود والساحر ۳۰۰۵]

فدائی حملے قرونِ اولیٰ سے تسلسل کے ساتھ ثابت ہیں!

(کتاب وسنت اور تاریخِ اسلامی کی روشنی میں ایک تحقیق آفرین جائزہ ✿)

۔۔۔۔۔آیئے اس سلسلے میں فدائی کارروائیوں کی مختلف صورتیں ملاحظہ کریں:

پہلی شکل: فدائی اپنے آپ کو خطرات میں ڈال کر دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں۔

دوسری شکل: اکیلا شخص بہت طاقتور اور بہت زیادہ عدد والے دشمن پر ٹوٹ پڑے اسطرح سے کہ اس کی اپنی موت یقینی نظر آ رہی ہے۔

تیسری شکل: دشمن کو شدید نقصان پہنچانے کی غرض سے اس پر حملہ کیا جائے۔

چوتھی شکل: صرف اپنی شہادت کو ہدف بنا کر دشمن سے بھڑ جائے اور لڑتا رہے تا کہ دشمن اسے قتل کر دے اور وہ شہید ہو جائے۔

پانچویں شکل: اپنی کسی ایسی ادا کو دکھائے کہ اس سے اس کا رب راضی ہو جائے۔

چھٹی شکل: کسی جہاد سے پیچھے رہ جانے کے کفارہ میں بے جگری سے لڑتا ہوا گھستا ہی

✿ [یہ مضمون ''جماعۃ الدعوۃ'' کے ایک مرکزی راہنما جناب حافظ عبدالرحمٰن مکی صاحب کی تقریر سے ماخوذ ہے جسے ہم جماعۃ الدعوۃ کے نمائندہ رسالے 'مجلۃ الدعوۃ' (مئی ۲۰۰۱) کے شکریہ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ مضمون نگار نے زیادہ تر ان واقعات کو جمع کرنے پر زور دیا ہے جن کا تعلق خودکش حملوں کی بجائے فدائی حملوں سے ہے، تاہم مضمون نگار نے گاہے بگاہے ان دونوں میں فرق واضح کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ مضمون چونکہ کیسٹ سے تیار کردہ ہے اس لئے کہیں کہیں الجھاؤ کے ساتھ اصل موضوع بھی متاثر دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ راقم نے اس نقص پر قابو پانے کی پوری کوشش کی ہے تاہم پھر بھی خودکش حملوں اور فدائی حملوں کی شرعی حیثیت کو سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر اس سے پہلے، گزشتہ مضمون کو بھی پڑھ لیا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔]

چلا جائے اور اپنی شہادت سے کم پر راضی نہ ہو۔

یہ اور اس قسم کی بے شمار صورتیں ''فدایہ'' کہلاتی ہیں۔

اور اس کی مثالیں عہد صحابہؓ میں تواتر سے موجود ہیں۔ہم ایک ایک کر کے ان کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے دنوں کی بات ہے،ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کو آرہے تھے کہ میں اور رباحؓ جو کہ نبی ﷺ کے غلام تھے،ہم دونوں آپ ﷺ کی سواریوں کے یعنی اونٹوں کے ساتھ نکلے۔میرے پاس طلحہ بن عبید اللہؓ کا گھوڑا تھا۔میں اس پر اونٹوں کے ساتھ چل رہا تھا۔ابھی اندھیرا ہی تھا کہ عبدالرحمٰن بن عیینہ نے نبی اکرم ﷺ کے اونٹوں پر حملہ کر دیا۔چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو گھڑ سوار دستہ کے ہمراہ ہانک لیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔سلمۃ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رباح سے کہا کہ اس گھوڑے پر بیٹھ جاؤ اور اسے طلحہ بن عبید اللہؓ کے سپرد کر دو اور نبی کریم ﷺ کو خبر کر دو کہ آپ کے جانوروں (اونٹوں) پر حملہ ہو گیا ہے۔خود میں ایک ٹیلے پر چڑھا۔مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے زور سے تین مرتبہ آواز لگائی یا صباحاہ یا صباحاہ یا صباحاہ۔یہ کرنے کے بعد میں نے اس قوم کا تعاقب کیا۔میرے پاس تلوار اور تیر تھے۔میں نے تیروں سے ان کو نشانہ بنانا شروع کیا۔اور ان کے گھوڑوں کو زخمی کرنے لگا۔جہاں مجھے درختوں کا جھنڈ ملتا،وہیں سے میں ان کو نشانہ بنانا شروع کر دیتا اور حملہ کرتا۔جب بھی کوئی گھڑ سوار میری طرف بڑھتا تو میں درخت کی جڑ میں بیٹھ کر گھات لے لیتا۔پھر تیر مارتا تو جو بھی گھڑ سوار میری طرف آتا،میں اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیتا،تو یوں سب کو تیر مارتا جاتا اور کہتا کہ میں ابن الاکوعؓ ہوں اور آج پتہ چلے گا کہ کس نے ماں کا دودھ پیا ہے۔

سلمہ کہتے ہیں کہ میں بھاگتا جاتا۔وہ اپنی سواری پر ہوتے،میں انہیں تیر مارتا۔میرا تیر ٹھیک نشانے پر لگتا۔میرا دشمن میرے تیر کے زخموں سے اپنے کندھوں بازوؤں کو لپیٹ رہا ہوتا

اور میں کہتا لے پکڑ۔ میں ابن الاکوع ہوں اور آج پتہ چل جائے گا کہ کس نے ماں کا دودھ پیا ہے۔ سلمہ کہتے ہیں کہ میں ان پر درختوں کی اوٹ سے تیروں کی بوچھاڑ کرتا اور جب تنگ درے اور گھاٹیاں ہوتیں تو میں بھاگ کر پہاڑ کی بلندی پر آ جاتا اور پتھروں سے ان پر پتھراؤ کرتا۔ اس حال میں کہ میں اکیلا اور وہ بے شمار، میں ان کا پیچھا کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے ان کو مار مار کر ان کے قبضہ سے نبی اکرم ﷺ کی تمام سواریاں چھڑوا لیں۔ وہ انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ میں ان سے چمٹا ہی رہا اور تیروں سے ان پر بوچھاڑ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے تیس سے زیادہ نیزے اور تیس سے زیادہ کمبل گرادیئے تا کہ بھاگنے مین ان کا وزن ہلکا رہے ۔وہ جو کچھ بھی گراتے ، میں پتھروں سے اس پر نشانی لگا دیتا کہ راستے میں رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں، وہ ان چیزوں کو قبضہ میں لے لیں گے۔

سلمہ کہتے ہیں کہ جب دن خوب گرم ہو گیا اور میں ان کا تعاقب کر رہا تھا کہ عیینہ بن بدر الفراری کافروں کے لئے مدد لے کر آ گیا۔ وہ ایک تنگ گھاٹی میں تھے۔ میں پہاڑ کی بلندی پر آ گیا اور عین، ان کے اوپر ہو گیا۔ اتنا صاف اور واضح کہ عیینہ نے مجھے دیکھا اور کہا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ تو اس کے لوگ اسے کہنے لگے کہ اس آدمی سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔ اس نے صبح سحری کے وقت سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا اور ہماری ہر چیز لے لی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ ضرور اس کو اپنے پیچھے سے اپنے ساتھیوں کی مدد نظر آ رہی ہے۔ ورنہ یہ تمہارا تعاقب کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ پھر اس نے چار لوگ میری طرف نکالے کہ وہ مجھے پکڑیں۔ اب وہ چاروں پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ جب وہ اتنے قریب آ گئے کہ میری آواز سن سکیں تو میں نے ان سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کہنے لگے تم کون ہو؟ میں نے کہا، ابن الاکوع۔ اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے محمد ﷺ کے چہرے کو عزت بخشی ہے۔ تم میں سے کوئی بھی مجھے پکڑ نہیں سکتا اور میں تم میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ یہ ہو رہا تھا کہ میری نظر رسول اللہ ﷺ کے گھڑ سواروں پر پڑی جو کہ درختوں

کے جھنڈ سے نکل رہے تھے۔ سب سے آگے اخرم اسدی تھا، اس کے پیچھے ابو قتادہ (فارس الرسول) ان کو دیکھ کر میں پہاڑ سے اتر پڑا اور اخرم کے گھوڑے کی لگام تھام کر کہا، اے بھائی اخرم! دشمن سے محتاط رہ اور جلدی نہ کر۔ مجھے ڈر ہے کہ تو اکیلا ان سے بھڑ گیا تو وہ تجھ پر ہجوم کر دیں گے۔ رک جا انتظار کر حتی کہ رسول اللہ ﷺ اور ساتھی آ جائیں۔ سلمۃ کہتے ہیں کہ اخرم نے جواب دیا کہ اے سلمۃ اگر تو اللہ پر اور آخر پر ایمان رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ جنت اور دوزخ حق ہیں تو میری شہادت کی راہ میں حائل نہ ہو، مجھے اکیلے حملہ کرنے سے نہ روک۔ تب میں نے اخرم کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔ اخرم نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور عبدالرحمٰن بن عیینہ کے دستے پر جا پڑا۔ عبدالرحمٰن نے مڑ کر اخرمؓ پر حملہ کیا۔ دونوں کے وار ٹکرائے۔ اخرم نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو زخمی کر دیا مگر عبدالرحمٰن نے جوابی وار سے اخرمؓ کو شہید کر دیا اور ان کے گھوڑے پر قبضہ کر لیا، اتنے میں ابو قتادہؓ نے جھپٹ کر عبدالرحمٰن بن عیینہ پر حملہ کر دیا۔ دونوں کے وار کی جھنکار گونجی، عبدالرحمٰن بن عیینہ نے ابو قتادہؓ کو زخمی کر دیا لیکن ابو قتادہؓ خوب شہہ سوار تھے اور بہادر تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو قتل کر کے اخرمؓ کا گھوڑا اس سے چھین لیا اور اس پر سوار ہو گئے۔ اتنے میں مشرکین بھاگ نکلے اور میں پھر ان کے تعاقب میں لگ گیا۔ اور ہم بہت دور نکل گئے اتنے دور کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھیوں کا غبار بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

سلمہ کہتے ہیں کہ اتنے میں غروب آفتاب قریب ہو گیا تھا کہ مشرکین ایک گھاٹی میں جس کا نام ذوقرد ہے، اترے اور پانی پینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ وہ پانی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں سورج غروب ہو گیا۔ میں نے ایک آدمی کو اوپر تلے تاک کر دو تیر مارے تو دونوں اس کے بدن میں کھب گئے، مشرکین شکست خوردہ بھاگ نکلے۔ دو گھوڑے بھی چھوڑ گئے۔ میں دونوں گھوڑوں کو ہانکتا ہوا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ ذوقرد کے پانی پر تشریف فرما تھے۔ آپ

کے ہمراہ پانچ سو اصحاب تھے۔ جو اونٹ میں نے کفار سے واپس لے کر چھوڑے تھے، ان میں سے ایک کو ذبح کر کے بلالؓ اس کی کلیجی وغیرہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے بھون رہے تھے۔ میں نے آ کر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے اصحاب میں سے ایک سو صحابیوں کو منتخب کر کے رات کو کفار پر حملہ کروں اور ان میں سے ہر شخص کو قتل کر دوں۔ اس پر آپ ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ ﷺ کی داڑھیں مبارک تک ظاہر ہو گئیں۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جس سے بہت سی باتیں واضح ہوتی ہیں۔ اس میں اس بات کو جواز ہے کہ ایک شخص تنہا بہت بڑے دشمن پر حملہ کر سکتا ہے۔ خواہ اس میں اس کی اپنی جان کا سو فیصد ہی خطرہ کیوں نہ ہو؟ اگر چہ اس بات کا یقین ہو کہ وہ خود قتل ہو جائے گا کیونکہ اس طرح اسے شہادت ملے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلمہ بن اکوع جن لوگوں سے دن بھر جنگ کرتے رہے، وہ بڑے عدد کا جتھہ تھا، بہت لوگ تھے۔ کیونکہ شام کو سلمہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایک صد آدمی مانگا تاکہ ان پر بھرپور حملہ کر سکے۔ یہ صراحتاً اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ اور اس میں سلمہ کی موت یا ہلاکت یقینی تھی مگر رسول اللہ ﷺ اور جلیل القدر صحابہ میں سے کسی نے بھی سلمہ بن اکوع کے اس عمل پر انکار نہیں کیا کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا یا خودکش حملہ ہے۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ سمیت تمام صحابہ نے اس واقعہ پر ابو قتادہ اور سلمہ بن اکوع کو شاباش دی اور فرمایا:

"خیر فرساننا الیوم ابو قتادة وخیر رجالنا سلمه"

"آج کے دن بہترین سوار ابو قتادہؓ اور بہترین پیدل سلمہ بن اکوعؓ ہیں"

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ یہ فدائی عمل مستحب، افضل اور اولیٰ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ابو قتادہؓ اور سلمہ بن اکوع کی مدح سرائی کی اور ان کے عمل کو سراہا اور سلمہ بن اکوع کو سوار اور پیدل دونوں کا حصہ بھی غنیمت سے دیا۔ جبکہ ان دونوں نے اکیلے اکیلے

دشمن پر حملہ کر دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی آمد کا انتظار بھی نہ کیا تھا۔

فدائی نوعیت کا یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ اس طرح کے واقعات تو اس کثرت سے ہوئے اور اتنے فدائی نکلے کہ اہل اسلام کے ماتھے کا جھومر یہی فدائی بن گئے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ میں اس عمل جلیل کی بہت سی امثلہ موجود ہیں۔

بخاری شریف میں براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک ؓ کو ابو رافع یہودی سردار کے قتل کے لئے بھیجا اور اسی طرح محمد بن مسلمہ ؓ کی مثال جو بخاری میں ہے، جس میں نبی نے اپیل کی، فرمایا من لی للکعب ؟ کون ہے جو کعب بن اشرف کو میرے کہنے پر قتل کرے گا؟ سو نبی نے فدائی، محمد بن مسلمہ کو بھیجا۔ فدائی کارروائی عمل میں آئی ۔فدائی نے قلعہ کے اندر گھس کر درجنوں پہرے داروں کے اندر سے دشمن کو کھینچ نکالا۔ قتل کیا، اور مسئلہ حل کر دیا۔ فدائی عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر دشمن پر وار کرے مصلحت واحتیاط کو بالائے طاق رکھے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دشمن پر جھپٹے۔ کام مکمل کرے اور لڑتا بھڑتا وہاں سے نکلے۔ شہادت پا جائے تو اللہ کا مال، واپس آ جائے تو ہر چند نہال!!

جنگ احد کی بھی ایسی ہی مثال ہے۔ کفار نے رسول اکرم کے گرد گھیرا تنگ کیا، زور بڑھایا، ان کا خیال تھا کہ اگر وہ نبی اکرم پر (معاذ اللہ) بھرپور وار کر لیتے ہیں تو ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ سو وہ چڑھتے ہی آ رہے تھے کہ رسول اللہ نے آواز دی:

”من یردھم ناولہ الجنۃ اوھو رفیقی فی الجنۃ“

”کون خطرہ کی اس گھڑی میں ان کافروں مشرکوں کو ہم سے دور بھگائے گا اور قیمت میں جنت پائے گا؟

فدائی آگے بڑھے۔ شہادت پر شہادت ہوئی مگر نبی اکرم کی حفاظت کی۔

جنگ جسر میں ابوعبیداللہ ثقفی ؓ نے بڑے ہاتھی فیل ابیض پر حملہ کر دیا کیونکہ اس نے

دیکھا کہ ہاتھی کو کوئی علاج نہیں بن رہا تو اس نے آگے بڑھ کر اس متحرک دیو کی سونڈ کاٹ دی اور اور اسی میں شہادت پائی۔

جنگ قادسیہ میں جب مسلمانوں کے گھوڑے اور اونٹ ہاتھیوں سے بدکے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے بنوزبید سے مدد مانگی کہ ہاتھیوں کا کچھ کرو۔ عمرو بن معدیکرب الزبیدی نے اپنے فدائیوں سمیت ہاتھیوں پر حملہ کر دیا۔ دائیں بائیں سے دو نیزے تراز و کر کے ہاتھی کی دونوں آنکھوں میں اتار دیئے اور سامنے سے سونڈ پر تلوار ماردی۔ یوں تین تین فدائی ایک ایک ہاتھی کو گھیرے میں لے کر حملہ کر رہے تھے اوپر سواریوں میں سوار ایرانی تیرانداز تیر برسا رہے تھے مگر تیروں کی اس بارش میں اور ہاتھیوں کی اس خوافناک چنگھاڑ میں فدائی اپنا کام کر گئے۔ سونڈ کٹنے اور آنکھیں زخمی ہونے سے ہاتھی اپنے ہی لشکر پر چڑھ گئے سینکڑوں ایرانی ہاتھیوں کے قدموں تلے روندے گئے۔ ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

فداویہ کا یہ عمل مسلسل مسلم امہ کی تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ جب کبھی جہاد کا کوئی جھنڈا بلند ہوا ہے، فدائیوں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ہاتھوں اور کاندھوں پر اٹھایا۔ ایام صحابہ ہی نہیں، بعد میں بھی بلکہ ہمیشہ ہی ایسے فدائی ظاہر ہوتے رہے جو اسلام اور اہل اسلام پر پروانہ وار فدا ہوئے، خطرات سے کھیلے اور مشکل سے مشکل ھدف کو حاصل کیا۔ صرف شہادت کے لئے وہاں وہاں کود گئے جہاں جہاں موت کا گھر ہو، شہادت یقینی ہو۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی فدائی نے کبھی اپنے آپ کو خود نہیں مارا نا کوئی ایسا ایکشن نہیں کیا جس سے وہ خود آگ یا بارود وغیرہ میں کود پڑے ہوں۔ البتہ دشمن سے لڑنے ، جنگ کرنے خفیہ ٹھکانوں پر حملے کرنے دشمن کی فوج صفوں یا کیمپوں میں کود جانے ، اس کے سرداروں یا بادشاہوں کے محلوں اور مضبوط پناہ گاہوں میں گھس کر ان کو مار دینے ، ایک آدمی کے ایک ہزار سے زیادہ دشمن پر حملہ کر دینے ، ان سب کی مثالیں قرون اولیٰ سے بکثر

ت ملتی ہیں اور کسی نے اسے خودکش عمل قرار نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس محدثین نے اس کو مباح و مستحب قرار دیتے ہوئے اس پر باب باندھے اور حدیثیں لائے ہیں چنانچہ امام بیہقی "سنن الکبریٰ (۹:۹۹) میں لکھتے ہیں:

"باب جواز انفرار الرجل او الرجال بالغزو فی بلاد العدو استدلالا بجواز التقدیم علی الجماعة وان کان الاغلب انها ستقتله"

"باب: ایک اکیلے آدمی یا کچھ آدمیوں کا دشمن کے ملک کے اندر گھس کر ان پر حملہ کرنے کا جواز، اگرچہ غالب ظن یہ ہو کہ دشمن کی جماعت اسے قتل کر دے گی۔"

یہ باب کا عنوان ہے۔ اس کے تحت امام بیہقیؒ نے مجاہد سے روایت کیا ہے:

"بعث رسول الله عبدالله بن مسعود وخبابا سرية وبعث دحية بن خليفة الكلبی سرية وحده "

"کہ نبی اکرم نے عبداللہ بن مسعودؓ اور خبابؓ کو ایک جنگی مہم پر بھیجا۔ اور نبی اکرم نے دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو اکیلے جنگی مہم پر بھیجا۔"

امام بیہقی مزید فرماتے ہیں کہ

"بعث رسول الله عمرو بن امية ورجلا من الانصار سرية وبعث عبدالله بن انيس سريه وحده "

"کہ رسول اللہ نے عمرو بن امیہؓ اور ایک انصاری صحابی کو ایک جنگی مہم پر بھیجا اور یہ کہ رسول اللہ نے عبداللہ بن انیسؓ کو اکیلے ایک جنگی مہم پر بھیجا"

واضح ہو کہ نبی اکرم نے عبداللہ بن انیس کو ایک کافر سردار خالد بن سفیان بن نبیح کے قتل پر مامور کرتے ہوئے فرمایا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ خالد بن سفیان میرے خلاف فوج جمع کر رہا ہے تا کہ میرے ساتھ جنگ کرے۔ **فاته فاقتله** تم اس کے پاس جاؤ اور اسے قتل کر دو۔ اور یہ عین اس کی فوج کے اندر گھس کر فدائی کارروائی کرنا تھی۔ یہ حدیث مسند احمد

میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔امام حاکم نے (مستدرک ۲:۲۷۵،۲۷۶) میں براء بن عازب کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"قال رجل للبراء بن عازبؓ ان حملت علی العدو وحدی فقتلونی اکنت القیت بیدی الی التهلکة قال لا فان الله یقول فقاتل فی سبیل لا تکلف الا نفسک"

''ایک شخص نے براء بن عازبؓ صحابی سے سوال کیا۔اگر میں اکیلا دشمن پر حملہ کردوں تن تنہا اور وہ مجھ کو قتل کردیں،تو کیا می نے اآپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے؟ براء بن عازبؓ نے جواب دیا۔نہیں اور دلیل پکڑی اس آیت سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم قتال دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے نبی محمد ﷺ آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے۔آپ اپنی جان پر جہاد کے مکلّف ہیں''۔

مستدرک حاکم کی ایک روایت میں ہے:

"ان الرجل قال للبراءؓ هو الرجل يحمل على الكتيبة وهم الف والسيف بيده فيكون قد القى بيده الى التهلكة"

''ایک آدمی نے براء بن عازبؓ سے پوچھا کہ کیا وہ شخص جو اکیلا ایک ہزار کے لشکر پر حملہ کردے اور اس کے ہاتھ میں تلوار ہو تو کیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔تو انہوں نے فرمایا نہیں۔''

اسی طرح امام بیہقیؒ براء بن مالکؓ کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''براء بن مالکؓ معرکہ یمامۃ میں شریک ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ اس باغ پر حملہ کیا جس مین مسیلمہ کذاب پناہ لئے ہوئے تھا اور اس باغ کے گرد معرکہ بہت شدید ہوا تھا۔

"وطلب البراء من اصحابه ان يحملون فی قرس علی الرماح وان يلقوه على الكفار من فوق السور وصار داخل الحديقة وحده .وقاتل

الکفار قتالا شدیدا وقتل من عشرة وتمکن جرحا ولم یذکر علیه فعله احد من الصحابةؓ "

''امام البیہقیؒ لکھتے ہیں کہ براء بن مالکؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے ڈھال کے اوپر بٹھا کر ڈھال کو نیزوں پر بلند کرو۔ اور فصیل کے اوپر سے مجھے دشمن کے اندر پھینک دو۔ اور اس طرح سے براءؓ دشمن کے اندر اکیلے رہ گئے۔ وہاں خوب قتال کیا۔ دس کافروں کو قتل کیا۔ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے اور ۸۰ سے اوپر زخم کھائے۔ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔'' (یعنی کسی صحابی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ تو اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا خودکشی ہے۔)

متقدمین کے ہاں، علماء اور عوام، دونوں کے ہاں ایسی کوئی الجھن نہ تھی کہ وہ اس قسم کی ائی کارروائیوں پر شک وشبہ رکھتے ہوں یا خودکشی کا گمان کرتے ہوں بلکہ بڑے بڑے نہ اور علماء اس کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے جواز کے فتاویٰ صادر فرماتے تھے۔

چنانچہ امام ابوحامد الغزالیؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب احیاء علوم الدین میں لکھتے ہیں:

"لاخلاف فی انه یجوز للمسلم الواحد ان یهجم علی صف الکفار ان یقاتلهم وان علم انه یقتل"

''کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک اکیلے مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ اکیلا کافروں کی پوری صف پر حملہ کرے اگرچہ اسے یقین ہو کہ وہ اس حملہ میں قتل کر دیا جائے گا۔ یعنی وہ خود بچ نہیں سکے گا۔'' پھر فرماتے ہیں:

"وانما جازله الاقدام اذا علم انه لایقتل حتی یقتل او علم انه یکسر قلوب الکفار بذالک جاز ذلک لانه به یکسر شوکة الکفر بمایشاهدون عن جرأته یعتقدون فی سائر المسلمین حبهم للشهادة فی سبیل الله وعدم خوفهم من الجهاد والقتل فی سبیل الله "

''کہ ایک اکیلے مسلمان کا حملہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے علم و یقین بھی ہو کہ وہ قتل نہیں کر سکے گا جب تک خود قتل نہ وہ یعنی اگر وہ مارے گا، حملہ کرے گا تو وہ بھی یقیناً قتل کر دیا جائے گا اسے یہ یقین ہو کہ وہ اپنے اس حملہ کے ذریعہ سے کفار کے دلوں کو توڑ دے گا، ہمتوں کو پست کر دے گا تو اس کے لئے اکیلے ہی حملہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس طرح کے فدائی حملہ سے وہ کفار کی شوکت وقوت کو توڑ دے گا۔ جب وہ اس کی غیر معمولی جرات وبہادری کا یہ منظر دیکھیں گے کہ وہ اکیلا مسلمان ہی پورے لشکر سے بھڑ گیا ہے اور اس طرح تمام مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اعتقاد پختہ ہوگا کہ یہ سب کے سب شہادت کی محبت میں غرق ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ میں قتل ہونے سے ڈرتے نہیں ہیں تو جائز ہے''۔

اللہ اکبر۔ فدائیوں کے حق میں فتاویٰ صادر کرتے ہوئے ابن النحاس الدمشقی لکھتے ہیں:

"نقل النووی اتفاق العلماء علی انغماس المجاهدفی الکفار وعلی التعرض للشهادة فلاشک فی ان ذلک جائز وانه لاکراهیة فیه"

''امام نووی نے علماء کا اتفاق اس مسئلہ پر نقل فرمایا ہے کہ مجاہد کفار کے لشکروں کے اندر گھس جائے اور صرف شہادت کے لیے ٹکرائے۔ فرماتے ہیں۔ بلاشک یہ جائز ہے اور اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔''

اور سبحان اللہ! امام شافعیؒ مبارزت کو اسی باب میں شامل رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"وقد بورر بین یدی رسول الله وحمل رجل من الانصار حاسرا علی المشرکین یوم بدر"

''نبی کی آنکھوں کے سامنے مبارزت ہوئی ہے۔ یعنی للکار کر مقابلے ہوئے ہیں اور ایک انصاری صحابیؓ نے ننگے بدن یعنی بغیر زرہ کے جنگ بدر کے دن مشرکین پر حملہ کیا تا کہ اسے شہادت نصیب ہو۔''

ایک اکیلے آدمی کا جب شہادت میں، یا کفار کو ڈرانے اور نقصان پہنچانے، یا صرف ان

کے لشکر کی ترتیب اور صف بندی کو تتر بتر کرنے اور ان کے میمنہ، میسرہ اور قلب وساقہ کو خلط ملط کرنے کے لئے تن تنہا پورے لشکر پر ٹوٹ پڑنا تو صحابہ کی ایسی روایت ہے کہ رومی اور ایرانی لشکر ہمیشہ ہی اس وار سے ڈرا کرتے تھے۔ اور مسلمانوں سے کتراتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی اس پر عمل کر کے جنگ کے طبل پر چوٹ پڑنے سے ہی ان کی صفوں کو پھاڑ کر رکھ دیتے تھے بلکہ بار بار یہی عمل دہراتے تھے اور کوئی بھی ان پر خودکشی یا القاء الید فی التہلکة کا اعتراض نہ کرتا تھا۔

ابن ابی شیبہ اپنی مصنف (۵:۳۰۳) میں ایک روایت لائے ہیں کہ

"قال جائت كتيبة من كتائب الكفار من قبل المشرق فيقيم رجل من الانصار فحمل عليهم فخرق الصف حتى خرج ثم كرر راجعا صنع ذلک مرتين اور ثلاثا "

"مشرق کی طرف سے کفار کے لشکروں میں سے ایک دستہ آیا تو ایک انصاری ان کو ملا۔ اور اس نے ان کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ان کی صف کو چیر گیا یہاں تک کہ دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔ پھر پلٹتا ہوا لشکر کی صفوں کو تتر بتر کیا۔"

"قال كنا بمدينة الروم فاخرجوا الينا صفا عظيما من الروم فخرج اليهم من المسلمين مثلهم او اكثر وعلى اهل مصر عقبة بن عامر وعلى الجماعة فضاله بن عبيد فحمل رجل من المسلمين على الصف الروم حتى دخل بينهم فصاح الناس وقالوا سبحان الله يلقى بيده التهلكة فقال ابو ايوب الانصارى فقال ايها الناس انكم لتاولون هذا التاويل الخ "

"اسی طرح ترمذی، ابوداؤد حاکم اور ابن حبان نے اسلم بن یزید النیجبی سے روایت کیا ہے کہ ہم روم کے کسی شہر میں تھے غزوہ میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر ہماری طرف نکالا تو اتنے ہی مسلمان بھی مقابلہ کو نکلے۔ مسلم لشکر کی ترتیب یوں تھی کہ اہل مصر پر عقبہ بن عامرؓ اور باقی لوگوں پر فضالہ بن عبید امیر کمانڈر تھے تو مسلمانوں سے ایک آدمی نے رومیوں کے لشکر پر

حملہ کر دیا اور ان کی صفوں میں گھس گیا تو لوگ پکار اٹھے سبحان اللہ۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ تو ایوب انصاریؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ''اے لوگو! تم اس آیت کی تاویل کرتے ہو، یعنی غلط معنی مراد لیتے ہو۔ ہلاکت تو غزوہ کو ترک کر دینا ہے۔''

امام عبداللہ القرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اختلف العلما فی اقتحام الرجل فی الحرب وحمله علی العدو وحده''

''علماء کا اختلاف ہے کہ آدمی جنگ میں کود پڑے اور اکیلا ہی دشمن پر حملہ کر دے۔۔۔''

پھر علما کے اقوال نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''فقال القاسم بن مخیمرة والقاسم بن محمد وغیرهما من علمائنا: لاباس ان یحمل الرجل وحده علی الجیش العظیم اذا کان فیه قوة وکان لله بنیة خالصة''

''قاسم بن مخمرۃ اور قاسم بن محمد اور ان کے علاوہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کہ ایک اکیلا شخص ایک بڑے لشکر پر تنہا ہی حملہ کر دے اور اگر اس کی نیت خالص اللہ کی رضا کا حصول ہو اور اس میں اس حملہ کی قوت بھی ہو۔''

''وقیل اذا طلب الشهادة وخلصت النیة فلیحمل علی العدو لان مقصوده واحد منهم''

''اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کی طلب شہادت نیت خالص اللہ کے لیے ہو تو حملہ کر ڈالے کہ یہی اسکا مقصود ہے۔''

''وقال ابن خویز منداد: فاما ان یحمل الرجل علی مائة او جماعة اللصوص اوجملة العسکر فان علم وغلب علی ظنه انه سیقتل من حمل علیه وینجو فحسن وکذلک لو علم وغلب علی ظنه انه سیقتل ولکن

سینکی فی العدو نکایة او یؤثر فیهم اثرا ینتفع به المسلمون جائز ایضا"

''ابن خویز منداد کہتے ہیں اگر ایسی صورت شکل بنے کہ ایک آدمی ایک سو پر حمل کردے یا چوروں کی جماعت یا گروہ پو حملہ کرے یا بڑے لشکر پر اکیلا ہی حملہ کردے ان تمام صورتوں مین اگر اسے علم ہے اور ظن غالب ہے کہ جس پر وہ حملہ کرے گا، اسے قتل کردے گا اور خود بچ جائے گا تو بہتر ہے اسی طرح اگر اسے یقین ہے کہ وہ خود قتل ہو جائے گا لیکن اس کے حملہ سے دشمن کا بہت زیادہ نقصان ہو جائے گا اور وہ دشمن پر ایسا یا اثرات چھوڑے گا جس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا تو جائز ہے۔''

"وقال محمد بن الحسن لو حمل رجل واحد علی الف رجل من المشرکین وهو وحده لم یکن فی ذلک باس اذا کان یطمع فی نجاة او نکایة فی العدو فان کان قصده تجرئة المسلمین علیهم لیصنعو ا مثل صنیعه فلا مانع بن ذلک لان فیه نفعا للمسلمین علیهم کذلک یجوز ان کان قصده ارهاب العدو لیعلم صلابة المسلمین فی الدین و ان تلف النفس العزاز دین الله و اضعاف الکفار مقام عظیم شریف مدح الله به المسلمین فی قوله ان الله شتری من المؤمنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة "

''محمد بن (شیبانی) کہتے ہیں کہ: اگر ایک مسلمان ایک ہزار مشرکین پر اکیلا ہی حملہ کردے تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ نجات کی امید رکھتا ہو یا اسے حملہ میں دشمن کے زبردست نقصان کی امید ہو۔ اگر اس کا ارادہ یہی ہو کہ اس کے اکیلے فدائی حملہ کر دینے سے مسلمانوں میں جرأت وہمت بڑھے گی اور وہ بھی اس طرح دلیرانہ حملہ کریں گے تو اس فدائی حملہ میں کوئی مانع نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کا نفع مضمر ہے۔ اسی طرح اگر اس کا قصد اس فدائی حملہ سے دشمن کو خوفزدہ کرنا ہی ہوتا کہ دشمن کو مسلمانوں کی اپنے دین سے محبت اور دین پر سختی معلوم ہو جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اور بے شک اپنے نفس کو قربان

کرنا اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اور کافروں کو کمزور کرنے کے لیے ایک نہایت حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ " بے شک اللہ نے مومنین سے ان کے مالوں اور جانوں کے بدلے جنت کا سودا کرلیا ہے۔"

ابن سیرین کہتے ہیں کہ براء بن مالک بیماری کی تکلیف میں تھے۔ اوندھے لیٹ کر کراہ رہے تھے کہ انس بن مالک نے کہا بھائی اللہ کا ذکر کرو۔ وہ سمجھے کہ شاید آخری وقت ہو تو براء بن مالک فوراً جھٹکے سے اٹھ بیٹھے اور جوش میں آ کر کہنے لگے کہ اے انس میرے بھائی میں اپنے بستر پر نہیں مروں گا۔ میں نے تو ایک سو مشرکوں کو مبارزۃً قتل کیا ہے اور پھر اسی یقین پر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم فدائی کو شہادت کی موت عطا کی۔ تستر شہر میں ایرانیوں کو شکست دے کر شہادت حاصل کی۔ اسی طرح سلمان بن ربیعہ الباھلیؒ کہتے ہیں کہ

"قتلت بسیفی ھذا مائۃ مستلئم کلھم یعبد غیر اللہ ما قتلت منھم رجلا صبرا"

"سلیمان ربیعہؒ بہت بڑے فدائی تھے کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار سے ایک سو ایسے آدمی قتل کئے ہیں جو کہ خود اور زرہ پہنے ہوئے تھے اور سب غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، مشرک تھے۔ میں نے ان کو بھرپور مقابلوں کے بعد قتل کیا ہے کسی کو بھی باندھ کر قیدی بنا کر قتل نہیں کیا۔"

حافظ ابوالحجاج المزیؒ نے علاء بن سفیان الحضرمی سے روایت کیا ہے:

"قال غزا بسر بن ارطاۃ الروم وصار الروم یکمنون لساقۃ الجیش المجاھد ویصیبون منہ ولما رای بسر بن ارطاۃ ذلک اخذ معہ مائۃ من اصحابہ وراح یبحث عن الکمائن الرومامیۃ وانفرد یوما فی بعض اودیۃ الروم ورای فی الوادی کنیسۃ ورای نحو ثلاثین برذونا مربوطۃ بجانب

الـكـنيسة وكـان فـرسـان تلك البراذين داخل الكنيسة وهم الذين كانو يـكـمنون الكمائن للمسلمين ...توجه بسربن ارطاة نحو الكنيسة ونزل عـن فـرسـه وربـطـه وبجانب البراذين ثم دخلالكنيسة واغلق عليه وعلى الفرسان باب الكنيسة وعجب فرسان الروم من اغلاق الباب وجوجئوابه يهـجـم عـليهـم ومـا ان اخـذو اسـلاحهـم حتـى كـان قد قتل منهم ثلاثة واشتبک مـعهم ....وفقده اصحابه وبحثو اعنه ورا وافرسه عند الكنيسة فتـوجهـونـحـوهـا وسـمـعوا الـجـلبة وصـوت الـسـلاح فـی الـكـنسية وارادوالـدخـول لكن بابها مغلق من الداخل فقلعوابعض السقف ثم نزلوا عـليهـم ...ورا واقـائـدهـم مـمـسـكـا بـطائفة من امعائه بيده اليسرى وهو يـقـاتـلهـم بـالسيف بيده اليمنى .ولما دخل اصحابه الكنيسة سقط بسر مـغشيـا عليه وتغلب المسلمون على فرسان الروم فقتلوا بعضهم واسروا البـاقيـن وقـال الاسـرٰی الـروم لـلمسلمين .ننشدكم بالله من هذا الرجل الذی هجم علينا وحده وقاتلنا؟قالو:هذا بسربن ارطاة قالو:والله ماولدت النسـاء مثلـه وردوا أمـعـائـه فـی جـوفـه ولـم يـنخرق منه شئ ثم عصبوه معمائهم وبعد ذلک خاطوا بطنه فسلم وعوفی واستئانف الجهادؒ "

" کہتے ہیں کہ بسر بن ارطاۃؓ رومیوں سے برسر پیکار تھے کہ رومی کافر، مجاہدین کے لشکر کے ساقہ یعنی پچھلے حصہ پر گھات Ambush لگانے لگے یعنی پچھلے حصہ لشکر پر چھپ کر حملہ کرتے، نقصان پہنچاتے اور غائب ہو جاتے۔ جب بسر بن ارطاۃؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو اپنے میں سے ایک سو کے قریب مجاہدوں کو لے کر Anti Ambush پر نکل کھڑے ہوئے۔ کسی روز روم کی کسی وادی میں تنہا تھے کہ ان کی نظر وادی میں ایک گرجا پر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں، تقریباً تیس ؒ کے قریب خچر گرجا کے گرد بندھے ہیں اور ان خچروں کے سوار

گرجا کے اندر پناہ گزین ہیں یہی وہ Ambush Team کے لوگ تھے۔ یہ دیکھ کر بسرؓ گرجا کی طرف بڑھے۔ اپنے گھوڑے کو کافروں کے خچروں کے قریب باندھا۔ گرجا میں جا گھسے۔ اکیلے تن تنہا اوررومی تیس کے قریب۔ یہی نہیں کہ اکیلے اندر جا کر دروازہ، پھاٹک اندر سے بند کرلیا اوررومی کافروں پر حملہ کردیا۔ رومی اچانک افتادہ حملہ سے گھبرا اٹھے اور متعجب بھی ہوئے کہ اس مسلم کمانڈر کی نیت کیا ہے جو اس نے اندر سے بھی دروازہ بند کرلیا ہے۔ فدائی کی پھرتی تو دیکھو ابھی رومی اپنا اسلحہ اٹھا بھی نہ پائے تھے کہ بسرؓ نے انکے تین آدمی قتل کردئے اور باقیوں سے بھر گئے۔ گھوم گھوم کر چومکھا وار کرنے لگے۔۔۔

ادھر پیچھے ساتھیوں نے تلاش شروع کردی۔ ان کو بھی گرجا اور گرجا کے گرد بسرؓ کا گھوڑا اوررومیوں کے خچر دیکھ کر معاملہ سمجھ آ گیا اوروہ گرجا کے اندر سے اسلحہ کی جھنکار اورلڑائی کی آواز سن رہے تھے مگر دروازہ اندر سے بند ہونے کے باعث داخل نہ ہو سکتے تھے۔ سوچھت پھاڑ کر اندر اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ انکا قائد، کمانڈر، فدائی بسر بن ارطاۃ اس حال میں ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی انتریاں پکڑ رکھی ہیں اور دائیں ہاتھ سے تلوار گھماتا ہوا رومیوں سے قتال کررہا ہے۔ اللہ اکبر! گرجا کا دروازہ اندر سے بند کرکے اکیلا بسرؓ ۳۰ کے قریب رومیوں کافروں سے لڑتے ہوئے اپنی جنت ڈھونڈ رہا ہے۔ رومی Ambush پارٹی کا خاتمہ کررہا ہے۔ یہ ہے Anti Ambush بسر بن ارطاۃؓ اپنے ساتھیوں کے پہنچنے پر غشی کھا کر گر پڑے۔ ساتھیوں نے بقیہ رومیوں کو قتل وقید کیا۔

قیدی رومی بسرؓ کے ساتھیوں سے پوچھنے لگے، تم کو اللہ کی قسم ہے بتلاؤ کہ یہ آدمی کون ہے۔ جس نے اکیلے ہم پر حملہ کیا اور ہم سے جنگ کی۔ ساتھیوں نے بتلادیا کہ یہ ہمارا امیر بسر بن ارطاۃؓ ہے۔ کہنے لگے اللہ کی قسم! ماؤں نے اس جیسا جوان پیدا ہی نہیں کیا، رومیوں سے نمٹ کر ساتھیوں نے بسرؓ کی انتریاں سمیٹ کر اندر ڈالیں۔ اتفاق سے انتڑیاں کٹی نہیں تھیں۔ پھٹے پیٹ کو پگڑیوں سے باندھا، لے جا کر بسرؓ کا پیٹ سی دیا اللہ تعالیٰ نے بسرؓ کو بچالیا۔ صحت بحال ہوگئی تو بسرؓ دوبارہ جہاد میں شریک ہوگئے۔"

سبحان اللہ فدائیت موت نہیں، ایک جہادی شان ہے۔ اللہ سے پیار اور دین اسلام پر دیوانہ وار قربانی کی ایک شکل ہے۔ مگر جیسے ہم ہر عمل میں سلف کی سنت وطریقہ کو لازم پکڑتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں ، اس مسئلہ میں بھی ہمیں سلف صالحین ، شہدا، مجاہدین کی سنت وطریقہ کو ملحوظ رکھنا ہے۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو صلیبیوں سے خلاف جو عظیم کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں، ان کا سہرا انہی فدائیوں کے سر ہے۔ اس میں مثالی فدائیت کا دخل ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے پاس جو سب سے بڑی قوت تھی، وہ اس کے فدائی ہی تو تھے جن کی دہشت سے جرمنی ، آسٹریا اور انگلستان کے ہنری، فریڈرک اور رچرڈ شیر دل، گیدڑ بن گئے تھے۔ اور یہ تو تاریخ سے ثابت ہے کہ صلاح الدین نے ان فدائیوں کو کس طرح اپنے بیٹوں سے کہیں زیادہ محبت کے ساتھ پالا تھا۔ اور ان کی ٹریننگ خود کی تھی۔ ننگے بدن بغیر زرہوں کے لڑنے ، دوڑنے ، حملہ کرنے کی مشق کروائی تھی۔ مٹھی بھر بھنے ہوئے چنے لے کر یروشلم کے تپتے دہکتے صحرا میں دن بھر ہلکے پیٹ اور ہلکے وزن کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر صلیبی لشکر کو بھگا بھگا کر مارنا۔ اللہ کی قسم فدائی کی تو شان ہی نرالی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تو رچڈ Richard نے یورپ کی گیارہ ریاستوں سے ان کی آمدنی کا دسواں حصہ ایک بہت بڑے اجلاس میں یورپ کے بادشاہوں سے مانگا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے اور یروشلم کو چھڑوانے کے لئے مال چاہئے۔ یہی تو وہ Tenth تھا جو بعد میں لفظی بگاڑ سے Tax میں بدل گیا، یاد رہے کہ رومن زبان میں دس کو X سے ظاہر کرتے ہیں ۔

صرف یہی نہیں بلکہ ہم تو تاریخ سے اس کا اثبات رکھتے ہیں کہ لندن شہر بھی For sale تھا۔ Richard نے اسے فروخت کرنے کا اعلان کیا تھا کہ میں لندن شہر فروخت کروں گا، یورپ کا کوئی بھی بادشاہ اسے خرید لے اور اس رقم سے صلاح الدین کے خلاف جنگ کا خرچہ مہیا کروں گا۔ قتالی فدائی حملے دشمن کی نفسیات کو چور چور کر دیتے ہیں۔ اس کے حوصلوں کو پست کر دیتے ہیں جبکہ خودکش کارروائیاں یہ معنوی تاثیر قطعاً نہیں لاتیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فدائیوں کے نام سے ہی تو قبرص کے بادشاہ کو خوفزدہ کیا تھا، دھمکایا تھا۔ جب اس نے قبرص کے ساحلی علاقہ کے مسلمانوں کو ظلماً قید کر لیا تھا اور غلام بنا لیا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے قبرص کے عیسائی بادشاہ ''سجوان'' کو خط لکھا۔ اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ عقیدہ توحید کا اثبات اور تثلیث و مسیحیت کا رد کیا۔ پھر اسے کہا کہ مسلمانوں کو غلام بنانے اور قید کرنے کی تمہیں کس طرح ہمت ہوئی۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے حقوق آزادی غصب کئے جانے کا انتقام لیں گے۔ پھر کہا:

"ثم عند المسلمين من الفداوية من قد بلغ الملك خبرهم قديما وحديثا الذين يغتالون الملوك على فرشهم وعلى افراسهم "

''یہ بھی یاد رکھو کہ مسلمانوں کے پاس ایسے ایسے فدائی ہیں جو بادشاہوں کو ان کے تختوں سے اچک لیتے ہیں یا خفیہ قتل کر دیتے ہیں اور ان کو اپنے گھر سوار دستوں کے اندر سے اٹھا لیتے ہیں۔ بادشاہ کو تاریخ کے قدیم و جدید سے اس کی خبر ہونی چاہیے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فدائی عمل کو نہ صرف سراہا اور پسند کیا بلکہ اسے ایک بہت بڑی جہادی عسکری قوت کے طور پر استعمال بھی کیا۔ کافروں کو اس کا ڈراوا بھی دیا۔ یہی اصل اور صحیح فدائیت ہے۔ خودکشی والی شکل قرآن اولی میں کہیں بھی ماثور و منقول نہیں ہے صحابہ کرامؓ نے تو فیصلہ ہی کر ڈالا، صاف صراحت فرمائی۔ اپنے آپ کو فدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اللهم ارزقني رجلا شديدا حرده شديدا باسه اقاتله يقاتلني خذني فيجدع انفي واذني "

''یا اللہ مجھے ایسے دشمن سے بھڑا دے جو بہت قوی اور بہت جنگجو ہو۔ میں اس سے لڑوں، جنگ کروں۔ وہ مجھ سے جنگ کرے''۔

سبحان اللہ۔ یہ سنت سے ثابت فدائی شکل ہے۔ حملہ۔ پھر قتال۔ خوب زور شور سے

قتال پھر قربانی۔ واما النصر واما الشھادۃ پھر فتح یا شہادت۔ یہ ہے صحیح فدائی کارروائی۔ عبداللہ بن مبارک انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں:

"قال مررت یوم الیمامة بثابت بن قیس وھو یتحنط :یاعم الاتری یالقی المسلمون وانت ھنا؟فتبسم ثم قال الآن یا ابن اخی فلبس سلاحه ورکب حتی اتی الصف ثم قاتل حتی قتل"

"عبداللہ بن مبارکؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ میں جنگ یمامہ کے دن ثابت بن قیسؓ کے پاس سے گزرا اور وہ حنوط لگا رہے تھے، میں نے کہا چچا، آپ اور یہاں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں پر آج کتنا مشکل وقت ہے؟ تو ثابتؓ مسکرائے کہنے لگے۔ بھتیجے ابھی اور اسی وقت۔ یہ کہ کر اپنا اسلحہ پہنا گھوڑے پر سوار ہوئے۔ دشمن کی صف کے پاس گئے اور اس سے قتال کیا، لڑ کی کی، حملہ کیا، لڑتے ہی رہے۔ حتی کہ شہید ہو گئے۔ حنوط وہ خوشبو ہے جو میت پر لگائی ڈالی جاتی ہے۔ گویا تیاری شہادت قربانی دینے کی مگر شکل ہی کہ ہتھیار بند ہوئے، گھوڑے پر سوار ہوئے پھر حملہ کر دیا، دشمن کی صفوں میں گھسے اور شیروں کی طرح صف کو چیرتے ہوئے دشمن کے ہاتھوں دشمن کے وار سے قتل ہو گئے"۔

یہ صحابہ کرامؓ کی فدائی کارروائیاں ہیں۔ جان فدا کرنے کا ذہن، قتال کا عمل اور دشمن کے وار سے خاتمہ بالشھادۃ!

یرموک کا میدان سجا۔ امین الامت ابوعبیدہ بن الجراحؓ امیر لشکر ہیں، رومیوں کی صفیں اور مسلمانوں کی جماعت آمنے سامنے، فدائی خون نے جوش مارا۔ ایک آدمی اٹھا۔ ابوعبیدہؓ سے کہنے لگا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان پر شدید حملہ کروں۔ آپ کو نبی ﷺ سے کچھ کہنا ہے۔ (سبحان اللہ اما النصر واما الشھادۃ) ابوعبیدہ نے کہا کہ میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ ہم نے اللہ کے وعدوں کو پورا ہوتا دیکھ لیا ہے۔

یہ مثالیں ہیں ان واقعات کی کہ جن میں فدائی عمل کی شکل اور طریقہ کو ہم نے صحابہ کرامؓ کے معمول سے واضح کیا ہے۔ یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ فدائی کارروائی یا عمل میں موت ہی ضروری نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں ایسی بھی بے شمار مثالیں ہیں جن میں فدائی کارروائی ہے۔ شکل قتال اور شدید قتال ہے ایک ایک آدمی کا ہزاروں کی تعداد والے دشمن پر حملہ ہے اور فدائی صحیح سلامت محفوظ رہے ہیں۔ سیدنا خالد بن ولید قعقاع بن عمرو، ضرار بن الازور، مثنی بن حارثہ، زبیر بن العوام، سلمۃ بن الاکوع، محمد بن مسلمہ، عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیسؓ وغیرہ سب وہ صحابہ ہیں جو بار بار فدائی کارروائیاں کرتے تھے۔ لشکروں کے لشکر ادھیڑ کر رکھ دیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو بار بار مواقع دیئے اور ان کی حفاظت فرمائی۔ قعقاع تو سیدنا ابو بکرؓ کی نگاہ میں ایک ہزار فوجیوں کی جگہ پر تھے۔ اسی طرح زبیر بن العوام نے وار کیا تو خود سمیت زمین تک دشمن کو دو حصوں میں کاٹ دیا۔ کسی نے کہا کہ سبحان اللہ کیا کمال تلوار ہے، کہنے لگے کہ بازو کا بھی تو کمال ہے جس کو اللہ نے اس قدر قوت عطا کی ہے!

فدائی کارروائی خودکشی نہیں ہوتی کہ اپنے آپ کو مار لیا جائے۔ یہ تو جنگ وقتال کا ایک انداز ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لشکر طیبہ کے جوان فدائی کارروائی کرتے ہیں تو الحمدللہ کتنے ہی عافیت کے ساتھ بچ کر آتے ہیں۔ سری نگر ۱۵ کور، بادامی باغ کی کارروائی میں اتنی شدید جنگ اور دلیرانہ حملہ کے باوجود سرگودھا کا مجاہد بھائی محفوظ رہا۔ سری نگر ائیر پورٹ کے واقعہ میں صلاح الدین بھائی جو مجموعہ کا امیر بھی تھا، لڑتے مارتے زندہ سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔

دلی کے لال قلعے والے فدائی حملے میں دونوں جوان زندہ سلامت اور محفوظ رہے اور واپس آئے۔ بلکہ ایک محتاط تجزیہ کے مطابق فدائی کارروائیوں میں ہمارے نوجوانوں نے دشمن کا نقصان بھی زیادہ کیا ہے اور زندہ بچ نکلنے میں کامیابی بھی زیادہ ہوئی ہے۔

مسلمان فدائی اور خودکش ذہن میں بنیادی فرق ہے حالات کیسے ہی Crutial کیوں نہ ہوں، صورتحال کتنی ہی گھمبیر کیوں نہ ہو جائے، مسلم فدائی یہ چاہے گا کہ وہ کافر مشرک کے وار سے مارا جائے۔ اسے کافر قتل کرے، اس پر وار کرے۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر اس کا قاتل اللہ کا دشمن ہوتا کہ وہ اللہ کے سامنے کہہ سکے کہ اے اللہ دیکھ میں تیرے دین کی سربلندی کے لئے، تیرے نام کے لئے، تیرے دشمن کے ہاتھوں کس کس طرح سے قربان ہوا ہوں، کس طرح سے قتل ہوا ہوں۔ اور وہ فیقتل ویقتلون (سورۃ التوبہ) کا مصداق ہو۔ صحابہ کرام اور سلف شہداء کے عمل سے تو ہمیں پتہ چلتا ہے، کبھی کسی نے اپنے ہاتھوں یا اپنے اسلحے سے اپنا خاتمہ نہیں کیا۔ واللہ اعلم



باب 6

دہشت گردی/بنیاد پرستی اور جہاد کے حوالے سے چند منتخب مضامین

'دہشت گردی' کے حوالے سے چند معروضات

اسلامی نظریاتی کونسل کا سوال نامہ

اسلام امن وآشتی اور صلح وسلامتی کا مذہب ہے، اس نے انسانی زندگی کی حرمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے اور اگر کسی مسلمان ملک میں غیر مسلم اقلیت آباد ہو تو اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز نجی زندگی سے متعلق معاملات میں انھیں اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی دی گئی ہے۔ اس نے نہ صرف ظلم وتعدی سے روکا ہے بلکہ ظلم کے جواب میں بھی دوسرے فریق کے بارے میں حد انصاف سے متجاوز ہو جانے کو ناپسند کیا ہے اور انتقام کے لیے بھی مہذب اور عادلانہ اصول وقواعد مقرر کیے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے زیادہ تر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کی نیت سے اور کسی قدر غلط فہمیوں کی بنا پر اس وقت عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے اور اس جھوٹ کو اس قدر دہرایا گیا ہے کہ اب ایک طبقہ اسلام اور دہشت گردی کو مترادف سمجھنے لگا ہے۔ ان حالات میں علما، فقہا اور ارباب افتا کی ذمہ داری ہے کہ دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو واضح کریں اور اسلام نے امن، صلح، عدل، مذہبی رواداری اور غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی جو ہدایات دی ہیں، ان کو واضح کریں تاکہ لوگوں کے سامنے اسلام کی حقیقی اور سچی تصویر آ سکے۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ اسلامی نقطہ نظر سے 'دہشت گردی' کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟

۲۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے اور کبھی تو ان کے جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو۔ تو کیا حکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویے پر بھی 'دہشت گردی' کا اطلاق ہوگا؟

۳۔ اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردِ عمل کا اظہار جائز ہے یا واجب؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی 'دہشت گردی' کے دائرے میں آتا ہے؟

۴۔ اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو کیا مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں؟

۵۔ مسلمان ملکوں میں جو غیر مسلم شہری آباد ہیں، ان کو اپنے مذہبی معاملات یعنی عقیدہ، عبادت، شخصی قوانین وغیرہ میں کس حد تک آزادی حاصل ہے؟

۶۔ جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے، وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش۔ ان اسباب کے تدارک کے لیے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

۷۔ اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حتی المقدور مدافعت واجب ہے، مباح ہے یا مستحب؟ نیز حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟

مولانا زاہد الراشدی کا جواب

نحمده تبارک وتعالیٰ ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه واتباعه اجمعین!

اسلام بلاشبہ صلح وآشتی اور امن وسلامتی کا دین ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ نے اسلام اور ایمان کا ایک معنی یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے لوگ محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جسے دوسرے لوگ اپنی جان و مال پر امین سمجھیں اور انہیں اپنی جان و مال اور آبرو کے حوالے سے اس سے کوئی خطرہ محسوس نہ ہو لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام اعتدال وتوازن کا دین بھی ہے جو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق کے تحفظ اور حصول کا راستہ بھی بتاتا ہے اور اس کی تلقین کرتا ہے۔

ظلم وتعدی اور جبر وناانصافی انسانی سوسائٹی کے لوازم میں سے ہے جو نسل انسانی کے آغاز سے جاری ہے اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اس لیے ایک جامع اور مکمل ضابطہ حیات اور نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام ظلم وتعدی کو روکنے اور جبر وناانصافی کے سدباب کے لیے بھی ایک مستقل فلسفہ ونظام رکھتا ہے جس کی تفصیلات قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور ہر دور میں اس زمانے کے مقتضیات اور احوال کی روشنی میں فقہاء امت اس فلسفہ ونظام کی احکام وقواعد کی شکل میں وضاحت کرتے آرہے ہیں۔

خلافت راشدہ سے لے کر خلافت عثمانیہ کے خاتمہ (۱۹۲۴ء) تک چونکہ اسلامی احکام وقوانین کا نفاذ کسی نہ کسی شکل میں اور کسی نہ کسی سطح پر تسلسل کے ساتھ موجود رہا ہے اس لیے ہر دور میں نئے پیش آمدہ مسائل ومشکلات کا حل بھی ساتھ ساتھ سامنے آتا رہا ہے جس میں قضاۃ کے اجتہادی فیصلوں کے علاوہ ارباب علم اور اصحاب استنباط کی آزادانہ اجتہادی کاوشیں بھی شامل ہیں اور انسانی سوسائٹی کے حالات میں تغیر کے ساتھ ساتھ

اجتہادی دائرہ میں ضرورت کے مطابق شرعی احکام وقوانین میں تغیر وتبدل کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے البتہ خلافت کے زوال وادبار کے دور میں بدقسمتی سے اجتماعی زندگی کے مسائل وضروریات کی طرف اہل علم ودانش کی توجہ کم ہوتی گئی اور بیرونی افکار ونظریات اور فلسفہ وتہذیب کے مسلم معاشرے میں فروغ کے باعث اور اس سے پیدا ہونے والی آزاد روی کی وجہ سے ارباب فقہ واستنباط تحفظات کا شکار ہو کر ''جمود'' پر قناعت میں عافیت محسوس کرنے لگے تو جدید پیش آمدہ مسائل اور فکری وعلمی چیلنجز کے حوالے سے استنباط اور اجتہاد کا وہ تسلسل قائم نہ رہ سکا جو تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے زمانے کی رفتار کا ساتھ دے سکتا اور اگرچہ علمی اداروں اور شخصیات نے اس خلا کو پر کرنے کی اپنے اپنے طور پر کوشش کی لیکن تنفیذی اور اجتماعی اجتہاد واستنباط کے فقدان اور شخصیات ومراکز کے انفرادی اجتہاد واستنباط میں فطری اختلاف کے باعث وہ مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے جو اس اجتہاد واستنباط کا اصل مقصد وہدف تھے اور باہمی ربط ومفاہمت کا کوئی سسٹم موجود نہ ہونے کی وجہ سے نظری وفکری خلفشار کا عنوان بن گئے۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور اقوام متحدہ کے تحت اس کے منشور کے حوالے سے ایک نئے عالمی نظام کے آغاز کے بعد دنیا کی صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی تھی اور بین الاقوامی تعلقات کے ساتھ ساتھ ہمارے داخلی اجتماعی نظام کے احکام وقوانین کا بھی ایک بڑا حصہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اجتہاد واستنباط کے ایک نئے اور ہمہ گیر عمل سے گزارے جانے کا متقاضی تھا لیکن عالمی سطح پر ملت اسلامیہ کے پاس اس کا کوئی فورم موجود نہیں تھا، مسلم حکومتوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور انفرادی طور پر اس عمل کا اہتمام کرنے والے مراکز وشخصیات پر علاقائی، گروہی اور طبقاتی رجحانات کا غلبہ ایک فطری امر ہے اس لیے یہ خلا نہ صرف باقی چلا آ رہا ہے بلکہ فطری طور پر پر نہ ہونے کی وجہ سے فکری خلفشار اور انتشار کی کیفیت نمایاں نظر آ رہی ہے اور اس وقت ہماری صورت حال یہ ہے کہ:

☆ ایک طرف عالم اسلام میں دینی بیداری کی تحریکات مد و جزر کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہیں اور وہ مسلم ممالک میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ اور عالمی سطح پر خلافت کے احیا کی خواہاں ہیں۔

☆ دوسری طرف مغرب کے سیکولر فلسفہ، نظام اور ثقافت کی مسلم ممالک میں ترویج و نفاذ کے لیے اقتصادی، سیاسی اور عسکری بالادستی کے ساتھ مسلمان کہلانے والی حکومتوں کے تعاون سے پیش رفت جاری ہے۔

☆ تیسری طرف کم وبیش تمام مسلم ممالک اقوام متحدہ کے ممبر کی حیثیت سے اور اس کے منشور و قوانین پر دستخط کرنے کے باعث قانونی اور اخلاقی طور پر آج کے عالمی نظام کا حصہ ہیں جو اپنے مقاصد و اہداف اور قوانین و ضوابط دونوں حوالوں سے اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

☆ چوتھی جانب عالم اسلام میں دینی بیداری کے رجحانات، اسلامی تعلیمات کے مراکز، قرآن و سنت کے ساتھ غیر مشروط اور بے لچک کمٹمنٹ کے جذبات اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے عالمی سطح پر احیا کے لیے اسلامی تحریکات کے عزائم مبینہ دہشت گردی کے خلاف اس عالمی جنگ کا براہ راست ہدف ہیں جس کی فوج کشی کا شکار اسی وجہ سے افغانستان بن چکا ہے اور مذکورہ بالا عزائم و جذبات رکھنے والی ہر تحریک اور ہر طبقہ اس جنگ کی ''ہٹ لسٹ'' میں شامل ہے۔

☆ ان کے علاوہ معروضی حقائق و حالات کا ایک پانچواں دائرہ یہ بھی ہے کہ عالم اسلام کے وسائل خود مسلمانوں کے کنٹرول میں نہیں ہیں، مسلم ممالک اقتصادی اور معاشی طور پر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے تہہ در تہہ جال میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں، مسلم حکومتیں سیاسی، معاشی، عسکری اور انتظامی شعبوں میں کوئی بنیادی فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں ہیں اور دنیا کے کسی بھی خطے میں کسی بھی مسلم حکومت کے اختیارات و معاملات کے گرد ایک غیر مرئی ''ریڈ لائن'' موجود ہے جس کو کراس کرنا اس کے بس میں نہیں ہے۔

اس وسیع تناظر میں دہشت گردی کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینا یقیناً ایک اہم بات ہے اور اس کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس جزوی مسئلہ سے پہلے بہت سے اصولی معاملات اہل علم کی توجہات کے مستحق ہیں اور سب سے زیادہ اہمیت کا حامل یہ مسئلہ ہے کہ عالم اسلام کو اس مخمصہ سے نکالنے اور اس کی آزادی وخود مختاری بحال کرنے کے لیے ہمارے ارباب علم ودانش جہد وعمل کا کون سا خاکہ تجویز کرتے ہیں؟ اور وہ ملت اسلامیہ کو موجودہ صورت حال پر قناعت کرنے یا اس سے جان چھڑانے کے لیے کچھ کر گزرنے میں سے کون سا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں؟ پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ دہشت گردی کی اسلامی حیثیت اور اس کے بارے میں شرعی احکام وقوانین کی وضاحت کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟ اور اس کی اصل غرض کیا ہے؟ اگر تو اس کا مقصد عالم اسلام کی دینی تحریکات کی راہ نمائی کرنا ہے اور ان کو یہ بتلانا ہے کہ ملت اسلامیہ کی خود مختاری کی بحالی، خلافت اسلامیہ کے احیا، عالم اسلام کے وسائل کی بازیابی اور مسلم اقوام وممالک کے گرد عالمی استعمار کے حصار کو توڑنے کے لیے ان کی جدوجہد کو ان شرعی حدود کا پابند رہنا چاہیے اور انہیں ارباب علم ودانش کی راہ نمائی کے دائرے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے تو یہ ایک مفید اور مثبت عمل ہے جس کی ضرورت مسلم ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر اس سارے عمل کی غرض دہشت گردی کے حوالے سے عالمی استعمار کو مطمئن کرنا اور قاعدین ومتخلفین کو ان کے قعود وتخلف کے لیے جواز اور اس کے دلائل فراہم کرنا ہے تو اس سے زیادہ قابل نفرین عمل کا موجودہ حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک عالم اسلام کی بعض عسکری تحریکات پر ''دہشت گردی'' کا لیبل چسپاں کرنے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ایک اصولی بات ہر شخص کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ عمل کے احکام سے ردعمل کے احکام مختلف ہوتے ہیں اور کسی ایکشن پر جن قواعد وضوابط کا

اطلاق ہوتا ہے، اس کے ری ایکشن پر انہی قواعد وضوابط کا کلیتاً اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اصول دنیا کے ہر قانونی نظام میں تسلیم شدہ ہے اور قرآن کریم نے بھی سورۃ النساء آیت ۱۴۸ میں اس اصول کو اس حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کی بری بات کو ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم وزیادتی کو روا رکھنے والے ظالم کی برائی کو ظاہر کرے۔ گویا جس بات کی ایکشن اور عمل میں شرعاً اجازت نہیں ہے، ری ایکشن اور ردعمل میں قرآن کریم اس کی اجازت دے رہا ہے۔ اس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ کوئی مظلوم ردعمل میں کوئی ایسی بات کر گزرتا ہے جس کی عام حالات میں اجازت نہیں ہے تو اس کی مظلومیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس معاملے میں اس سے درگزر کر دینا ہی اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔

اس لیے واقعاتی پس منظر کی تفصیل میں جائے بغیر اصولی طور پر یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی جن تحریکات اور گروپوں کو ''دہشت گرد'' قرار دیا جا رہا ہے، ان کے بارے میں اس بات کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ اگر وہ غلبہ اور اقتدار کے شوق میں ایسا کر رہے ہیں اور حکمرانی کی حرص نے انہیں ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا ہے تو ان کے ''دہشت گرد'' ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اگر انہیں کسی طرف سے ہونے والے مظالم اور جبر نے ردعمل کے طور پر اس راستے پر ڈالا ہے اور جبر واستبداد کے حصار کو توڑنے میں دیگر کسی متبادل حربہ اور کوشش میں کامیابی کا کوئی امکان نہ دیکھتے ہوئے ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق وہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں تو انہیں اس رعایت سے محروم کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ میں مظلوموں کے لیے بیان فرمائی ہے۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد ہم ان سوالات کی طرف آتے ہیں جو مذکورہ بالا سوال نامہ میں اٹھائے گئے ہیں۔

ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی تعریف کیا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ قرآن کریم نے سورۃ المائدہ کی آیت ۳۳ میں "محاربہ" کا جو حکم بیان فرمایا ہے، ہمیں اس پر غور کر لینا چاہیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو سزا کا مستحق بتایا ہے، ان کے دو وصف بیان فرمائے ہیں:

ایک: یحاربون اللہ ورسولہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ لڑتے ہیں۔ جس سے مراد ہمارے خیال میں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قائم کردہ نظام سے بغاوت کرتے ہیں۔

دوسرا: ویسعون فی الارض فسادا کہ وہ زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں جس کا معنی آج کی معروف زبان میں یہ ہوگا کہ وہ امن عامہ کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہمارے ناقص فہم کے مطابق جو لوگ کسی جائز اور قانونی سسٹم کے خلاف ناجائز طور پر بغاوت کرتے ہیں اور عام شہریوں کی جان و مال کے لیے بلاوجہ خطرہ بن جاتے ہیں، وہ "دہشت گرد" کہلائیں گے۔

کسی حکومت کے جائز اور قانونی ہونے کے لیے اس دور کے عرف کو دیکھا جائے گا کہ اس وقت بین الاقوامی تعامل اور عرف کی رو سے کون سی حکومت کو جائز اور قانونی سمجھا جاتا ہے جبکہ بغاوت کے جائز یا ناجائز ہونے میں بھی اسی بین الاقوامی عرف کا اعتبار ہوگا لیکن اس میں ایک بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ عرف اور تعامل اور چیز ہے اور کسی مخصوص مسئلہ پر عالمی برادری کا طرز عمل اس سے بالکل مختلف معاملہ ہے۔ جس کا تجربہ ہمیں حال ہی میں افغانستان کے حوالے سے ہوا ہے کہ وہاں طالبان کی حکومت نے ملک کے ۹۰ فیصد علاقہ کا کنٹرول حاصل کر لیا تھا، دار الحکومت کابل بھی ان کے کنٹرول میں تھا اور ان کے زیر اثر علاقہ میں امن کا قیام اور ان کے احکام کی عملداری بھی تسلیم شدہ ہے۔ آج کے بین الاقوامی عرف میں کسی حکومت کو تسلیم کرنے کے لیے یہ باتیں کافی سمجھی جاتی ہیں بلکہ اس سے

کم تر اہداف حاصل کرنے والی حکومتیں بھی تسلیم کر لی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود عالمی برادری نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس پر فوج کشی کر کے اسے جبراً ختم کر دیا۔ اس لیے ہمیں عرف ومتعامل اور وقتی طرز عمل میں فرق کو ملحوظ رکھنا ہو گا اور اب تو یہ فرق اس قدر واضح ہو گیا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے کہ بین الاقوامی قوانین وضوابط، اخلاقیات اور عالمی سیاسیات کی بیشتر اقدار وروایات کا مفہوم ومعیار تک بدل کر رہ گیا ہے۔

دوسرا سوال اس حوالے سے ہے کہ کوئی حکومت اپنے ملک کے کسی طبقہ کے ساتھ انصاف نہیں کرتی اور ان کے سیاسی حقوق اور جان ومال تک کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے تو کیا اس حکومت کے ایسے طرز عمل کو بھی ''دہشت گردی'' قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ کوئی حکومت اپنی رعیت کے کسی طبقے کو اس کے جائز حقوق سے محروم رکھتی ہے اور اس محروم رکھنے میں ریاستی جبر کا ایسا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے جس سے اس طبقہ کے وجود اور اس کے افراد کی جان ومال کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں تو یہ بات یقیناً ''ریاستی دہشت گردی'' کہلائے گی۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو اس پر احتجاج اور ردعمل کی کیا حیثیت ہے؟ اور کیا مظلوم کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی ''دہشت گردی'' کہلائے گا؟

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ مظلوم کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا دنیا کے ہر قانون میں حق حاصل ہے اور اسلام بھی اسے یہ حق دیتا ہے۔ اب اس حق کی درجہ بندی کہ یہ جائز ہے یا واجب، اس کا انحصار اس وقت کے حالات پر اور مظلوم کی صواب دید پر ہے۔ اسلام نے اس میں دو درجے رکھے ہیں: عزیمت اور رخصت۔ اگر وہ عزیمت پر عمل کرتا ہے اور اپنے حق کے لیے ظالم کے خلاف جدوجہد کرتا ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے اور اگر صبر وتحمل کے ساتھ رخصت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے اس کا جواز بھی ہے چنانچہ

جناب نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا، وہ شہید ہے۔ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا، وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی عزت کی حفاظت میں مارا گیا، وہ بھی شہید ہے۔ اس ارشاد نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ رخصت پر عمل کی اجازت ہے، لیکن ترجیح بہرحال عزیمت ہی کو حاصل ہے۔

باقی رہی بات ہتھیار اٹھانے کی تو فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ شخصی اور انفرادی معاملات میں تو قانون کو ہاتھ میں لینے اور ہتھیار اٹھانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے اور ایسا کرنا بغاوت کے زمرے میں آئے گا البتہ اجتماعی معاملات میں (۱) مسلم حکمران کی طرف سے کفر بواح کے ارتکاب اور (۲) مسلم اکثریت پر غیر مسلم اقلیت کا جبری اقتدار قائم ہو جانے کی صورت میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہے جو بسا اوقات فرض کا درجہ بھی اختیار کر جاتا ہے جیسا کہ دہلی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار قائم ہو جانے کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور دیگر اکابر علماء کرام نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا تھا۔

حملہ آور قوت کے خلاف اپنی آزادی اور خود مختاری کے لیے ہتھیار اٹھانے کے حق کو دنیا کے ہر قانون میں تسلیم کیا جاتا ہے اور اسے حریت اور آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے ''دہشت گردی'' قرار دینا ایسا ہے جیسے یہ کہہ دیا جائے کہ برطانوی استعمار سے آزادی کے لیے جن امریکی حریت پسندوں نے ہتھیار اٹھائے تھے اور اس جنگ میں انہوں نے متعلقہ اور غیر متعلقہ ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، وہ حریت پسند نہیں بلکہ ''دہشت گرد'' تھے اور اسی طرح دنیا بھر کی وہ تمام اقوام و ممالک دہشت گرد قرار پائیں گے جنھوں نے غیر ملکی قابضین اور نوآبادیاتی حکمرانوں کے خلاف جنگ لڑ کر آزادی حاصل کی ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اگر کسی طبقہ کے کچھ افراد نے ظلم کیا ہے تو کیا مظلوموں کو یہ حق حاصل ہے کہ اس طبقے کے دوسرے افراد کو انتقام کا نشانہ بنائیں جو اس عمل میں شریک نہیں

تھے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ جہاں تک غیر متعلقہ لوگوں کو انتقام کا نشانہ بنانے کا تعلق ہے، اسلام اس کی کسی صورت میں اجازت نہیں دیتا۔ یہ بھی اسی طرح کا ظلم ہوگا جس کا وہ مظلوم خود نشانہ بن چکے ہیں۔ البتہ ظالموں کے خلاف کارروائی کے دوران کچھ لوگ ناگزیر طور پر زد میں آتے ہوں تو ان کا معاملہ مختلف ہے۔ جناب نبی اکرم ﷺ نے جہاد میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور غیر متعلقہ افراد کو قتل کرنے سے صراحتاً منع کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مسلم شریف کتاب الجہاد میں حضرت صعب بن جثامہؓ کی یہ روایت بھی موجود ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایک جگہ شب خون مارنا چاہتے ہیں مگر وہاں عورتیں اور بچے بھی ہیں تو جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: **ھم منھم** "وہ انہی میں سے ہیں" یعنی اگر وہ شب خون (چھاپہ مار کارروائی) کی زد میں ناگزیر طور پر آتے ہیں تو وہ انہی میں شمار ہوں گے اور ان کی وجہ سے کارروائی روکی نہیں جائے گی۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ مسلمان ملکوں میں جو غیر مسلم شہری آباد ہیں، ان کو اپنے مذہبی معاملات یعنی عقیدہ، عبادت، شخصی قوانین وغیرہ میں کس حد تک آزادی حاصل ہے؟ اس کے جواب میں ہمارا طالب علمانہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی مسلم حکومت ایسی نہیں ہے جس پر 'اسلامی حکومت' کا اطلاق کیا جا سکے یا جسے خلافت کا قائم مقام قرار دیا جائے اور اس کے دائرے میں رہنے والے غیر مسلموں کو ذمیوں کا درجہ دینا شرعاً ضروری ہو جبکہ کم و بیش تمام مسلم ممالک اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کرنے کے علاوہ اس حوالے سے دیگر بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی بھی قبول کر چکے ہیں اس لیے جب تک خلافت کا احیا نہیں ہوتا اور خالصتاً اسلامی شرعی حکومت قائم نہیں ہو جاتی، ہم "میثاق مدینہ" کی طرز پر بین الاقوامی معاہدات کے پابند ہیں اور ہمیں ان پر عمل درآمد کرنا چاہیے الا یہ کہ ان میں سے کوئی بات کسی مسلمان ملک کی خود مختاری وسالمیت اور مسلمانوں کے ملی مفاد کے لیے صریحاً خطرے کا باعث ہو تو اس میں وہ ملک ضروری تحفظات اختیار کر سکتا ہے۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ دہشت گردی کے ہر جگہ کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ اسلام ان اسباب کے تدارک کے لیے کیا ہدایات دیتا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ دہشت گردی فی الواقع بہت بڑا جرم ہے۔ اسلام تو عام معاشرتی جرائم میں بھی مجرم کے لیے سخت سزائیں تجویز کرنے کے ساتھ ساتھ جرم کے اسباب وعوامل کے تدارک کا حکم دیتا ہے اور ان دواعی کا راستہ روکتا ہے جو کسی شخص کو جرم تک لے جاتے ہیں۔ اسلام کا یہی اصول دہشت گردی کے بارے میں بھی ہے۔ اس پس منظر میں ہمارے نزدیک دہشت گردی کے حوالے سے دو محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک محاذ یہ ہے کہ جو عالمی قوتیں ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا عنوان اختیار کر کے دنیا بھر کی دینی تحریکات کو ٹارگٹ بنائے ہوئے ہیں، انہیں اس بات کا احساس دلایا جائے کہ جس کو تم دہشت گردی قرار دے رہے ہو، یہ دراصل ردعمل ہے ان مظالم اور جبر و ناانصافی کا جو ان اقوام وممالک اور طبقات پر مسلسل روا رکھے جا رہے ہیں اور اس ردعمل کو جبر اور تشدد کے ذریعے کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ اس قسم کی صورت حال میں جبر وتشدد سے مزید منافرت بڑھتی ہے اور جذبات میں مزید شدت پیدا ہوتی ہے اس لیے اگر تم دہشت گردی کو ختم کرنے میں سنجیدہ اور مخلص ہو تو تمہیں جبر وتشدد اور عسکری جنگ کا راستہ ترک کر کے مفاہمت اور مذاکرات کا راستہ اپنانا ہوگا۔ ظالم اور مظلوم کے فرق کو محسوس کرو، مظلوم کی مظلومیت کو تسلیم کرو، ظالم کو ظالم قرار دو اور مسلمہ اصولوں کی روشنی میں مظلوم اقوام وطبقات کو ظلم واستحصال سے نجات دلانے کے لیے سنجیدہ پیش قدمی کرو ورنہ تمہاری یہ جنگ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے نہیں بلکہ اس کے فروغ کے لیے متصور ہوگی اور دہشت گردی کا جواب اس سے بڑی دہشت گردی کے ذریعہ دے کر تم خود سب سے بڑے دہشت گرد قرار پاؤ گے۔

دوسری طرف عالم اسلام کی ان عسکری تحریکات سے بھی گفتگو کی ضرورت ہے جو مختلف محاذوں پر مصروف کار ہیں اور جنہیں دہشت گرد قرار دے کر ان کو کچلنے کا عمل مسلسل جاری ہے۔ان تحریکات کی قیادتوں کو دو باتیں سمجھانے کی ضرورت ہے۔ایک یہ کہ ہر مسئلے کا حل ہتھیار نہیں ہے اور نہ ہی ہر جگہ ہتھیار اٹھانا ضروری ہے۔ جہاں کسی مسئلہ کے حل کا کوئی متبادل راستہ موجود ہے، اگرچہ وہ لمبا اور صبر آزما ہی کیوں نہ ہو، وہاں ہتھیار سے کام لینا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں شاید شرعاً جائز بھی نہ ہو۔ہتھیار تو آخری حربہ ہے۔ جہاں اور کوئی ذریعہ کام نہ دیتا ہو اور کسی جگہ مسلمانوں کا وجود اور دینی تشخص حقیقی خطرات سے دوچار ہو گیا ہو تو آخری اور اضطراری حالت میں ہتھیار اٹھانے کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لیے اضطرار بلکہ ناگزیر اضطرار کے بغیر ہتھیار کو ہاتھ میں نہ لیا جائے۔

دوسری بات ان سے یہ عرض کرنے کی ہے کہ آزادی، تشخص اور خودمختاری کے لیے اضطرار کی حالت میں قومیں ہتھیار اٹھایا کرتی ہیں۔یہ زندہ قوموں کا شعار ہے اور آزادی کی عسکری تحریکات سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے لیکن غیر متعلقہ لوگوں کو نشانہ بنانا اور بے گناہ لوگوں کا خون بہانا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی اور قانون وضابطہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ان تحریکات کو اس حوالے سے شرعی احکام وقوانین کی پابندی کا ایک بار پھر عہد کرنا چاہیے اور شرعی احکام بھی وہ نہیں جو خود ان کے ذہن میں آ جائیں بلکہ وہ قوانین وضوابط جو امت کے اجماعی تعامل وتوارث کے ساتھ تسلیم شدہ چلے آ رہے ہیں اور جنہیں وقت کے اکابر علما وفقہا کی طرف سے ضروری قرار دیا جا رہا ہو۔اس کے بغیر کوئی بھی تحریک اور جدوجہد تمام تر خلوص وجذبہ اور ایثار وقربانی کے باوجود خلفشار پیدا کرنے کا باعث بنے گی اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہو گی اس لیے ایسی تحریکات کو کسی بھی ایسی بات سے قطعی طور پر گریز کرنا چاہیے جو:

☆ معروف اور مسلمہ شرعی اصولوں کے مطابق نہ ہو۔

☆ جس سے مسلمانوں کی مشکلات میں بلاوجہ اضافہ ہوتا ہو۔

☆ جو اسلام کے لیے بدنامی کا باعث بن سکتی ہو۔

☆ اور جس سے خود ان تحریکات کی قوت کار اور دائرۂ عمل متاثر ہوتا ہو۔

ساتواں سوال یہ ہے کہ کسی گروہ یا فرد کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور یہ دفاع واجب ہے یا مستحب؟

اِس سلسلے میں اصولی طور پر یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی جان، مال، اور آبرو کی حفاظت میں مارے جانے والے مسلمان کو شہید قرار دیا ہے تو ان تینوں حوالوں سے دفاع کا حق اور اس کی فضیلت میں کسی کلام کی گنجائش نہیں رہ جاتی البتہ ایک اور بات عرض کرنا بھی شاید نامناسب نہ ہو کہ جان بچانے کو فقہاء کرام نے فرض قرار دیا ہے اور جہاں جان کے تحفظ کا مسئلہ آ جائے، وہاں اضطرار کی حالت میں خنزیر کا گوشت بقدر ضرورت کھانے کو بھی بعض فقہا نے فرض بتایا ہے تو اس اصول کی رو سے کسی فرد یا گروہ کے لیے یہ بات بھی فرض ہی کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ اگر اسے اپنے وجود اور جان کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ اسے بچانے کے لیے جو صورت دفاع کی ناگزیر ہو، وہ اسے اختیار کرے اور اس دفاع کی حد بھی وہی ہے جو حالت اضطرار کی دیگر صورتوں میں ہے کہ جتنی کارروائی سے جان بچ سکتی ہو، اسی حد تک اجازت ہے، اس سے زیادہ کی نہیں۔

(بشکریہ ماہنامہ 'الشریعۃ' اکتوبر ۲۰۰۲ء)

دہشت گردی اور عالم اسلام

......دہشت گردی کسے کہتے ہیں؟ کیا دین اسلام میں اس کا کوئی تصور ہے......؟

جنوبی افریقہ کے ریچ اُم کھن ڈو، نیو یارک ٹائمز کے سرج شمے مان، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا رائروائن کے مارک لیوائن، معروف صحافی رے بکا سکاروف اور مارک ڈیری، افسانہ نگار رچرڈ فورڈ، کوئنز کالج اور گریجویٹ سینٹر کولم، بیا یونیورسٹی کے پروفیسر جان جیریکی، اسرائیلی پارلیمنٹ (کنیسیٹ) کے رکن عزمی بشارہ، فرانس کے مشہور فلسفی جین برکمونٹ، لاطینی امریکہ کے ناول نگار ایڈوارڈو گلیانو، میساچوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے پروفیسر نوم چومسکی، ہندوستان کی انگریز ناول نگار ارون دھتی رائے، ترکی کے ناول نگار ادرحان پامک، مصر کی ڈاکٹر نوال سعداوی، برطانیہ کے صحافی رابرٹ فسک، ایران کے محسن مخمل باف، یونیورسٹی آف ٹیکساس آسٹن امریکہ کے راہل مہاجن اور امریکی فری پریس کے کرسٹوفر بولن کی مطبوعہ تحریروں کے بعض اقتباسات سے ان دو سوالوں کا جواب درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمایئے......

دہشت گردی اور اس کے ممکنہ مفاہیم

بے گناہ شہریوں کے خلاف طاقت کے ایک ایسے استعمال یا استعمال کی دھمکی کو دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کسی سیاسی یا معاشرتی تبدیلی لانے کی غرض سے ہو۔ کسی حکومت کو دھمکانے، خوف زدہ کرنے اور اپنے سیاسی اور معاشرتی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے اس حکومت کی شہری آبادی یا اس کے کسی حصے کی جان و مال کے خلاف یا تشدد کا غیر قانونی استعمال 'دہشت گردی' ہے۔

حیاتیاتی، کیمیائی یا جوہری ترکیبوں کے علاوہ سیاسی بنیاد پر کیے جانے والے قتل، دہشت گردی ہیں۔ ان تمام جنگی جرائم کو دہشت گردی شمار کیا گیا ہے، جن کا دنیا کی اکثر حکومتوں خاص طور پر بڑی طاقتوں نے ارتکاب کیا ہے۔

دہشت گردی یا دہشت گرد کے الفاظ کو پہلی مرتبہ مارچ ۱۷۷۳ء سے جولائی ۱۷۹۴ء تک

فرانسیسی حکومت کے برپا کیے ہوئے عہدِ دہشت کے لیے استعمال کیا گیا۔ حکومت مخالف سرگرمیوں کے اظہار کے لیے دہشت گرد کا لفظ ۱۸۶۶ء میں آئرلینڈ اور ۱۸۸۳ء میں روس کے حوالے سے تحریری شکل میں آیا۔

دہشت زدگی کی سب سے عام کارروائی وہ اذیت ہے، جو حکومتیں خود اپنے شہریوں کو پہنچاتی ہیں۔

ہتھیاروں کی روز افزوں عالمی تجارت نے جو ہر سطح پر تشدد کو تیز کرتی ہے، ایسے لوگوں کی شکایتوں میں اضافہ کر دیا ہے، جنہیں تشدد کے خلاف شکایت ہے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء کی دہائیوں میں زیر زمین کام کرنے والے یہودیوں کو دہشت گرد کہا جاتا تھا۔

ہمارے چاروں اطراف موجود یہ دنیا اپنے آپ کو ان اصطلاحات اور تصورات کے ذریعہ بیان کرنے لگی ہے جن کے مفہوم سے ہم پوری طرح واقف نہیں، دہشت گردی کا تصور بھی ایسا ہی لفظ ہے۔ اس میں پنہاں درد و اذیت کا ہم تصور کر سکتے ہیں مگر اس اصطلاح کا مفہوم کیا ہے؟

دہشت گردی کی اصطلاح کی کوئی عالمی طور پر متفقہ تعریف نہیں ہے مگر اس میں بار بار دہرائے جانے والے چند موضوعات ہیں، جن میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

تشدد جو سیاسی یا سماجی مقصد کے تحت ہو، خوف زدہ کرنے کی کوشش ہو اور اس عمل کا رخ شہریوں اور دوسرے ایسے لوگوں کی طرف کر دیا جائے جو لڑائی میں شریک نہیں ہیں۔ دہشت گردی سیدھے سادھے تشدد سے بڑھ کر ہے، جس میں صرف دو فریقین کی ضرورت ہوتی ہے، ایک جارحیت کرنے والا اور دوسرا اس کا شکار (Victim)۔ دہشت گردی کے لیے ایک تیسرے فریق کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جو ان تمام واقعات سے مرعوب یا خوف زدہ ہو جائیں جو جارحیت کے شکار کے ساتھ پیش آ رہے ہیں۔

دہشت گردی کی کارروائی کا ایک اہم درجہ ان کارروائیوں پر مشتمل ہے، جن پر عمل درآمد یا جن کی ہدایت و منصوبہ بندی، براہ راست یا بالواسطہ طور پر ریاست کی طرف سے کی گئی ہو یا پھر ریاست نے اجازت دے دی ہو، چاہے اس ریاست کی اپنی فوج یا پولیس براہِ راست ملوث نہ ہو، مگر یہ بعض قاتل دستوں کو تفویض کر دی گئی ہو۔

اپنے طریقے اور مقصد میں دہشت گردی، انسانی عمل، قانون اور تصادم کے اُصولوں کی خلاف ورزی ہے، اس کا مقصد ہے حادثاتی و سرسری سفاکی کے مظاہرے کے ذریعے سے ہمت کو توڑنا، غیر انسانی بنانا، تذلیل کرنا اور خوف زدہ کرنا۔

دہشت گرد کون؟

ایک شخص کے نزدیک جو 'دہشت گرد' ہے، وہ دوسرے کے نزدیک 'مجاہدِ حریت' ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگِ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کر رہی تھی۔

لیکن اس بات کی نشان دہی اب بھی نہیں کی جا سکتی کہ کون دہشت گرد ہے اور کون نہیں؟ فلسطین کے رہنما یاسر عرفات دہشت گرد تھے اور اب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn Fein) کے جیری آدمس اور جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہنما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جا سکتا تھا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہمارے سب سے نئے حلیف، روس کے صدر ولاڈی میر پوٹین آج بھی چیچنیا میں ایک ایسی غلیظ جنگ لڑ رہے ہیں، جسے شہریوں کے خلاف بہیمانہ مظالم کی وجہ سے دہشت گردی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۳۰ سال قبل چومسکی نے ہمیں یاد دلایا تھا کہ قومی تحفظ کے نام پر اذیت اور دہشت گردی کے آلات استعمال کرنے والی حکومتوں کی دو تہائی تعداد امریکہ کی گاہک ہیں۔

اگر ہم اس اُصول پر توجہ دیں کہ دہشت گردوں کو تحفظ اور مالی مدد کون مہیا کر رہا ہے تو ہمیں ایک بار پھر مغربی طاقتیں، مشرقِ وسطیٰ اور جنوب میں ان کے حلیف ہی ملزم نظر آئیں گے۔

صرف ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۷ء تک امریکی حکومت نے روئے زمین پر عملاً ہر قوم کو ایک سو نوے ارب ڈالر کا اسلحہ فروخت کیا یا اس کی منظوری دی یا بلا قیمت بانٹ دیا۔ یہی صورتِ حال چھوٹے پیمانے پر سوویت یونین کی بھی تھی۔ لاطینی امریکہ، افریقہ، ایشیا، مشرقِ وسطیٰ غرض کوئی بھی جگہ ہو، جہاں کہیں بھی دہشت گرد حکومتیں دہشت گردی میں مشغول رہی ہیں، وہ ان دونوں اعلیٰ طاقتوں اور ہمارے جی-8 کے حلیفوں کے تعاون کے بغیر پنپ ہی نہیں سکتی تھیں۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صلیبی جنگوں اور عدالتی احتساب، دونوں کی اجازت براہِ راست کلیسا سے ملی تھی۔

دہشت گردی کے بارے میں اعداد و شمار

۱۹۶۸ء سے جب سے امریکی حکومت نے اس قسم کے اعداد و شمار رکھنے شروع کیے، دنیا بھر میں دہشت گردی کی سات ہزار سے زیادہ بم باری کی وارداتیں ہو چکی ہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ نے ۳۰ نامزد بیرونی دہشت گرد تنظیموں کی اور ۱۴ دوسری دہشت گرد تنظیموں کی فہرست بنا کر رکھی ہے۔

امریکی محکمہ خارجہ کے مطابق ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۹ء تک کے عرصے میں دہشت گردی کی کارروائیاں فی سال ۳۰۰ سے ۵۰۰ تک رہی ہیں۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ دہشت گردی کی تمام کارروائیوں کا دو تہائی حصہ تجارتی اداروں کے خلاف رہا ہے اور یہ تعداد سفارت کار، فوجی یا سرکاری ملازم یا جائیداد سے پانچ گنا زیادہ رہی ہے۔ مزید برآں اگرچہ ذرائع ابلاغ پر دہشت گردی کی خبروں میں غلبہ مشرقِ وسطیٰ کا رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۹۹ء میں لاطینی امریکہ اور روس کے بعد سب سے زیادہ حملے مغربی یورپ نے برداشت کیے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مقبول طریقہ 'بمباری' کا رہا ہے۔ اس کے بعد آتش گیر بم باری، اغوا، آتش زنی اور ہائی جیکنگ کا نمبر آتا ہے۔

بہر حال امریکی محکمہ خارجہ کے اعداد و شمار گمراہ کن ہیں کیونکہ کسی حادثے کو بین الاقوامی دہشت گردی کے زمرے میں صرف اس وقت شامل کیا جاتا ہے، جب اس میں ایک سے زیادہ ملکوں کے شہری یا علاقے شامل ہوں۔ اسی طرح ملکوں کے اندر کوئی ایسی دہشت گردی جس سے غیر ملکی شہریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے، شمار میں نہیں لائی جاتی۔

طاقتور جماعت کے تشدد کے تجربے نے تاریخی طور پر مظلوموں کو دہشت گردوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ مار کھانے والے بچے، بڑے ہو کر پُر تشدد سزائیں دینے والے والدین بن جاتے ہیں۔ یہی کچھ لوگوں اور قوموں کے ساتھ ہوتا ہے، جب ان کو مار پڑتی ہے تو وہ جواب میں ہاتھ اٹھانے لگتے ہیں، اکثر یہ ہوتا ہے کہ ریاستی دہشت گردی، اجتماعی دہشت گردی کو جنم دیتی ہے۔

جب حکومت دہشت گردی پر اتر آتی ہے تو وہ بہت بڑی مثال قائم کرتی ہے، مارک سی ہمیشہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ انقلابی دہشت گردی، معاشرتی اور نفسیاتی انتخاب پر مبنی ہوتی ہے۔

دہشت گرد تبدیل ہوتے رہے ہیں، کل کا دہشت گرد آج کا ہیرو ہے۔

ہم دہشت گردی کی وضاحت نہیں کر سکتے لیکن یہ مغربی اقدار کے لیے خطرہ ہے، یہ

انسانیت کے لیے بھی خطرہ ہے...... دہشت ایک گہرا اور مسلط ہو جانے والا خوف ہے۔

غیر آئینی جبر و استبداد...... یہ اصطلاح صحیح ہے کیونکہ یہ دہشت گردی کا صحیح رخ دکھاتی ہے، چاہے وہ حکومت کرے یا غیر سرکاری لوگ۔ ۲۵؍اکتوبر ۱۹۸۴ء کو جارج شلز نے جو اس وقت امریکہ کے وزیر داخلہ (سیکرٹری آف سٹیٹ) تھے، نیو یارک پارک ایونیو کے سنا گوگ میں دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی۔ یہ تقریر سات صفحات پر مشتمل تھی لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ ہم جو کچھ اس سے سمجھ سکے، وہ یہ تھا:

تعریف نمبر ۱: "جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں"

تعریف نمبر ۲: "دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے"

تعریف نمبر ۳: "دہشت گردی مغربی تہذیب کے لیے ایک دھمکی کا نام ہے"

تعریف نمبر ۴: "دہشت گردی مغربی اخلاقی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے"

آپ نے غور کیا کہ ان سب وضاحتوں سے صرف ہمارے جذبات کو اُبھارا جاتا ہے، یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے، اس لیے کہ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے، تجزیے، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی۔ یہ دہشت گردی، سرکاری مواد کی دوسری خصوصیت ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ تعریف کے فقدان کے باوجود سرکاری حکام، عالمی معیار کی گفتگو سے باز نہیں آتے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ طاقت صرف عالمگیر نہیں ہوتی بلکہ ہمہ گیر ہوتی ہے، ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ کہاں حملہ کریں، ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کے ذرائع ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس معلومات حاصل کرنے کے آلات بھی ہیں، ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ شلز نے کہا:

"ہم آزادی کے لیے لڑنے والوں اور دہشت گردوں کے درمیان فرق جانتے ہیں۔ ہم چاروں طرف نظر ڈالیں تو بتا سکتے ہیں کہ کون کیا ہے؟"

۵۔ سرکاری رویے سے اسباب معلوم نہیں ہوتے۔ آپ یہ نہیں جان سکتے کہ کسی کے دہشت گرد بننے کی کیا وجہ تھی؟ دہشت گرد ہم سے صرف ہمدردی کی توقع کرتے ہیں۔

۶۔ دہشت گردی کے خلاف اخلاقی نظریہ بڑا مختلف ہوتا ہے۔ ہم ان گروہوں کو دہشت گرد گردانتے ہیں، جنہیں ہماری سرکار ناپسند کرتی ہے اور ان کی تعریف کرتے ہیں جنہیں ہمارے افسران پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ذرائع ابلاغ پر دہشت گردی کی وہی نظریاتی چھاپ ہوتی ہے۔ یہ

نقطہ نظر دوست حکومتوں کی دہشت گردی سے بھی صرف نظر کرتا ہے، جس کی ذاتی طور پر میرے لیے بہت اہمیت ہے۔

بدقسمتی سے تاریخ 'طاقت' کو پہچانتی ہے، کمزوری کو نہیں۔ لہٰذا تاریخی اعتبار سے غالب گروہوں کی پہچان زیادہ آسان ہے۔ اس حصے کا میرا آخری نکتہ یہ ہے کہ امریکہ کی سرد جنگ کی پالیسی نے دہشت گردی کو مسلسل ہوا دی ہے۔ ساموزا، باتستا، یہ سب دہشت گرد امریکہ کے دوست رہے ہیں۔ یہ آپ جانتے ہیں اور اس کا سبب بھی جانتے ہیں۔ ہم اور آپ مجرم نہیں ہیں!!

سرکاری دہشت گردی نجی بھی ہو سکتی ہے، حکومت اپنے مخالفین کے قتل کے لیے بعض افراد کو معاوضے پر رکھتی ہے...... سب سے زیادہ مہنگی دہشت گردی حکومت کی دہشت گردی ہے...... اس کے بعد مذہبی دہشت گردی کا نمبر آتا ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو بیسویں صدی میں یہ دہشت گردی نسبتاً کم ہوئی ہے...... اس کے بعد بیماری کی دہشت گردی؛ ایک تحقیق کے مطابق ۵۰ فی صد دہشت گردی کسی سیاسی وجہ کے بغیر کی گئی تھی...... محض جرائم اور مجرمانہ ذہن اس کے محرک بنے!

ہمارے دور کے فلسطینی دہشت گرد، جو سب سے بڑے دہشت گرد کہلاتے تھے، ۱۹۴۸ء میں ان کو وطن سے محروم کر دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۸ء تک وہ دنیا کی ہر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہے۔ انہوں نے ہر ملک کے دَر پر دستک دی، لیکن انہیں بتایا گیا کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور عرب ریڈیو کے ذریعے انہیں چلے جانے کا حکم دیا گیا، کوئی شخص سچائی سننے کو تیار نہیں تھا۔ آخر کار انہوں نے دہشت گردی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا، وہ ان کا اپنا ایجاد کردہ تھا اور وہ تھا جہازوں کو اغوا کرنا۔

زیادہ تر لوگ ابھی تک اس بات پر حیرت کے صدمے میں ہیں کہ وہ اُنیس افراد، جنہوں نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے جڑواں ٹاورز اور پینٹا گون کا ایک حصہ تباہ کر دیا، درمیانی طبقے کے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تربیت یافتہ افراد تھے۔ انہوں نے امریکہ کے مختلف حصوں میں موجود فلائٹ سکولوں سے طیارے اُڑانے کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ حملہ اس قدر رازداری کے ساتھ اور غیر معمولی 'ہتھیاروں' کے ذریعے کیا گیا کہ سپر پاور کی ساری خفیہ ایجنسیاں بھی اس حملے کو روک نہ سکیں۔ یہ اغوا کنندگان کوئی اَن پڑھ، انتہائی مایوس اور ناراض نوجوان نہیں تھے، جو اپنے جسموں سے چند بم باندھ کر کسی شاپنگ مال میں داخل ہو جائیں، جیسے کہ اور جگہ ہوا ہے۔ جو لوگ ان اُنیس افراد کو جانتے تھے، وہ ان کو 'عام'، 'اوسط درجے کے' اور 'صحیح دماغ' سمجھتے تھے اور کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ ایسے

ہولناک کاموں کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں گے۔

پچھلے تیس سال میں سلسلہ وار قتل اور قتل انبوہ کی سب سے بڑی تعداد ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہے۔'انسان کا شکار' نامی کتاب میں مصنف ایلیٹ لیٹن نے نکتہ اٹھایا ہے کہ

''تناسب کے اعتبار سے امریکہ، دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ قاتل پیدا کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان قاتلوں کے ذاتی، سیاسی اور مذہبی نظریات ہوں مگر یہ نہ تو کسی منظم سیاسی یا مذہبی جماعت کے رکن ہوتے ہیں اور نہ ان کی سرگرمیاں کسی پارٹی کے ایجنڈے کا حصہ، جیسا کہ آج کل دہشت گردوں کے ساتھ ہوتا ہے۔''

دہشت گرد دراصل تضاد کی علامت ہیں، بیک وقت کمزور بھی ہیں اور بہت طاقتور بھی۔ وہ گمنام بھی رہنا چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اپنی برادری کی تاریخ میں ہیرو بن کر رہے...... موت کی اہمیت کی پیمائش اس زندگی کی اہمیت سے کی جاتی ہے، جو ختم ہو چکی ہے۔قیمتی زندگی کو گھٹیا بنا دیا گیا۔

امریکہ اور دہشت گردی

سوویت یونین اور عالمی سوشلسٹ نظام کے زوال کے بعد امریکہ بلا شرکت غیرے، دنیا کی واحد سپر پاور بنا ہوا تھا۔ سوویت یونین کے حصے بخرے ہو جانے سے اور مشرقی یورپ کی سوشلسٹ جمہوریاؤں کے ختم ہو جانے کے بعد امریکہ کو عالمی سیاست اور دہشت میں کھلا میدان ملا ہوا تھا اور اسے کسی بھی سمت میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس مطلق العنان اور بے لگام طاقت کا مالک بن جانے کے بعد امریکہ پالیسی ساز دنیا کے مختلف خطوں میں اپنی پالیسیوں میں توازن اور احتیاط کا مظاہرہ کرتے، جو خود ان کی اپنی بقا اور استحکام کے لیے بھی یکساں طور پر ضروری تھا، لیکن انہوں نے طاقت کے نشے میں سب کچھ بھلا دیا اور ان معروضی حقائق کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی، جو امریکہ کو دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں سیاسی علیحدگی کی طرف لے جا رہے تھے اور اس کے لیے ناپسندیدگی اور استرداد کے جذبات کو ہوا دے رہے تھے۔

عالمی سامراجی طاقت کی حیثیت سے امریکہ کے سیاسی اور معاشی اثر و نفوذ میں اصل اضافے کا آغاز دوسری عالمی جنگ کے بعد سے ہوا۔ یہ امریکہ ہی تھا جس نے تاریخ انسانی کی سب سے بڑی دہشت گردی کا ارتکاب کیا اور اس وقت جب کہ نازی اور ان کے ایشیائی اتحادی جنگ ہار رہے تھے اور ان کی فتح کے سارے راستے مسدود ہو چکے تھے، ناگاساکی اور ہیروشیما پر

ایٹم بم مار کر لاکھوں بے گناہ جاپانی شہریوں کو، جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ساری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جاپان کی سرزمین پر امریکی حکام کی یہ کارروائی صرف ظالمانہ ہی نہیں، بلکہ قطعاً غیر ضروری بھی تھی، کیوں کہ نازی اور ان کے اتحادی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔

سی آئی اے کا کردار

سی آئی اے وہ امریکی ادارہ ہے جو ملک کے اندر بہت کم اور ملک کے باہر بہت زیادہ کام کرتا ہے اور اس ادارے کا بنیادی کام یہ رہا ہے کہ سامراجی مفادات کے تحفظ اور حصول کی غرض سے دنیا بھر میں بالعموم اور تیسری دنیا کے ممالک میں بالخصوص، ہر طرح کی سازشوں کے جال بچھائے جائیں۔ اگر ضروری ہو تو ناپسندیدہ حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کو قتل کیا جائے، ان کے خلاف مقامی تنخواہ دار ایجنسیوں کے ذریعے تحریکیں چلائی جائیں، انہیں کسی نہ کسی طور پر اقتدار سے محروم کیا جائے اور ان کی جگہ اپنے پسندیدہ اور تنخواہ دار حکمرانوں کو بدنصیب قوموں کے سروں پر مسلط کر دیا جائے۔ سوویت یونین اور عالمی سوشلسٹ نظام کے زوال کے وقت تک کی امریکی سی آئی اے کی تاریخ ایسے خوفناک اور روح فرسا واقعات سے بھری پڑی ہے۔ امریکہ نے دنیا کے ہر ملک کی قومی آزادی کی تحریک کی بھرپور مخالفت کی اور اسے ناکام بنانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ امریکی پالیسی سازوں کا سیاہ نامہ اعمال ایسے ہی واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ سی آئی اے نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک کو ہمیشہ اپنی شکار گاہ سمجھا۔ تیسری دنیا کا کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جس کے بے گناہ عوام کے خون کے چھینٹے امریکی حکمرانوں کے دامن پر موجود نہ ہوں۔

۱۹۵۶ء میں جب اسرائیل کو آگے بڑھا کر برطانیہ اور فرانس نے مصر کی قوم پرست حکومت کا خاتمہ کرنے اور نہر سویز پر اپنے غاصبانہ قبضے کو برقرار رکھنے کی غرض سے مصر پر حملہ کیا تو امریکہ اس کارروائی میں حملہ آوروں کے ساتھ تھا۔

کوریا اور ویت نام میں امریکہ برسہا برس تک مقامی باشندوں کے خون کی ہولی کھیلتا رہا اور ان دونوں چھوٹے اور کمزور ممالک کی جدوجہد آزادی کے بدترین دشمن کا کردار ادا کرتا رہا۔

ٹیکنالوجی کی شکست: یہ بات ثابت ہو گئی کہ سیکورٹی کا کوئی بھی نظام ایسا نہیں ہے، جسے ناکام نہ بنایا جا سکے۔ جدید ترین ٹیکنالوجی نے جہاں انسان کو عظیم ترین تحفظ فراہم کیا ہے، وہیں

اس عظیم ترین تحفظ کا توڑ بھی فراہم کیا ہے، کیوں کہ ٹیکنالوجی تو انسانی ذہن کی پیداوار اور دریافت ہے اور انسان کو اپنی تخلیق، اپنی پیداوار اور اپنی دریافت پر مکمل عبور اور غلبہ حاصل ہے۔ وہ اسے جس طرح سے چاہے، استعمال کر سکتا ہے جس طرح دنیا میں آج تک ایسی کوئی تجوری نہیں بن سکی جسے چور اور ڈاکو کھول یا توڑ نہ سکیں، کیوں کہ اگر تجوریاں بنانے والا انسانی دماغ ہوتا ہے تو وہی انسانی دماغ تجوریاں کھولنے اور توڑنے کی تکنیک بھی تلاش کر لیتا ہے۔ اسی طرح آج تک سیکورٹی کا کوئی ایسا نظام نہیں بن سکا جو صد فی صد کامیاب ہو، کیونکہ سیکوزٹی کا نظام بنانے والا بھی انسان ہوتا ہے اور اس میں نقب لگا کر اس کو توڑ دینے والا بھی انسان ہی ہوتا ہے۔

امریکی حکومت ملک کی اندرونی سیکورٹی پر کتنی رقم خرچ کرتی ہے؟ کتنے لوگ موجود ہیں جو رات دن اس کام میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو ریاست کے سارے وسائل پر دسترس حاصل ہوتی ہے، لیکن نتیجہ......؟ تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود چار چار طیارے ایک ساتھ اغوا کر لیے جاتے ہیں، اغوا کنندگان بڑے اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ طیاروں میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ اپنے ساتھ تیز دھار والے ہتھیار لانے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر ان اغوا شدہ طیاروں کو پچاس پچاس ٹن پٹرول سے بھرے ہوئے بموں کی طرح دنیا کی مضبوط ترین عمارتوں سے ٹکرا کر ہزاروں انسانوں کو مار ڈالتے ہیں۔

یہ بات ہم امریکیوں کی سمجھ میں کب آئے گی کہ جب تک ہم دنیا کو اپنے ہی مفاد کی غرض سے چلاتے رہیں گے ہمیں کسی نہ کسی کے انتقام کا نشانہ ضرور بننا پڑے گا۔ جب تک ہم اپنے انداز کی دہشت گردی چلاتے رہیں گے، اس وقت تک کوئی جنگ بھی دہشت گردی ختم نہیں کر سکتی۔

امریکہ کا دوغلا کردار

ہمیں امریکہ کی حمایت کا دم بھرنے والے عرب ملکوں کے طرزِ عمل پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ جب ان کے خلاف دہشت گردی ہوتی ہے تو وہ مغرب کو نظر نہیں آتی۔ عرب ممالک طویل عرصہ سے امریکہ اور برطانیہ سے کہہ رہے ہیں کہ دہشت گردوں کو سیاسی پناہ نہ دیں مگر مغربی جمہوریتوں نے ان کی کوئی بات نہیں مانی۔ اسامہ ان کے ملکوں میں گھومتا پھرتا رہا ہے مگر اس وقت وہ ان کا آدمی تھا۔ اس کے برعکس جب دہشت گرد مغربی ملکوں پر حملے کرتے ہیں تو عرب ملکوں کو دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی اتحاد میں شامل ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ مجبوری کے تحت اتحاد میں شامل ہو جاتے ہیں، جس کا اعلان ان کا ترجمان شکایت کے لہجے میں کرتے ہوئے کہتا

ہے...... ''لیکن افغانستان میں حکومت سے کون تعاون کرتا ہے؟''

دہشت گردی کے خلاف جنگ نفرت کی آگ کو مزید بھڑکائے گی کیونکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں عراق، فلسطینی عوام اور دنیا بھر میں ظلم وتشدد اور جبر و استحصال کے شکار لوگ، امریکہ کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

⊙ یہ بات بہت جلدی بھلا دی جاتی ہے کہ اسامہ بن لادن کو تربیت دینے والے اور ہتھیار فراہم کرنیوالے امریکی ہی تھے، جو اب اس بات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ وہ افغانستان کو استعمال کر رہے تھے تا کہ سوویت روس کے استحکام کو نقصان پہنچا سکیں اور وہ یہ کام افغانستان پر روسی حملے سے بھی پہلے سے کر رہے تھے۔ کتنے لوگ اس کھیل میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟ جسے سابق صدر کارٹر کے مشیر زبگنیو برزینسکی نے 'شطرنج کی بساطِ عظیم' قرار دیا تھا اور کتنے ہی دہشت گرد ہیں؛ ایشیا میں، براعظم وسطی امریکہ میں بلقان ریاستوں میں اور مشرقِ وسطیٰ میں جو 'آزاد دنیا' کے استعمال کے بعد کھلے چھٹے پھر رہے ہیں۔

⊙ جرمن سائنس دان ورنروان براؤن 'شر' تھا جب اس نے وی ٹو راکٹ ایجاد کیے، جو ہٹلر نے لندن پر برسا دیے، مگر اس دن مجسمہ خیر میں تبدیل ہو گیا، جب اس نے اپنی مہارت امریکہ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

⊙ صدام حسین خیر تھے اور ان کے کیمیائی ہتھیار بھی اچھے، جو وہ ایرانیوں اور کردوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ پھر وہ شر بن گئے، ان کو 'شیطان' بھی کہا گیا۔ جب امریکہ نے، جس نے ابھی پانامہ پر حملہ کیا ہی تھا، عراق پر دھاوا بول دیا، اس لیے کہ عراق نے کویت پر حملہ کیا تھا۔ والد بزرگوار بش، شر کے خلاف اس جنگ کے ذمہ دار تھے۔ جو انسانی اور ہمدردانہ جذبہ ان کے اس خاندان سے مخصوص ہے، اس سے کام لیتے ہوئے انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ عراقیوں کو ہلاک کر ڈالا، جن کی غالب اکثریت شہریوں کی تھی۔

'شیطان' جہاں تھا، اب بھی وہیں ہے، مگر انسانیت کا یہ اوّل نمبر دشمن اب پیچھے چلا گیا ہے اور دشمن نمبر دو کے درجے پر پہنچ گیا ہے۔ دنیا کے آزار کا نام اب اسامہ بن لادن ہے۔ وہ دہشت گردی کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے، اسے سی آئی اے نے سکھایا ہے۔ بن لادن، جس سے امریکہ نے محبت کی اور مسلح کیا، افغانستان میں کمیونزم کے خلاف 'آزادی کے مجاہدین' میں سے تھا۔ والد بزرگوار بش اس وقت نائب صدر تھے، جب صدر ریگن نے کہا تھا کہ یہ ہیرو 'امریکہ کے

بنیاد گزار آباؤ اجداد کا اخلاقی نعم البدل ہیں۔" وہائٹ ہاؤس کی اس رائے سے ہالی وڈ کو بھی اتفاق تھا، ان دنوں 'ریمبو 3' کی فلم بندی ہو رہی تھی، افغان مسلمان خیر تھے، پسر بش کے عہد میں...... محض تیرہ سال بعد، اب وہ بدترین شر بن گئے ہیں!!

ہنری کسنجر ان پہلے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس المیے پر یہ کہہ کر ردّعمل ظاہر کیا کہ "دہشت گردوں جتنے ہی مجرم وہ لوگ بھی ہیں جو انہیں تعاون، معاشی امداد اور محرک فراہم کرتے ہیں۔" انہوں نے اُن الفاظ میں اعلان کیا، جو صدر بش نے چند گھنٹوں بعد دہرا دیے۔ اگر یہ بات درست ہے تو سب سے پہلے جس پر بم پڑنا چاہیے، وہ کسنجر خود ہیں۔ وہ جتنے جرائم کے گناہ گار ہیں، ان کی تعداد بن لادن اور باقی دنیا کے دہشت گردوں سے کہیں زیادہ ہے اور بہت زیادہ ملکوں میں کئی امریکی حکومتوں کے لیے کام کرتے ہوئے انہوں نے 'تعاون، معاشی امداد اور محرک' فراہم کیا۔ اس ریاستی دہشت گردی کے لیے جو انڈونیشیا، کمبوڈیا، قبرص، ایران، جنوبی افریقہ، بنگلا دیش میں برپا ہوئی اور جنوبی امریکی براعظم کے ان ملکوں میں بھی جو 'پلان کونڈور' کی غلیظ جنگ کا نشانہ بنے!!

دہشت گردی کی مختلف صورتیں

دہشت گردی کی مختلف صورتوں کے درمیان بہت مماثلت ہے............ دستکاری والی دہشت گردی اور اعلیٰ ترین ٹیکنولوجیکل سطح کی دہشت گردی، مذہبی کٹر پنتھیوں کی دہشت گردی اور مارکیٹ کے کٹر پنتھی، بے یار و مددگار لوگوں کی دہشت گردی اور طاقتور لوگوں کی دہشت گردی، پاگل جنونیوں کی دہشت گردی اور وردی پوش پیشہ وروں کی دہشت گردی۔ ان سب میں قدرِ مشترک انسانی زندگی کے لیے حقارت ہے۔ ہزاروں شہریوں کا قتل جو ٹریڈ سینٹر کے ٹوئن ٹاورز کے ملبے تلے دَب کر مارے گئے، جب وہ ریت کے محل کی طرح ڈھیر ہو گئے اور گوائٹے مالا کے دو لاکھ باشندوں کا قتل، جس کی اکثریت 'دیسی' تھی، جو جل کر بجھ گئے اور دنیا کے کسی ٹی وی یا اخبار نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ گوائٹے مالا کے ان لوگوں کو کسی انتہا پسند مسلمان نے موت کے گھاٹ نہیں اتارا تھا بلکہ ان دہشت گرد سپاہیوں کے ہاتھوں وہ موت کے گھاٹ اُترے تھے جن کو امریکہ کی ایک حکومت کے بعد دوسری حکومت سے 'تعاون، معاشی امداد اور محرک' حاصل ہوا۔

بن لادن کی ملک بدری سے متعلق امریکی مطالبات پر طالبان کا ردِّعمل اتنا معقول رہا ہے

کہ وہ خود طالبان کے کرداراور رویے سے لگا نہیں کھاتا۔ انہوں نے کہا ہے کہ ثبوت لائیں، تب ہم اسے آپ کے حوالے کر دیں گے!''

وہ ان کئی وجوہات میں سے ایک کا تذکرہ بھی کرتی ہیں جن کے باعث متذکرہ فریم ورک واشنگٹن کے لیے قابل قبول نہیں۔ فرض کریں کہ ایران، کارٹر اور ریگن انتظامیہ کے اعلیٰ سطح کے افسران کی ملک بدری کا مطالبہ کرتا اور ان جرائم کے ثبوت پیش کرنے سے انکار کر دیتا، جن کا الزام وہ ان پر دھرنے جا رہا تھا اور ان کے جرائم چاہے واقعی ایک حقیقت ہوتے۔ یا فرض کریں کہ نکاراگوا اقوام متحدہ میں امریکہ کے سفیر کی ملک بدری کا مطالبہ کرتا، جسے اب 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کی قیادت کرنے کے لیے تعینات کر دیا گیا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کا ریکارڈ یہ ہے کہ اس نے ہنڈوراس کی صحیح معنوں میں ایک جاگیر کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں اور جہاں وہ ان ریاستی دہشت گردوں کے مظالم سے یقیناً آگاہ تھا، جن کی وہ پشت پناہی کر رہا تھا اور جو اس دہشت گردانہ جنگ کے اُمور کی بھی دیکھ بھال کر رہا تھا، جس کے لیے عالمی عدالت اور سلامتی کونسل نے امریکہ کی مذمت کی (ایک ایسی قرارداد میں جسے امریکہ نے ویٹو کر دیا) اور اس طرح کی گئی دوسری مثالیں ہیں۔ کیا امریکہ خواب میں بھی ان مطالبات کا جواب دینے کا سوچ سکتا ہے جبکہ کوئی ثبوت بھی پیش نہ کیا گیا ہو یا اگر کافی ثبوت پیش کر بھی دیئے گئے ہوں۔

گزشتہ ۵۰۰ سال میں کیا ہوتا رہا؟ یورپ اور اس کے بغل بچہ شمالی امریکہ اور بحرالکاہل کے ممالک باقی دنیا کو سینکڑوں برس سے فتح کرتے چلے آرہے ہیں اور وہ بھی کسی خوشگوار طریقے سے نہیں۔ ان برسوں میں کانگو نے بلجیم کے ایک کروڑ افراد کو قتل نہیں کیا، معاملہ اس کے اُلٹ تھا۔ ہندوستان نے انگلستان پر حملہ نہیں کیا، الجزائر نے فرانس پر چڑھائی نہیں کی۔ جب ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے فلپائن فتح کیا تو امریکیوں نے سینکڑوں ہزاروں افراد قتل کر دیے مگر فلپائن نے امریکہ پر دھاوا نہیں بولا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی قومی سرزمین (میں 'قومی سرزمین' کی بات کر رہا ہوں، جاپان نے تو اس کی دونوں آبادیوں پر بمباری کی تھی) ۱۸۱۲ء کی جنگ کے بعد سے کبھی خطرے کا شکار نہیں ہوئی، جب برطانیہ نے واشنگٹن کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ یورپ میں بھی قاتلانہ جنگیں ہوتی رہی ہیں، لیکن یہ یورپی خود تھے جو ایک دوسرے کو حیران کن رفتار سے ذبح کرتے رہے۔ سترہویں صدی کی ایک جنگ میں جرمنی کی ایک تہائی آبادی ہلاک کر دی گئی تھی اور بیسیویں

صدی کے بارے میں تو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن ہوتا یہی رہا کہ بندوقیں ہمیشہ ہم سے دوسری طرف ہی رخ کیے رہیں۔ اب پہلی مرتبہ اتنی قابل ذکر سطح پر یہ ہوا ہے کہ بندوقوں کا رخ ہماری طرف ہے، اس لیے صدمے کی بات تو یہ ہے اور اسی باعث ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم ہیں کون اور ہم نے کیا کیا ہے!!

فرض کریں آپ امریکہ کے کسی صدر کو انصاف تک پہنچانے کے لیے عدالتی کارروائی کی بات کریں، وہ بھی تو ہولناک دہشت گردانہ اقدامات کے مجرم ہیں۔ اس سب کا ایک رستہ موجود ہے، اس سلسلے میں نظائر موجود ہیں۔ ۸۰ء کی دہائی میں نکاراگوا، امریکہ کے ایک پرتشدد حملے کا نشانہ بنا، جس میں لاکھوں ہزار لوگ مارے گئے۔ ملک کافی حد تک تباہ کر دیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ اب اس کے اثرات سے کبھی نہ نکل سکے۔ اس ملک پر اس حملے کے جو اثرات ہوئے وہ اگلے روز نیویارک میں پیش آنے والے سانحوں سے شدت میں کہیں بڑھ کر تھے۔ نکاراگوا والوں نے واشنگٹن میں بم دھماکے کرا کے جواب نہیں دیا، وہ عالمی عدالت گئے، جس نے انکے حق میں فیصلہ دیا اور امریکی مداخلت کو 'طاقت کا غیر قانونی استعمال' قرار دے کر اسکی مذمت کی۔ 'طاقت کا غیر قانونی استعمال' کا مطلب ہے بین الاقوامی دہشت گردی۔ عدالت نے امریکہ کو آئندہ اس عمل سے باز رہنے اور کافی تعداد میں زرِ تلافی ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔

اقوام متحدہ سے، جو اب اپنی اہمیت کھو کر محض ایک بے اثر مخفف رہ گئی ہے، ان ہوائی حملوں کی رسمی اجازت لینے تک کا تکلف نہیں کیا گیا۔ (جیسا کہ میڈلین البرائٹ نے ایک بار کہا تھا "امریکہ کے لیے جب ممکن ہوتا ہے تو وہ سب کے ساتھ مل کر کارروائی کرتا ہے اور جب وہ ضروری سمجھتا ہے تو تن تنہا کارروائی کرتا ہے۔") دہشت گردوں کے خلاف 'شہادتوں' کو اتحاد میں شامل دوست ملکوں کو دکھایا گیا۔ ان دوست ملکوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کے بعد اعلان کیا کہ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ یہ شہادتیں کسی عدالت کے لیے قابل قبول ہوں گی یا نہیں؟ اس طرح صدیوں کے عرصے میں وضع کیے جانے والے عدالتی طریق کار کو لمحے بھر میں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔

افغانستان پر بمباری واشنگٹن اور نیویارک میں ہونے والے واقعات کا بدلہ نہیں ہے، یہ دنیا کے لوگوں کے خلاف کی جانے والی دہشت گردی کی ایک اور کارروائی ہے۔ ہلاک کیے جانے والے ایک ایک فرد کو واشنگٹن اور نیویارک میں مارے جانے والوں کی مجموعی تعداد میں شامل کیا

جانا چاہیے۔

امریکہ......ایک خونخوار ریاست

دوسری جنگ عظیم کے بعد کے عرصے میں امریکہ نے جن ملکوں سے جنگ کی اور جن پر بمباری کی، ان کی فہرست یہ ہے:

چین (۴۶/۱۹۴۵ء، ۵۳/۱۹۵۰ء)، کوریا (۵۳-۱۹۵۰ء)، گوانٹے مالا (۱۹۵۴ء، ۴۹-۱۹۶۷ء)، انڈونیشیا (۱۹۵۸ء)، کیوبا (۶۰-۱۹۵۹ء)، بلجین کانگو (۱۹۶۴ء)، پیرو (۱۹۶۵ء)، لاؤس (۷۳-۱۹۶۴ء)، ویت نام (۷۳-۱۹۶۱ء)، کمبوڈیا (۷۰-۱۹۶۹ء)، گریناڈا (۱۹۸۳ء)، لیبیا (۱۹۸۶ء)، ایل سلواڈور (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ)، نکاراگوا (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ)، پانامہ (۱۹۸۹ء)، عراق (۹۹-۱۹۹۱ء)، بوسنیا (۱۹۹۵ء)، سوڈان (۱۹۹۸ء)، یوگوسلاویہ (۱۹۹۸ء) اور اب افغانستان (۲۰۰۲ء)......!

یقیناً دنیا کا یہ آزاد ترین ملک تھکنے کا نام نہیں لیتا۔ لیکن وہ کس قسم کی آزادی ہے جس کا پرچم یہ ملک بلند کر رہا ہے؟ اپنی سرحدوں کے اندر فکر، مذہب اور اظہار کی آزادی، تخلیقی اظہار، غذائی عادات اور (کسی حد تک) جنسی ترجیحات کی آزادی اور اس کے علاوہ بھی کچھ نہایت شاندار اور مثالی چیزوں کی آزادی۔ لیکن اپنی سرحدوں کے باہر تسلط قائم کرنے، تذلیل کرنے اور غلام بنانے کی آزادی...... جو عموماً امریکہ کے اصل مذہب یعنی 'آزاد تجارت' کے فروغ کے لیے ہے۔ اس لیے امریکہ جب اپنی کسی نئی جنگ کو لامتناہی انصاف یا پائیدار آزادی کا نام دیتا ہے تو ہم تیسری دنیا کے لوگ خوف سے لرز اٹھتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے لامتناہی انصاف کا مطلب کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ لامحدود ناانصافی ہوگا اور جو شے کچھ لوگوں کے لیے پائیدار آزادی ہے، وہ دوسروں کیلئے پائیدار غلامی ثابت ہوگی۔

دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد، دراصل دنیا کے امیر ترین ملکوں کا گٹھ جوڑ ہے۔ دنیا کا تقریباً تمام اسلحہ یہی ملک تیار اور فروخت کرتے ہیں۔ دنیا میں بڑے پیمانے پر ہلاکت پھیلانے والے...... کیمیائی، حیاتیاتی اور ایٹمی ہتھیاروں کے سب سے بڑے ذخیرے ان ہی ملکوں کے پاس ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ جنگیں ان ہی ملکوں نے لڑی ہیں۔ یہی جدید تاریخ میں نسل کشی، غلامی، نسلی تطہیر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے بیشتر واقعات کے ذمہ دار ہیں اور انہوں نے

بے شمار آمروں اور مطلق العنان حکمرانوں کو حمایت، مالی تعاون اور اسلحے کی مدد فراہم کی ہے۔ ان ملکوں نے تشدد کے عمل کی پرستش کر کے اسے تقریباً اُلوہی درجہ بخش دیا ہے۔ طالبان اپنے تمام تر گناہوں کے باوجود اس گروہ میں شامل ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

بیس برس کے عرصے میں سوویت یونین اور امریکہ نے مل کر ۴۵ بلین ڈالر کی مالیت کا اسلحہ افغانستان میں جھونکا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے اس معاشرے میں جدید دور کی اگر کوئی شئے پہنچی ہے تو وہ یہی جدید ترین اسلحہ ہے۔ ذرا اس منظر نامے کو اُلٹ کر دیکھنے کی کوشش کیجئے، تصور کیجئے کہ طالبان حکومت نیویارک شہر پر بمباری کرتی ہے، متواتر یہ بات کہتے ہوئے کہ اس کا اصل ہدف امریکی حکومت اور اس کی پالیسیاں ہیں اور فرض کیجئے بمباری کے درمیانی وقفوں میں طالبان، افغان پرچم سے سجے ہوئے غذائی پیکٹ گراتے ہیں، جن میں نان اور کباب موجود ہیں۔ کیا نیویارک کے بھلے لوگ اس بات پر کبھی افغان حکومت کو معاف کر سکیں گے؟ خواہ وہ کتنے ہی بھوکے ہوں، خواہ وہ اسے کھانے پر مجبور ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ وہ اس توہین، اس ذلت کو کس طرح فراموش کر سکیں گے؟ نیویارک کے میئر روڈی جیولیانی نے ایک سعودی شہزادے کی طرف سے بھیجا جانے والا ایک کروڑ ڈالر کی امدادی رقم کا چیک لوٹا دیا...... کیوں کہ اس کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی پالیسی کی بابت ایک دوستانہ مشورہ بھی منسلک تھا۔ <u>کیا خودداری ایک ایسی عیاشی ہے، جو صرف دولت مندوں کے لیے مخصوص ہے......؟</u>

طیش کو مٹانے کے بجائے بھڑکانے کی یہی کوششیں ہیں جو دہشت گردی کو پیدا کرتی ہیں۔ نفرت اور انتقام ایک ساتھ باہر آ جائیں تو پھر واپس جا کر اپنے صندوق میں بند ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہر 'دہشت گرد' یا اس کے 'حامی' کے ہلاک ہونے کے نتیجے میں اس بات کا خاصا امکان موجود ہے کہ اس کی جگہ مستقبل میں کئی دہشت گرد پیدا ہوں گے۔

ایک لمحہ کے لئے اس حقیقت پر غور کیجئے کہ دنیا ابھی تک 'دہشت گردی' کی کوئی قابلِ قبول تعریف متعین نہیں کر سکی ہے۔ جو شخص ایک ملک کے لیے دہشت گرد ہے، وہ دوسرے ملک کے نزدیک مجاہدِ آزادی ہے۔ اس پورے معاملے کی تہہ میں تشدد کی بابت دنیا کا دوہرا رویہ کارفرما ہے۔ ایک بار تشدد کو جائز سیاسی حربے کے طور پر تسلیم کر لینے کے بعد دہشت گردوں (باغیوں یا آزادی کے مجاہدوں) کے اخلاقی اور سیاسی طور پر قابلِ قبول ہونے کی بات ایک دشوار اور اوبڑ کھابڑ رستے پر سفر کے مترادف ہو جاتی ہے۔ امریکی حکومت نے دنیا کے مختلف خطوں میں بڑی تعداد میں باغیوں اور شر پسندوں کو رقم، ہتھیار اور پناہ فراہم کی ہے۔ سی آئی اے اور پاکستانی آئی

ایس آئی نے مجاہدین کو تربیت اور اسلحے سے لیس کیا، جنہیں ۱۹۸۰ء کے عشرے میں سوویت مقبوضہ افغانستان کی حکومت 'دہشت گرد' تصور کرتی تھی۔ صدر ریگن نے ان کے ساتھ گروپ فوٹو بنوایا تھا اور انہیں امریکہ کے بنیاد گزار رہنماؤں کے مساوی قرار دیا تھا۔

افغانستان پر امریکی یلغار...... حقیقت کیا ہے؟

کارلائل گروپ دفاعی شعبے میں سرمایہ کاری کرتا ہے اور فوجی تنازعات اور اسلحے پر کیے جانے والے اخراجات کے ذریعے منافع کماتا ہے۔ جس کے زیر انتظام ۱۲ ارب بلین ڈالر کا سرمایہ ہے۔

یاد رکھیے، صدر جارج بش (جونیئر) اور نائب صدر ڈک چینی دونوں نے اپنی دولت امریکی تیل کی صنعت میں کام کر کے کمائی ہے۔ ترکمانستان میں، جو افغانستان کی شمال مغربی سرحد پر واقع ہے، دنیا کے تیسرے سب سے بڑے گیس کے ذخیرے اور تیل کے چھ ارب بیرل کے ذخیرے موجود ہیں۔ گیس اور تیل کے یہ ذخائر، ماہرین کے کہنے کے مطابق، امریکہ کی توانائی کی ضروریات کو اگلے تیس سال تک (اور کسی ترقی پذیر ملک کی ضروریات کو کئی صدیوں تک) پورا کر سکتے ہیں۔ امریکہ نے تیل کو ہمیشہ اپنے سلامتی کے معاملات میں شامل کیا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے ہر قسم کے اقدامات کو جائز سمجھا ہے۔ ہم میں سے کم ہی لوگوں کو اس بات پر شبہ ہوگا کہ خلیج فارس کے علاقے میں امریکہ کی فوجی موجودگی کا تعلق انسانی حقوق کی بابت اس کی تشویش سے بہت کم اور تقریباً مکمل طور پر تیل کے شعبے میں اس کے اسٹریٹیجک مفاد سے ہے۔

اسٹریٹیجک، فوجی اور اقتصادی وجوہ سے یہ امریکی حکومت کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے عوام کو یہ باور کرائے کہ آزادی، جمہوریت اور امریکی طرزِ زندگی سے ان کی وابستگی خطرے کی زد میں ہے۔ صدمے، غم اور غصے کے موجودہ ماحول میں اس تصور کو مقبول بنانا آسان کام ہے۔ تاہم، اگر یہ تصور حقیقت پر مبنی ہوتا تو بات سمجھنا سخت دشوار ہے کہ حملے کے لیے امریکہ کی اقتصادی اور فوجی بالادستی کی علامات، یعنی ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹاگون، کو کیوں منتخب کیا گیا، ان کے بجائے مجسمہ آزادی پر حملہ کیوں نہ کیا گیا؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ حملے کا محرک امریکی آزادی اور جمہوریت نہیں بلکہ وہ تاریخی حقائق ہوں جن کی رو سے امریکہ نے ہمیشہ (امریکہ سے باہر) آزادی اور جمہوریت کے عین ضد...... یعنی فوجی اور معاشی دہشت گردی، انتشار، فوجی آمریت، مذہبی شدت پسندی اور ناقابل تصور نسل کشی...... کی عملی طور پر حمایت کی ہے؟...... امریکی عوام کے لیے، جو ابھی ابھی اتنے

بڑے صدمے سے دوچار ہوئے ہیں، بلاشبہ اس بات کا سامنا کرنا بہت دشوار ہے کہ وہ اپنی آنسو بھری آنکھیں دنیا کی طرف اُٹھائیں اور انہیں دنیا کی آنکھوں میں بے اعتنائی دکھائی دے۔ یہ بے اعتنائی نہیں ہے، یہ محض تعجب کی غیر موجودگی ہے۔ اس بات کا گھسا پٹا شعور ہے کہ جو کچھ دوسروں کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہ بالآخر اپنے ساتھ بھی پیش آتا ہے۔ امریکی عوام کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ نفرت کا ہدف وہ نہیں بلکہ ان کی حکومت کی پالیسیاں ہیں۔ ان کو اس بات پر ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے غیر معمولی موسیقاروں، ادیبوں، اداکاروں، ان کے شاندار کھلاڑیوں اور ان کی فلموں کو دنیا بھر میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ ۱۱؍ستمبر کے حملوں کے بعد ان کے آگ بجھانے والوں، جان بچانے والوں اور عام سرکاری اہلکاروں نے جس حوصلے اور وقار کے ساتھ اپنے فرض انجام دیئے، اس سے ہم سب متاثر ہوئے ہیں!!

۱۹۹۶ء میں میڈلین البرائٹ سے، جو اس وقت امریکی وزیر خارجہ تھی، قومی ٹیلی ویژن پر یہ سوال کیا گیا تھا کہ جو پانچ لاکھ عراقی بچے امریکہ کی جانب سے لگائی گئی اقتصادی پابندیوں کے نتیجے میں ہلاک ہوئے ہیں، ان کے بارے میں وہ کیا محسوس کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک بے حد دشوار انتخاب ہے لیکن ساری چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس کا خیال ہے کہ یہ امریکی مقاصد کے حصول کی مناسب قیمت ہے۔ یہ جواب دینے پر البرائٹ کو اس کی ملازمت سے برطرف نہیں کیا گیا۔ وہ امریکی حکومت کے خیالات اور احساسات کی نمائندگی کرتے ہوئے بدستور دنیا بھر کے دورے کرتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عراق پر لگائی گئی پابندیاں بدستور برقرار ہیں، بچے اب بھی ہلاک ہو رہے ہیں!!

امریکی حکومت کے لیے یہ سوچنا بھی انتہائی لغویات ہے کہ وہ تشدد اور جبر میں اضافہ کر کے دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرسکتی ہے۔ دہشت گردی صرف علامت ہے، مرض نہیں۔ دہشت گردی کا کوئی ملک نہیں ہے۔ وہ کوک، پیپسی اور نائیک کی طرح ایک بین الاقوامی، گلوبل کاروبار ہے۔ گڑبڑ کا ذرا سا اشارہ ملنے پر دہشت گرد اپنا کاروبار سمیٹ کر اپنی فیکٹریوں کو کسی دوسرے ملک میں منتقل کرسکتے ہیں۔ بالکل ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کی طرح......!!

حال ہی میں کسی نے کہا تھا کہ اگر اسامہ بن لادن کا وجود نہ ہوتا تو امریکہ کو اسے ایجاد کرنا پڑتا۔ لیکن ایک طرح سے اسے امریکہ نے ہی ایجاد کیا ہے۔ وہ ان جہادیوں میں سے ہے جو ۱۹۷۹ء میں افغانستان میں سی آئی اے کا آپریشن ہونے کے کچھ عرصے بعد وہاں پہنچے تھے۔ بن

لادن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسے سی آئی اے نے پیدا کیا اور اب وہ ایف بی آئی کو مطلوب ہے۔

لیکن درحقیقت اسامہ بن لادن کون ہے؟ بلکہ مجھے سوال دوسرے طریقے سے پوچھنا چاہیے، درحقیقت اسامہ بن لادن کیا ہے؟ یہ امریکہ کا خاندانی راز ہے، یہ امریکی صدر کا خفیہ ہمزاد ہے، ان تمام چیزوں کا وحشی توام جو تہذیب یافتہ اور خوب صورت ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ دنیا کو امریکی خارجہ پالیسیوں نے...... گن بوٹ ڈپلومیسی، ایٹمی ہتھیاروں کے ذخیرے، پوری دنیا پر تسلط کے بھونڈے پن سے ظاہر کیے ہوئے عزائم، غیر امریکی لوگوں کی جانوں سے پُر تحقیر بے نیازی، امریکہ کی وحشیانہ فوجی مداخلتوں، آمرانہ اور ظالم حکومتوں کو ملنے والی امریکی حمایت اور غریب ملکوں کی معیشت پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کرنے والے بے رحم امریکی ایجنڈے نے...... دنیا کو جس فالتو پسلی کی بے مصرف حیثیت بخش دی ہے، اسامہ بن لادن کو اسی فالتو پسلی سے تخلیق کیا گیا ہے۔

جنگی نعرے، قوم پرستانہ تقریریں اور تیز و تند طوفانی حملے، اکثر اپنا اُلٹ ہی رخ اختیار کرتے ہیں۔ افہام اور تفہیم میں اضافے کے بجائے، مغرب کے کئی حالیہ اقدامات، رویے اور پالیسیاں بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کو امن سے دور لیے جا رہی ہیں۔ ان میں ویزا کی وہ پابندیاں بھی شامل ہیں جو مغربی یورپ کے کئی ممالک نے یورپی اتحاد سے باہر کے ملکوں پر عائد کر دی ہیں۔ قانون میں سختی کے وہ اقدامات بھی جو مسلمانوں اور غریب اقوام کے باشندوں کی نقل و حمل کو روک دیں گے۔ اسلام اور ہر غیر مغربی چیز کی بابت شکوک و شبہات، جارحانہ اور سوقیانہ زبان، جو پوری کی پوری اسلامی تہذیب کو دہشت اور مذہبی جنون کا علمبردار سمجھتی ہے۔ استنبول کے ایک فلاکت مارے بوڑھے کو کیا چیز ایک لمحے کے غصے میں نیویارک پر دہشت گردی کے حملے کی توثیق پر اکساتی ہے یا اسرائیلی جارحیت سے بیزار آ جانے والے ایک فلسطینی نوجوان کو ان طالبان کی مدح پر مائل کرتی ہے، جو عورتوں پر تیزاب اس لیے پھینک دیتے ہیں کہ وہ چہرہ کھلا رکھتی ہیں۔ یہ اسلام نہیں ہے، جسے احمقانہ طور پر مشرق اور مغرب کے درمیان تصادم قرار دیا گیا ہے، نہ یہ غربت ہے۔ یہ بیچارگی کا وہ احساس ہے جس کا خمیر ذلت اور بربادی سے اُٹھتا ہے، اپنی بات سمجھا سکنے اور دوسروں تک اپنی آواز پہچانے میں ناکامی سے اٹھتا ہے۔

تیل کی جنگ

مذاہب کے بیک وقت سیاسی، معاشی، سماجی اور تہذیبی نظریات ہوتے ہیں، جن کو ان کی روحانی جہات سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ جسم اور روح کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور کسی بھی ملک میں

سیاست کو مذہب سے کاٹ کر علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ پچھلے چند ہفتوں میں یہ حقیقت جس طرح آشکار ہوئی ہے، وہ کسی اندھے کو بھی نظر آ سکتی ہے۔ بش، بلیر، بن لادن اور پوپ، ایک ہی زبان بول رہے ہیں۔ یہ سب خدا کا نام لے رہے ہیں اور تیل کے بارے میں سوچ رہے ہیں!!

افغانستان سے جنگ شروع کرتے ہوئے صدر بش کی تقریر سے مذہب برس رہا تھا، وہ 'بدی' اور شیطان (بن لادن) سے جنگ شروع کر رہے تھے، جس کا مقصد ابدی انصاف کا حصول تھا۔ گیارہ برس قبل ان کے والد، بڑے بش نے اس وقت کے 'ابلیس' صدام حسین کے خلاف خلیج میں 'نیکی' کی جنگ لڑی تھی اور پوپ کے دورۂ ازبکستان کو بھی نہ بھولیے، کیسپین کے خطے میں وہ دوسرے ممالک بھی گئے، افغانستان پر حملے کے لیے روحانی راستہ ہموار کرنا تھا، جس کے بعد اسے خطے کے وافر تیل کے ذخائر پر اختیار قائم ہوگا۔

ہمارے خطوں میں خدا کا نام جنگ کے اصل سبب کو چھپانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ اصل سبب تیل ہے۔ افریقہ میں 'خدا' کا لفظ ہیروں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ بڑے بش نے خلیج میں تیل کی جنگ کو یت کو 'ابلیس' سے آزاد کرانے کی جنگ کا نام دیا، چھوٹے بش افغانستان میں تیل کی جنگ کو 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' اور 'عورتوں کو شیطان سے نجات دلانے کی جنگ' کا نام دے رہے ہیں، لیکن امریکہ کی تیل کی پالیسیاں چھپائی نہیں جا سکتیں۔

سوویت یونین کے زوال کے بعد ترکی سے لے کر چین تک درمیان پڑنے والے ممالک حریصانہ شکاری نگاہوں کی زد میں ہیں۔ امریکہ کو اگر واحد بالاتر عالمی قوت بنے رہنا ہے تو عرب خطوں اور کیسپین خطوں کے توانائی کے ذرائع پر قبضہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ کیسپین کے ذخائر پر قبضہ کر کے عرب ذخائر کا نعم البدل بھی مل سکتا ہے۔ ہمارے خطے میں جب سے تیل دریافت ہوا ہے، خدا کا نام تیل کے لیے ہی استعمال ہو رہا ہے۔ مابعد جدیدیت دور کے لوگوں نے خدا کی جگہ تہذیب اور ثقافت کو دی تھی، اسی لیے 'تہذیبوں کے تصادم' کے نظریے نے جنم لیا۔ یاد کیجیے کہ 'خدا' دراصل 'تیل' کی جگہ استعمال ہو رہا ہے۔ چوں کہ تیل عرب میں تھا، لہٰذا اسلام اور مغرب میں تہذیبی تصادم تو ہونا ہی تھا۔

۱۹۳۲ء میں کویت، بحرین اور سعودی عرب میں تیل دریافت ہونے کے بعد سے تیل کے حصول کی یہ کشمکش جاری ہے۔ امریکہ اور سابق سوویت یونین کے مابین کشمکش کا یہ اہم حصہ تھا۔ یہ کوئی تہذیبوں کا تصادم نہیں تھا۔ ۱۹۴۸ء میں امریکہ اور برطانیہ نے تیل پر اختیار قائم رکھنے کے

لیے اسرائیل کی ریاست کے قیام میں مدد دی۔ مصر، ایران، شام، عراق اور سعودی عرب میں تیل پر امریکی اختیار کی ہر مزاحمت کو ختم کرنے کیلئے، سی آئی اے سرگرم رہی۔ شام میں ۱۹۴۹ء کا اور ایران میں ۱۹۵۳ء کے انقلابات یاد کیجیے، اسکے بعد ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کی جنگیں ہوئی۔ ان جنگوں میں میرے گاؤں کے کتنے جوان مارے گئے تھے؟ مگر اتنے برس میں ایک بار بھی میں نے جنگ کے سبب کیلئے 'تیل' کا لفظ نہیں سنا، صرف خدا کا نام سنا۔

بش، افغانستان میں ریڈ کراس اور شہریوں پر بم برساتے ہیں اور کروڑوں مسلمان انہیں دہشت گرد سمجھتے ہیں۔ بن لادن، ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹا گون پر حملہ کرتے ہیں اور مسلمان انہیں مجاہد آزادی قرار دیتے ہیں۔ مہذب امریکی، جیسے سینٹر جرمی ہیل مز، مجوزہ بین الاقوامی ٹریبونل کو اس شرط پر قبول کرنے کو تیار ہیں کہ امریکہ اس کے دائرۂ اختیار میں شامل نہ ہو۔ میڈلن البرائٹ جیسی مہذب خواتین کے خیال میں ہر ماہ پانچ ہزار عراقی بچوں کی موت، امریکی عیسائی اقدار اور تیل کے تحفظ کے لیے قابل قبول ہیں۔

حسب معمول ہمیں بتایا گیا کہ افغانی ہمارے دشمن نہیں ہیں، یہی ہم نے اس وقت کہا تھا جب ۱۹۹۱ء میں عراق پر بمباری کی تھی اور یہی ہم نے اس وقت کہا تھا جب ۱۹۸۵ء میں لیبیا پر بمباری کی تھی اور یہی امریکیوں نے اس وقت کہا تھا جب انہوں نے ۱۹۸۲ء میں لبنان پر گولہ باری کی تھی اور یہی فی الحقیقت ہم نے مصریوں سے کہا تھا جب ہم نے ۱۹۵۶ء میں نہر سوئز کی وجہ سے ان پر بمباری کی تھی۔ مگر کیا اسلامی دنیا یہ مان لے گی؟ اور اکیسویں صدی کی تاریخ کے اس بے آسرا لمحے پر ایک حاشئے کے طور پر، کیا ہم کوئی عدالتی نظام یا عدالتیں یا قانون قائم کر رہے ہیں، اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ برے لوگوں کو قانون کی طرف سے سزا مل سکے؟ یہی وہ واحد جواب ہے جو اگلے چند دن میں ہمارے رہنماؤں کی طرف سے نہیں ملنے والا!!

۱۹۹۲ء میں افغانستان کی آبادی دو کروڑ تھی۔ سوویت یونین حملے کے بعد سے اب تک ۲۵ لاکھ افغان براہِ راست یا بالواسطہ طور پر جنگ کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ یا میدان جنگ میں کام آئے یا فاقوں اور بروقت طبی امداد نہ ملنے کے باعث مر گئے۔ دوسرے الفاظ میں ہر سال ایک لاکھ پچیس ہزار افغان مرتے رہے، ہر گھنٹے چودہ افغان موت کا شکار ہوئے، اسی طرح ہر پانچ منٹ پر ایک افغان مر جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے روسی جوہری آبدوز کے غرق ہونے کی خبر لوگوں تک پل پل پہنچائی، بامیان میں بدھ کے مجسّے کی تباہی

کی خبر لوگوں تک وسیع پیمانے پر پہنچائی مگر گزشتہ بیس برس میں ہر پانچ منٹ پر ایک افغان کی موت کی خبر کیلئے عالمی ابلاغ کے پاس وقت نہیں تھا۔

مال و دولت اور وسائل جیتنے کی جنگ

مذہبی بنیاد پر دہشت گردی کے تصور کو فروغ دینے کا مقصد وسط ایشیائی ریاستوں کے تنازعے کے اہم پہلوؤں کو چھپانا ہے۔ انصاف اور جمہوریت کی خاطر جنگ کے صدر بش کے بلند بانگ دعوے، درحقیقت بحیرۂ اخضر کے طاس (Caspian Basin) پر پھیلے ہوئے ۸ ٹریلین ڈالر مالیت کے تیل اور گیس کے ذخائر پر امریکی اختیار کو مستحکم کرنا ہے۔

۱۹۹۱ء میں بش سینئر کے 'آپریشن ڈیزرٹ سٹارم' کا مقصد جنوبی عراق میں واقع رومیلا میں تیل کے ذخائر تک رسائی حاصل کرنا تھا اور جنگ کے خاتمے کے بعد اس ذخیرے کو کویت کے علاقے میں شامل کرلیا گیا۔ اسکی مدد سے کویت میں قائم امریکی اور برطانوی تیل کمپنیوں کو تیل کی دگنی پیداوار حاصل ہونے لگی۔

کوسووا میں ٹرپکا کانوں کا سلسلہ، یورپ کی ان کانوں میں سے ہے جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ پچھلے سال اس پر جارج سوروس اور بانارڈ کچز کی کمپنیوں نے قبضہ کرلیا۔ یہ دونوں نئے عالمی نظام (نیو ورلڈ آرڈ) کے وہ دو ارکان ہیں جنہوں نے سربیا کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

اسی طرح افغانستان کے خلاف جارحیت بھی بحیرۂ اخضر (کیسپین) میں یہودی تاجروں کے قیمتی معدنی وسائل کو تحفظ دینے کے لیے کی گئی ہے۔ افغانستان ایک وسط ایشیائی ریاست ہے، جس کی جغرافیائی حدود مشرقِ وسطیٰ، دوسری وسط ایشیائی ریاستوں اور برصغیر پاک و ہند سے ملتی ہیں۔

وسط ایشیا میں تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں، جنہیں اب تک دریافت کیا جانا باقی ہے۔ ان میں ٦.٦ ٹریلین کیوبک میٹر قدرتی گیس کے ذخائر بھی ہیں، جن پر تاجروں کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔

۲۰۰۰ء کے انتخاب میں صدر بش کی انتخابی مہم میں سب سے زیادہ چندہ دینے والی کمپنی اینرون نے 25 ارب ڈالر مالیت کی ماورائے اخضر (Trans-Caspian) گیس پائپ لائن کی فیزبلٹی رپورٹ تیار کرلی ہے۔ اس گیس پائپ لائن کی تعمیر کے معاہدے پر ترکمانستان اور

دو امریکی کمپنیوں، بچل اور جرل الیکٹرک سروسز نے ۱۹۹۹ء میں دستخط کیے تھے۔

شمالی اتحاد، جسے امریکہ نے افغانستان کے بیشتر علاقے میں اقتدار سونپ دیا، دہشت گردوں کا ٹولہ ہے، جو اذیت رسانی، شہریوں کے قتل اور عورتوں کی عصمت دری کی شہرت رکھتا ہے۔ امریکہ خود کئی دہشت گردوں کا ٹھکانا ہے، جیسے جزائر غرب الہند میں ہیٹی کا عمانوئیل کونسٹنٹ، کیوبا کے کئی باشندے اور ہنری کسنجر۔ وہ دہشت گردوں کے لیے تربیتی کیمپ بھی چلا رہا ہے، جس کا نام ہے دی اسکول آف امیریکاز ویسٹرن ہیمسفیر انسٹیٹیوٹ فار سیکورٹی کوآپریشن۔ سیاسی مقاصد کے لیے شہریوں کو خطرے میں مبتلا کر کے ریاستی دہشت گردی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

جب اس وقت کی سیکرٹری داخلہ میڈلین البرائٹ ۱۲ رمئی ۱۹۹۶ء کو (ٹی وی پروگرام) 'ساٹھ منٹ' میں آئیں تو لیزلی سٹال نے عراق کے خلاف پابندیوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ پانچ لاکھ بچے (نصف ملین) مر چکے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ یہ ہیروشیما میں مرنے والے بچوں سے زیادہ تعداد ہے اور آپ جانتے کہ یہ قیمت زیادہ تو نہیں تھی" ls the price worth it?" البرائٹ نے اس تعداد پر اعتراض نہیں کیا اور جواب دیا کہ "میرے خیال میں یہ انتخاب بہت مشکل ہے، مگر یہ قیمت ...... ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قیمت زیادہ نہیں تھی" یہی دہشت گردی کا فلسفہ ہے۔ جن لوگوں نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا کر طیارے تباہ کر دیے، انہوں نے تقریباً چار ہزار لوگوں کو مار ڈالا، اس لئے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی بالا دستی پر برہم ہیں۔ امریکی حکومت نے عراق میں پانچ لاکھ بچوں کے مارے جانے میں مدد دی کہ یہی بالا دستی قائم رہ سکے۔

یہ اقتباسات ان تحریروں اور تقریروں کے ہیں جو غیر پاکستانیوں کی ہیں، ان میں سے اکثر غیر مسلم ہیں اور ان میں وہ بھی شامل ہیں جو خود امریکی ہیں۔ دہشت گردی کے حوالے سے یہ اقتباسات یہی بتاتے ہیں کہ سبھی حکومتیں اور حکمران کسی نہ کسی طرح ان افعال کے محرک یا مرتکب یا معاون ہیں جنہیں دہشت گردی کہا جاتا ہے۔ کہیں یہ کام اپنے ملک کی برتری کے لئے ہے تو کہیں سیاسی یا اقتصادی فوقیت کے لئے ہیں۔ کہیں کسی ملک وقوم کو نیست و نابود کرنے کے لئے ہے تو کہیں صرف انہیں ہر طرح اپنا محکوم اور غلام رکھنے کے لئے ہے۔ کہیں نفرتیں پیدا کرنے کے لئے ہے تو کہیں امن و امان ختم کرنے کے لئے ہے۔ کہیں مذہب کی آڑ میں ہے تو کہیں مذہب کے خلاف۔ کہیں تعصبات کے اور کہیں طبقات کے حوالے سے ہے اور ان اقتباسات سے تو یہ بھی مترشح ہے کہ اس کے آئینی یا غیر آئینی، قانونی یا غیر قانونی، اخلاقی یا غیر اخلاقی، مذہبی اور غیر مذہبی

ہونے کے جواز کا انحصار بھی من مانی پر ہے۔ دنیا میں موجود کسی عدالت یا کسی آرگنائزیشن کا فیصلہ بھی اس کے حوالے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جو جتنا زبردست ہے، اتنا ہی وہ زبردستی کا حق رکھتا ہے، خواہ وہ زبردستی جائز ہو یا ناجائز!!

دہشت گردی کی واضح اور آسان تعریف ہرگز ناممکن نہیں بلکہ مشکل بھی نہیں، لیکن اس تعریف کے مطابق کسی حکومت یا حکمران کا استثنیٰ اس تعریف کا قتل عمد ہوگا اور بظاہر یہ ممکن نہیں کہ دنیا بھر کے تمام ممالک اور ان کی حکومتیں کسی معاملے کی ایک تعریف پر متفق ہو جائیں۔ اقوامِ متحدہ کے نام سے قائم ادارے کا احوال پوشیدہ نہیں۔

توہین رسالت کے قانون کو غیر مسلم کسی طور پر بھی قبول کرنے کو تیار نہیں حالانکہ اس کی اہمیت ان کے لئے بھی غیر معمولی ہے۔ راہبائیں (نن) جو لباس پہنتی ہیں وہ مقدس مانا جاتا ہے مگر مسلم خاتون کا سر ڈھانکنا اور حیادار لباس معترضہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ عیسائی مرد و عورت اگر صلیب (کراس) کا نشان گلے میں ڈال کر برسرعام رہیں، گلے میں ناسی صلیب کی علامت کے لئے ٹائی باندھیں یا بولگائیں، سرعام سینے پر کراس بنانے کے لئے انگلیاں گھمائیں تو اسے ہرگز ناروا نہیں سمجھا جاتا لیکن مسلمان کو دینی و شرعی صورت و سیرت اور لباس و اعمال پر معترضہ قرار دیا جاتا ہے۔ چرچ کی عمارت پر گھنٹیاں بجیں تو درست ہیں، مسجد سے اذانوں کی آوازیں بلند کی جائیں تو اسے انہیں ملکوں میں سماعت پر بوجھ، نیند کش اور معترضہ قرار دیا جاتا ہے۔ دوغلے اور دہرے معیار اور سلوک کی نہ جانے کتنی مثالیں ہیں جو ان ملکوں میں نمایاں نظر آتی ہیں جو انسانی آزادی اور انسانی حقوق کے علمبردار کہلاتے ہی نہیں، دعویدار بھی بنتے ہیں۔ انسان کی تعریف اب ہر حکومت کے نزدیک وہی مقبول ہے جو ان کی خود ساختہ ہے، انسانیت کی درجہ بندی اور حقوق طے کرنا بھی ان کی اپنی اپنی کابینہ کے دائرہ اختیار میں ہیں!!

کبھی یہی لوگ ظلم و ستم، جور و جفا اور جبر استبداد کے خلاف احتجاج اور جدوجہد کو انسانی حقوق میں شمار کرتے ہیں اور پھر یہی لوگ حقدار کو مجرم قرار دیتے ہیں۔ نہ وہ اپنی پہلی رائے کو غلطی گردانتے ہیں نہ ہی دوسرے فیصلے کو غلط جانتے ہیں!!

ان اقتباسات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محصولات کا جبری نظام اور غلط پالیسیاں وغیرہ بھی دہشت گردی ہی کا ایک روپ ہیں۔ یوں اب کون ہے جو دہشت گردی کو عارضی اور مستقل دو مرحلوں میں تقسیم کرے اور حکومتوں، حکمرانوں کو مستقل دہشت گرد قرار دے؟

یہ بحث گورکھ دھندہ ہے۔ انسان، انسان سے اُلجھتا رہا ہے۔ ہابیل اور قابیل کا واقعہ ہی بتا دیتا ہے کہ صرف طبعی اور من مانی خواہشات ہی کی پیروی کسی کو انسانیت کی عظمت سے گرا کر شیطانی گراوٹ میں پہنچا دیتی ہے۔ دین و ایمان سے پوری طرح وابستہ کبھی اس گراوٹ میں نظر نہیں آتے۔ خالق عقل ہمارا معبودِ کریم ہے۔ انسانی قوانین میں سقم ہوتا ہے، خدائی فرامین میں نہیں۔ یوں ہم بلاشبہ بلاخوفِ تردید کہتے ہیں کہ اسلام اور دہشت گردی دو متضاد و متصادم باتیں ہیں۔ کوئی مسلمان کہلانے والا اسلامی تعلیمات کو فراموش کر کے دہشت گردی میں ملوث ہو جائے، یہ تو ممکن ہے لیکن دین اسلام سے دہشت گردی کا کوئی تصور کسی طرح وابستہ کیا جائے، یہ ناممکن ہے۔

دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات

اسلام اور ایمان، ان دونوں الفاظ میں سلامتی اور امن واضح ہے اور اسلام میں عدل و انصاف کو ہر سطح پر بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ عدل کے متضاد الفاظ 'ظلم و ستم' ہیں اور اسلام میں ظلم و ستم کی کسی طرح کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام اپنے وابستگان کو یہ واضح تعلیم و ہدایت دیتا ہے کہ کسی قوم کی عداوت و دشمنی بھی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم ناانصافی کرو۔ اہل کتاب کا یہ احوال تھا کہ ان کے علماء و قاضی رشوتیں لے کر مذہبی شرعی احکام کو بدل دیتے تھے، غریب و امیر کے لیے ان کا سلوک یکساں نہ تھا۔ اسلام نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں کو جہنم کا مستحق بتایا ہے اور احکام میں امیر و غریب کا فرق نہیں رکھا۔

فتح مکہ کے دوران بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، بڑے خاندان کی عورت تھی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے کہا کہ رسولِ کریم ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کرو کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفارش کرنے آئے تو رسول کریم ﷺ کو یہ سفارش ناگوار گزری، جلال میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کی تباہی اسی لیے ہوئی کہ ان کا کوئی صاحبِ ثروت بڑے خاندان کا فرد جرم کا مرتکب ہوتا تو اس سے وہ مؤاخذہ نہ کرتے، نہ ہی اسے سزا دیتے، وہی جرم کوئی نادار اور کمزور شخص کرتا تو اسے سخت سزا دیتے۔ کیا تم حدودِ الٰہیہ میں دخل دیتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ جرم اگر میری بیٹی سے بھی سرزد ہوتا تو اس پر بھی شرعی حد جاری کی جاتی۔ [سنن نسائی]

اسلامی تعلیمات میں واضح ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خبردار، جس نے ذمی کافر پر ظلم کیا یا اسے نقصان پہنچایا، اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیا یا اس سے کوئی تھوڑی سی چیز بھی بغیر اس کی رضا کے لی تو کل قیامت کے دن میں ایسے شخص سے جھگڑوں گا۔ [ابوداود]

- جس نے کسی ذمی کافر کو اذیت پہنچائی تو میں اس کا مخالف ہوں اور جس کا میں مخالف ہوا قیامت کے دن اس کی مخالفت ہوگی۔[تاریخ بغداد]
- اسلام میں سختی اور تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں۔[ابن ماجہ]
- اسلام میں نہ ضرر ہے نہ نقصان پہنچانا ہے، جس نے نقصان پہنچایا، اللہ اس کو نقصان میں مبتلا کرے گا اور جس نے کسی کو مشقت میں ڈالا، اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں مبتلا کرے گا۔[مسند احمد]
- جس کے پاس مومن کی تذلیل کی جائے، پھر وہ اس کی مدد پر قادر ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سرعام رسوا کرے گا۔[مسند احمد]
- جو کسی جان دار (انسان یا جانور) کو مُثلہ کرے (شکل وصورت یا حلیہ بگاڑے) اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور بنی آدم سب کی لعنت ہے۔[بخاری]
- مجھے لوگوں سے نیک برتاؤ کے لیے مبعوث کیا (بھیجا) گیا ہے۔[جامع صغیر]
- زمین والوں پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرے گا۔[ابوداوٗد]
- خبردار! بے جا تشدد کرنے والے ہلاک ہوئے، تین بار یہی جملہ دہرایا۔[مسلم]
- فتنہ سو رہا ہے، اس کے جگانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔[کنز العمال]
- بے شک قیامت کے دن تمہیں حقوق والوں کو ان کے حق ادا کرنے ہوں گے، یہاں تک کہ منڈی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا کہ اسے سینگ مارے۔[مسلم]
- جو دھوکا دے، وہ ہم میں سے نہیں۔[مسلم]
- لوگوں پر ظلم و تعدی نہ کرے گا مگر حرامی یا وہ شخص جس میں کوئی رگِ ولادت زنا کی ہو۔[کنز العمال]
- ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا سبب ہوگا۔[صحیح بخاری]
- جو (کسی کی) ایک بالشت زمین غصب کرے گا، قیامت کے دن زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر اس کے گلے میں پھندا ڈالا جائے گا۔[مسلم]
- جو دیدہ دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اسے مدد دینے چلا، وہ اسلام سے نکل گیا۔[جامع صغیر]
- ایک عورت جہنم میں گئی، (صرف) ایک بلی کے سبب کہ اس نے اسے باندھے رکھا تھا، بلی کو نہ خود کھانا دیا، نہ اسے چھوڑا کہ زمین کا گرا پڑا جو جان دار اس کو ملتا، کھالیتی۔[بخاری]

احادیثِ نبوی (ﷺ) میں اتنی کثرت سے ایسے مضامین ہیں جو ایک عام ذہن والے کو بھی یہ بآسانی باور کروا دیتے ہیں کہ دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات میں انسانی زندگی کے لئے وہ بہترین رہنمائی ہے جو نہایت خوش گوار اور خوش حال، پُر امن اور پُر مسرت زندگی کی ضمانت ہے، راستی و آشتی، سلامتی و عافیت، راحت و رحمت اور ہر طرح فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔ وہ دین جو نماز کے لئے وضو میں مسواک پر زیادہ اُجر سناتا ہے کہ منہ سے بدبو تک نہ آئے تاکہ مسجد میں ساتھ کھڑے ہونے والے دوسرے

نمازی کو کراہت محسوس نہ ہو، وہ دین جو حلال جانور کو بھوکا پیاسا ذبح کرنے سے منع کرتا ہے، وہ دین جو رہ گزر سے کانٹے دور کرنے پر ثواب بتاتا ہے تاکہ راہ چلنے والوں کو دشواری نہ ہو، وہ دین جو جانور کی جان محض تلف کرنے کے لئے شکار کو پسند نہیں کرتا اور کسی جان کا بھی مُثلہ کرنے (صورت وحلیہ بگاڑنے) کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، وہ دین جو کسی کی عزت، جان، مال کے ناحق معمولی سے نقصان کو گناہ بتاتا ہے، وہ دین جو غیبت کو زنا جیسی برائی سے زیادہ سخت بتاتا ہے، وہ دین جو انسانی زندگی کی اتنی واضح اہمیت بیان کرتا ہے کہ جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا اور جس نے ناحق ایک جان کو مارا گویا اس نے سب کو مارا، اس پاکیزہ اور سلامتی والے دین سے دہشت گردی کا تصور ہرگز ہرگز وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام میں فی سبیل اللہ جہاد بہت اہم ہے لیکن اسلام فتنہ وفساد نہیں ہے، بلکہ فتنے کو قتل سے زیادہ سنگین قرار دیا گیا ہے۔

اسلام وہ معاشرہ تعمیر کرتا ہے جس میں ایک انسان دوسرے کا خیر خواہ اور معاون ہے، تعصبات اور عناد سے ہر فرد کو دور رکھتا ہے۔ کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے لئے ہو اور بغض ہو تو وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے لئے ہو۔ فکر وعمل میں رضائے الٰہی و رضائے رسول ﷺ ہی بنیاد ہو۔

وہ اقتباسات جو دہشت گردی کے حوالے سے متعدد مطبوعہ تحریروں سے نقل کئے گئے ہیں، ان کے بعد آپ نے چند احادیثِ نبوی (ﷺ) بھی ملاحظہ کیں، آپ خود بتایئے کہ آپ کا وجدان گواہی نہیں دیتا ہے کہ دنیا کو جائے عذاب بنانے والے وہی لوگ ہیں جو خدائی فرامین اور دینی تعلیمات وہدایات سے دور ہیں اور فی سبیل الشیطان مشغول ہیں۔

بیداری کا وہ لمحہ جو حقائق آشکار کرتا ہے، جب کسی کی زندگی میں آتا ہے، انقلاب آفریں ثابت ہوتا ہے۔ کاش یہ دنیا خونی انقلاب کی بجائے اسی روحانی انقلاب کی طرف بڑھے، ہمیں کسی انتظار میں وقت نہیں گزارنا چاہیے، جو سانسیں اور ساعتیں میسر ہیں، ان میں اپنی توانائیاں نیکی و بھلائی میں لگاتے ہوئے خود کو گفتار و کردار سے ہر شر اور شریر کے لئے دیوار بنا دینا چاہیے۔ یاد رہے، اس دیوار کی تعمیر اور پختگی صرف ایمان اور تقویٰ سے مشروط ہے!!

[بشکریہ ماہنامہ 'نورالحبیب'...... اگست ۲۰۰۲ء، مضمون نگار، ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی]

بنیاد پرست.......بنیاد پرستی

طعنہ یا تمغہ؟

گزشتہ چند برسوں سے مغربی ذرائع ابلاغ ان گروہوں یا افراد کو جو اسلام کو ایک مکمل ،جامع اور تا قیامت قائم رہنے والے نظام حیات کے طور پر مانتے اور دل سے تسلیم کرتے ہیں ،ایک خاص اصطلاح سے یاد کر رہے ہیں اور وہ ہے ''فنڈا منٹلسٹ'' جسے ہمارے اخبار و جرائد 'بنیاد پرست' لکھ رہے ہیں ۔اسے مغرب تو کم از کم ہمارے حق میں ایک گالی سمجھتا ہے لیکن ہمارے نام نہاد روشن خیال دانشور اسے اپنے اوپر ایک الزام قرار دیتے ہیں اور اس کی تردید میں قولاً اور عملاً یہ واضح کرتے ہیں کہ ''جی توبہ توبہ ہم تو بنیاد پرست نہیں ہیں''۔

مغرب راسخ الاعتقاد مسلمانوں کو ''بنیاد پرست'' کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ (مسلمان) ذہنی طور پر دور قدیم کے رہنے والے' تاریک خیال' سائنس دشمن' علم ودانش سے خالی' ترقی کے مخالف' قدامت پسند' روایت پرست' جنگجو' دہشت گرد اور شدت پسند ہیں ۔جنہیں دور حاضر کے نت نئے بدلتے حالات کا علم اور تہہ در تہہ معاملات کا شعور حاصل نہیں ۔جب ایران میں شاہ کے خلاف تحریک زوروں پر تھی ،لیبیا سر ابھار رہا تھا اور فلسطین کی تحریک مزاحمت نئی کروٹ لے رہی تھی تو امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے لیے Militant (جنگجو) کی اصطلاح استعمال کرتے تھے ۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قوم غلامی یا دوسروں کے مظالم کے خلاف یا اپنے حق آزادی کے لیے اٹھ کھڑی ہو،کوئی کمزور ملک اگر سپر طاقت کے مقابلے میں سر اٹھاتا دکھائی دے اور لوگ اپنی سرزمین پر ناجائز قبضے کے خلاف بغاوت کریں تو وہ فوراً جنگجو بن جاتے ہیں!!

اگر اصطلاحات کے استعمال کا یہ عالم رہا تو نجانے جمہوریت، حق خودارادیت اور آزادی واستقلال کے کیا معنی رہ جائیں گے؟ یعنی لوگ اگر اپنے اوپر غلامی کو مسلط کئے رکھیں یا کم از کم برداشت کئے رکھیں، اپنے حق خوداری سے دستبردار ہو جائیں، غیروں کے دست نگر بنے رہیں ایک یا دو بڑی طاقتوں کے حاشیہ بردار رہیں، اپنی آزادی اور استقلال سے نا آشنا رہیں اور ہمیشہ سیاسی اور اقتصادی غلامی کا جوا اپنے گلے میں ڈالے رکھیں تو وہ روشن خیال، ترقی پسند اور ماڈرن کہلانے کے مستحق ہیں۔ اگر وہ اپنے حقوق سے دست برداری، اور اپنی آزادی وخود مختاری سے دست کشی کا اعلان نہ کریں تو وہ فوراً 'جنگجو اور بنیاد پرست' بن جاتے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں غیر ملکی بالادستی کو قبول کئے رکھنا اور فرنگی تہذیب ومعاشرت کا غلام بنے رہنا ''روشن خیالی'' اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کے ساتھ وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنا' شعار اسلامی کا اختیار کرنا اور اسلام کو رہنمائی کا سرچشمہ قرار دینا، اپنے عزیز واقارب' ساتھیوں افسروں' اور ماتحتوں کو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات اور ارشادات کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی طرف متوجہ کرانا ''بنیاد پرستی'' ہے!!

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کا ایک طبقہ اور ان کے بعض رہنما تہذیبی اور ذہنی طور پر مغرب سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہماری زندگی کا بیشتر حصہ صرف اس تگ ودو میں صرف ہو جاتا ہے کہ ہم عملی واخلاقی طور پر اس طرح نظر آئیں جیسا کہ مغرب چاہتا ہے اور ایسا نظر آنے کے لیے اپنی شکل وصورت، لباس، اٹھنے بیٹھنے اور کردار واخلاق سے لے کر اسلام تک کا حلیہ بگاڑنے پر آمادہ ومستعد رہتے ہیں۔ جسے وہ اسلام کہیں، ہم ویسا اسلام پیش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ جسے وہ آدب زندگی بتائیں ہم فوراً انہیں اختیار کر لیتے ہیں، جس طرح کی وہ تہذیب پسند کریں ہم اس طرح بننے میں اپنی توانائیاں صرف کر دیتے ہیں، جو مسلمانی ان کو درکار ہے ہم ویسے مسلمان بن جاتے ہیں، حالانکہ اسلام اور مسلمانی میں مغرب کی

رضا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول مقبول ﷺ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ تب جا کر کوئی شخص مسلمان بنتا ہے۔ تہذیب وہ نہیں جو مغرب سکھاتا بلکہ ہمارا معیارِ تہذیب اُسوہء رسول مقبول ﷺ ہونا چاہیے کیونکہ آپ ﷺ ہی کے نام کی نسبت سے ہمارا ملی تشخص قائم ہے۔ ورنہ رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کسی کو مسلمان یا کافر نہیں بناتے، اس اعتبار سے انسانیت میں کوئی جوہری فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ سبھی اولاد آدم ہیں۔

1970ء کے عشرے میں اسلامی دنیا بالخصوص پاکستان کے اندر ''دایاں بازو'' اور بایاں بازو'' کی اصطلاح کا خوب چرچا رہا ہے مغرب کی نظر میں ''دایاں بازو'' کا معنی تاریک خیال، تنگ ذہن اور بایاں بازو کا مطلب روشن خیال اور ترقی پسند قرار دیا گیا۔ مسلم دنیا کے لیڈر بڑی تیزی اور بے چینی میں نظر آتے تھے کہ وہ خود کو ہر جگہ ''بایاں بازو'' ثابت کریں۔ حالانکہ قرآن مجید میں واضح طور پر ''اصحاب الیمین اہل جنت، اور اصحاب الشمال، اہل جہنم قرار دیئے گئے ہیں۔ قرآن مجید کی روشنی میں دایاں بازو اور بایاں بازو کا مفہوم بالکل صاف تھا اور ہمیں بڑے فخر کے ساتھ خود کو دایاں بازو کہلانا چاہیے تھا لیکن برا ہو مرعوب ذہنیت اور غلام سوچ کا، جس نے ہماری آنکھیں چندھیا رکھی ہیں ہم نے فورا یورپ کے بیان کردہ مفہوم کو قرآن مجید کے واضح کردہ مفہوم پر ترجیح دے دی اور دایاں بازو کہلانے میں شرماتے اور جھجکتے رہے۔ مسلمان لیڈر شپ کو فکر لاحق ہوگئی کہ قرآن مجید کس گروہ کو ''اصحاب الشمال'' (بایاں بازو) قرار دیتا ہے، اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ مغرب کے نزدیک ''بایاں بازو'' کا جو مفہوم ہے اس کے مطابق روشن خیال اور لبرل بننا چاہیے۔ اگر ہم نے دیر کردی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اہل مغرب کے لغت میں تاریک خیال اور قدامت پسند ٹھہرا دیئے جائیں!

یہی وہ احساس کمتری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول مقبول ﷺ سے بھی دور لے گیا ہے اور وصال صنم سے بھی ہم ابھی تک محروم چلے آرہے ہیں۔ مسلمان بننے کی ہم

نے خاص جدوجہد تو نہیں کی ،لیکن یورپ نے بھی ابھی تک ہمیں صحیح معنوں میں ماڈرن ،لبرل، پرگریسو اور لیفٹنسٹ کا سٹیفکیٹ عطا نہیں کیا اور اس طرح ہم درمیان میں معلق ہو کر رہ گئے ہیں ،اگر ہم مسلمان بننے کی کوشش کرتے تو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ اس عرصے میں ہمیں یقیناً ''مومن خالص'' کا لقب اور اس کا انعام عطا فرما چکے ہوتے۔

یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے ،بعض دانشور کہتے ہیں کہ آخر ان اصطلاحات میں کیا رکھا ہے؟ اگر ہم خود کو دایاں بازو یا بنیاد پرست نہ کہلائیں اور یورپ کی مرضی کے مطابق ان ''تہمتوں'' سے بریٔ الذمہ ہونے کا اظہار کر دیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمارے خیال میں یہ نرم سے نرم الفاظ میں خود فریبی یا کم از کم سادہ لوحی ہے۔ ہم پس منظر سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ بات صرف الفاظ اور اصطلاحات کی نہیں، ہر لفظ کا ایک مخصوص مفہوم ہوتا ہے۔ الفاظ اور اصطلاحات باقاعدہ علامات کا درجہ رکھتی ہیں اور یہی علامات کسی سوسائٹی یا فرد کے بارے، رائے قائم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ لفظوں کا فقط لغوی معنی اور اصطلاحات کا فقط سطحی مفہوم نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو پھر سارے تشخصات ختم ہو کر رہ جائیں۔ نہ دعا کا مفہوم باقی رہے گا اور نہ گالی کا کوئی مطلب! کیونکہ دونوں چیزیں حروف تہجی سے ہی بنتی ہیں تو کوئی دعا دے یا گالی ،اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟؟ نہیں! بلکہ اصطلاحات کی اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مغرب کو کیوں ہر چوتھے دن مسلمانوں کے لیئے ایک نئی اصطلاح گھڑ کر پھیلانے کا کاروبار کرنا پڑتا۔

مسجد کا ایک ڈیزائن ہوتا ہے اور گرجا اور مندر کا اپنا نقشہ، حالانکہ سبھی اینٹ پتھر سے بنے ہوتے ہیں، لیکن ہر شخص مخصوص ڈیزائن سے پہچان لے گا کہ ان میں مسجد کون سی ہے اور گرجا کون سا؟ کونسی جگہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اور کون سی عیسائیوں کی اور کون سی ہندوؤں کی عبادت گاہ؟ اگر ہم ان علامات اور تشخصات ،اسماء اور اصطلاحات کے بارے یہ رویہ اپنائیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے تو ہر بات پہیلی بن جائے گی۔ پھر نہ کوئی مسلمان رہے گا اور نہ کوئی کافر۔

سوشلزم یا کمیونزم اوراسی طرح ڈیما کریسی یہ بظاہر اصطلاحات ہیں ۔ان کے لغوی معنی لیے جائیں تو ان اصطلاحات میں کیا خوبی ہے؟لیکن یہ محض الفاظ نہیں اور فقط اصطلاحات نہیں بلکہ ان کی پشت پر باقاعدہ ایک فلسفہ اور ایک نظام کارفرما ہے جو انہیں آپس میں جدا اور منفرد کررہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض نام ،بعض قوموں کے ساتھ مختص ہوکر رہ گئے ہیں اور بعض علامات بعض تہذیبوں کی شناخت بن کر رہ گئی ہیں ۔مثلاً ہندی میں ''کرپارام'' جوایک نام ہے اس کاٹھیک مترادف عربی میں ''عطاءاللہ'' ہے،لیکن کوئی مسلمان اپنا نام کرپارام نہیں رکھتا۔آخر کیوں،جب کہ معنی اور مفہوم میں بال برابر فرق نہیں،صرف دو زبانوں کے اپنے لب ولہجے اور ساخت کا فرق ہے؟یہ اس لئے ممکن نہیں کہ انسانی دنیا میں جب لفظ ،اصطلاح ،القاب، خطابات وغیرہ وارد ہوتے ہیں تو وہ فقط بے جان الفاظ و حروف نہیں رہ جاتے بلکہ ان کے ساتھ کچھ جذبات ،اور دوسرے تشخصات وابستہ ہوجاتے ہیں ۔اگران میں سادہ لوحی سے ذرا بھی ادل بدل کیا جائے تو سارے کے سارے جذبات اور تشخصات مجروح اور مسخ ہوکررہ جاتے ہیں اور کسی بھی سوسائٹی کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔اگراصطلاح کو بہت ہلکا پھلکا اور لفظی گورکھ دھندا سمجھنے کا رجحان پیدا ہوجائے تو پورا انسانی نظام تلپٹ ہوجائے۔سوہمیں ہر اس اصطلاح کو اپنے سینے سے لگانا چاہیئے جوخواہ مغرب کی نظر میں کتنی معیوب اور معتوب کیوں نہ ہولیکن فی الواقع وہ محمود اور مستحسن ہوجیسا کہ ''بنیاد پرست'' ۔یہ اصطلاح کیوں محمود اور مستحسن ہے؟ایک وجہ تو یہ ہے کہ مغرب نے اسے ہمارے ساتھ چپکا دیا ہے۔ظاہر ہے اس میں کوئی خوبی ہے جسے وہ بگاڑ کر ہمارے نام کا لاحقہ سابقہ بنارہا ہے۔اوراس کے نزدیک وہ مسلمان ''بنیاد پرست'' ہیں جن کی فکر اور طرز زندگی کا قبلہ، احکام الٰہی اور سوچ وعمل کا کعبہ سنت رسول مقبول ﷺ ہے، جو شعائر اسلامی کے پابند اور اسلام کی منع کردہ باتوں سے دور رہنے والے ہیں، جو سرمایہ داری اور اشتراکیت پر تین حرف بھیجتے اور اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔

مغرب ان (نام نہاد) مسلمانوں کو قطعاً "بنیاد پرست" نہیں کہتا اور سمجھتا جو آئے روز اسلام میں کسی نہ کسی نظام کی پیوند کاری کرتے رہتے ہیں۔ جن کی بود و باش میں اسلام کی جھلک تک دکھائی نہیں دیتی، جن کے ذہن اور فکر پر سوائے اسلام کے ہر چیز کا غلبہ ہے۔

دوسری وجہ اس اصطلاح کو ڈنکے کی چوٹ اختیار کرنے کی یہ ہے کہ دنیا کا کوئی دین اور نظام بنیاد کے بغیر فروع پر قائم نہیں، اساسیات (بنیادیں) ہی دین اور نظام کی اصل ہوتی ہیں۔ فروعات تو اس کے برگ وثمر ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے مسلمان "بنیاد پرست" ہیں کہ ہم اسلام کے اساسی عقائد کو مان کر مسلمان بنے ہیں۔ توحید، رسالت، وحی، آخرت وغیرہ ہماری بنیادیں ہیں۔ جن پر ہم اپنا نظام حیات استوار کرنا چاہتے ہیں اور اس پر ہمیں فخر ہے کہ ہمار انظریہ حیات اس کائنات کے خالق و مالک اور اس کے آخری رسول مقبول ﷺ کا حمایت یافتہ ہے۔ اس کے اساسی اصول ایک ایسی کتاب (قرآن مجید) میں درج ہیں جس کی صحت اور تاریخی حیثیت کو چودہ سو سال میں دنیا کا کوئی مفکر چیلنج نہیں کر سکا۔ ہمارے لیے نظام کا ماڈل وہ عہد حکومت ہے جسے اس زمین کے انتہائی برگزیدہ اور راستباز انسانوں نے قائم کیا۔ ان معنوں میں ہم بنیاد پرست ہیں اور یہ کوئی ایسا لقب نہیں جو ہم اپنے لئے پسند نہ کریں۔۔۔!

جو لوگ روشن خیالی اور وسعت نظری کی آڑ میں بنیاد پرست کہلانے سے ڈرتے ہیں، غالباً ان کے خیال میں اپنا راستہ کھلا رکھنا ہے کہ وہ جب چاہیں اسلام کے بجائے کسی اور نظام کو اپنا نظریہ حیات بنالیں۔ سنت رسول مقبول ﷺ کے مقابلہ میں اپنی شریعت وضع کرلیں اور اطاعت خدا اور رسول مقبول ﷺ کی جگہ اپنے نفس اور خواہشات اور اشغال کو دین کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ طبقہ ترک نماز، شراب نوشی، زراندوزی، تضحیک شعائر، آمریت اور عیش کوشی سب کے ہوتے ہوئے خود کو مسلمان کہلانے پر اصرار کرتا ہے اور اپنا حق گردانتا ہے کہ کوئی فقیہ اور ملا انہیں اسلام اور مسلم سوسائٹی سے جڑ جانے کو نہ کہے۔ دین کے معاملے میں ہماری پسپائی اور احساس کمتری کا رویہ اب ہمیں واقعی اس نقطے

پر لے گیا ہے کہ کھلے عام اسلامی نظام حیات کو چیلنج کرنے والا ، اسلامی سزاؤں کو نعوذ باللہ وحشیانہ قرار دینے والا ، اور سلب وغصب کو جائز سمجھنے والا بھی ہماری نظر میں مسلمان رہتا ہے۔ اگر ہم ''بنیاد پرست'' ہوتے تو کوئی کوئی شخص لاکھ پردے کی اوٹ لیتا ہم اس کا چہرہ فورا پہچان لیتے کہ یہ ہم میں سے ہے، ہمارا خیر خواہ ہے یا استعمار کا ایجنٹ اور اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کا باغی؟

مسلمان خود کو 'لسی' کی طرح پتلا کرتے کرتے اپنا ذائقہ اور رنگ تک گنوا بیٹھے ہیں اور کوئی ایک علامت ایسی نہیں رہنے دی جس سے ''لیڈر شپ'' کے آثار اور نشانیاں واضح ہوئیں۔ مسلمانوں کے رہنما کھلم کھلا اسلام کے مزاج کے خلاف قومیت ونسلیت پرست بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ یہ سب اسی ''روشن خیالی'' کا کیا دھرا ہے جو یورپ نے ہمیں عطا کی ہے کہ لفظ تو لفظ ، انسان اپنا اعتبار کھو بیٹھے ہیں۔ ہم اپنے اور پرائے ، کھرے اور کھوٹے ، سچے اور جھوٹے ، دوست اور دشمن ، محافظ اور لٹیرے اور خیر خواہ اور بدخواہ کے درمیان تمیز کرنے سے عاری ہوگئے ہیں اور ہر شخص ''روشن خیالی'' کے زور پر وہ سب کچھ بننے ، کہلوانے اور حاصل کرنے کا حق محفوظ کئے بیٹھا ہے جو اصل میں کچھ بھی نہیں ، صرف بندہء حرص وہوس ہے۔ تن پرور اور نفس پرست ہے، اصول دشمن اور انسانیت کش ہے۔

''بنیاد پرست'' کہلانے میں آخر کیا حرج ہے، اگر اس سے مراد اور مطلوب ایک راسخ الاعتقاد اور قول سے لے کر عمل تک اسلام کا پابند مسلمان ہونا ہے۔ اور اس اصطلاح سے بدکنا یا بھاگنا یہ باور کراتا ہے کہ گویا ہم اسلام کے حصار میں اس طرح رہیں کہ اس میں ہر طرف چور دروازے ہوں۔ جب اور جہاں سے چاہیں جھانک لیں اور چھلانگ لگا لیں اور پھر واپس آ کر ویسے کے ویسے مسلمان بن جائیں۔ قرآن مجید نے یقیناً ایسی ہی نفسیات رکھنے والے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: دل پسند چیزوں کا اقرار اور مزاج کے خلاف چیزوں کا انکار (کرتے ہیں یعنی قرآن کے بعض حصے پر ایمان اور بعض کا کفر کرتے ہیں' البقرۃ۔۸۵)

ایسا رویہ مغرب کی نظر میں معیوب ہو تو الگ بات ہے، اسلام اسے انتہائی پسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب میرا انکار و اقرار زبردستی اور خوف سے نہیں بلکہ اپنی خوشی اور مرضی سے ہے تو پھر کوئی اصول قبول کر لینے کے بعد اس سے ہچر مچر اور انحراف اور گریز کا کیا مطلب؟ اگر ماننا ہے تو کھلے دل سے مانو اور حدود کا احترام کرو۔ اگر نہیں ماننا تو راستہ کھلا ہے، دنیا میں کوئی نہیں پوچھے گا، البتہ آخرت میں جواب دہی کا خود اہتمام کرلو اور اپنا جواز ڈھونڈ لو۔ لیکن ہماری نفسیات اس طرح بن چکی ہے کہ ہم مستقل طور پر آدھے اندر اور آدھے باہر، آدھے تیتر اور آدھے بٹیر رہنا چاہتے ہیں۔ اگر اسلام کا نام لے کر فائدہ پہنچتا ہے تو ہم مسلمان ہیں اور اگر ہمارے مفاد، مزاج اور اقتداء پر کوئی زد پڑتی ہے تو پھر بہانہ سازی اور فرار کی ہزار راہیں کھلی رکھنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا رومؒ نے مثنوی میں ایک مثال کے ذریعے ایسی نفسیات کو واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی کلائی پر شیر کی تصویر بنوانے کے لئے گیا جب جراح نے پہلی سوئی چبھوئی تو اسے تکلیف ہوئی اور کہنے لگا یہ کیا بن رہا ہے؟ جراح نے کہا کہ شیر کے کان بنا رہا ہوں، تو اس نے کہا کہ شیر کے کان رہنے دو۔ کان کٹے شیر بھی ہوتے ہیں، جراح نے آنکھ بنانا چاہی تو اس نے کہا کہ اب کیا بن رہا ہے؟ جراح نے کہا کہ آنکھ بنا رہا ہوں تو اس نے کہا کہ آنکھ رہنے دو، شیر کانا ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ تیسری چبھن پر پوچھا اب کیا بن رہا ہے؟ جراح بولا شیر کے پاؤں بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا ایک پاؤں رہنے دو لنگڑا شیر ہی بنا دو۔ الغرض ہر چبھن اور ٹیس پر وہ شیر کا ایک عضو ختم کرواتا گیا۔ بالآخر جراح نے کہا کہ ایسا شیر مجھ سے نہیں بن سکتا جس کی نہ آنکھ ہو نہ کان، نہ ٹانگ نہ دم، اگر ایسے ہی شیر بنوانے کا شوق ہے تو کسی اور سے بنوالو۔

اسی تمثیل کے مطابق ''روشن خیال'' مسلمان دائرہ اسلام میں اس طرح رہنا چاہتا ہے کہ نماز نہ پڑھی تو کیا ہم مسلمان نہیں رہیں گے؟ شراب، جوا، ڈانس، بے حجابی ایسے مشاغل

اختیار کر لئے تو کیا ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے؟ اگر تہذیب مغرب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تو اسلام پر کیا حرج آجائے گا؟ اگر سیاسی نظام مغرب سے، معاشی نظام یہودیت سے، قانونی نظام فرانس سے لے لیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ قصہ مختصر یہ کہ اسلام کے اصولوں سے لے کر اسکی ہر ہر شق سے پہلوتہی بھی ہم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمان رہنا بھی چاہتے ہیں۔ یہ رویہ سراسر منافقت پر مبنی ہے جسے ایمان ودانش کی بارگاہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

برصغیر میں انگریزی نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے نے اپنے مقصد تعلیم اور طریقہ تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے ذریعے ہمیں ''جسم مشرقی مگر روح مغربی'' درکار ہے یعنی یہ تعلیم حاصل کرنے والے بیشک نسلی مسلمان رہیں، نام ان کے مسلمانوں جیسے ہوں، لباس وہ اسلامی طرز کا پہنیں، شادی بیاہ، نکاح اور طلاق شرعی طریقہ سے کریں، مگر ان کی سوچ، فکر، دماغ، اور دل مغرب کے رنگ میں رنگے ہوں تا کہ فکری بالادستی یورپ کی ہی برقرار رہے۔ اب لارڈ میکالے کو کون جا کر قبر میں بتائے کہ آپ کو تو ہم سے صرف روح مغربی درکار تھی اور جسم کے مشرقی ہونے پر آپ کو کوئی اعتراض نہ تھا مگر ہم اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ روح تو مغرب کی ہے ہی، ہم نے اپنا قالب اور چولا بھی مغربی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ رسم ورواج، بولی ٹھولی، گھر کا ماحول، آداب محفل، طور طریقے، لباس کی تراش خراش اور لب ولہجہ تک ہم نے فرنگی بنا ڈالا ہے، فقط رنگ بدلنے کی کمی رہ گئی ہے اگر بس میں ہو تو یہ بھی کر ڈالیں!!

ہمارے ایک بڑے اور مؤثر طبقے کی (جو سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے بالادست ہے) یہ ذہنیت کیوں بن گئی ہے کہ وہ یورپ کے اعزاز کو اعزاز اور اس کے الزام کو الزام سمجھتا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ وہ سطحیت پسندی، احساس کمتری، کم علمی، ہلکاپن، اتھلاپن اور اعتماد کا فقدان ہے جو کسی فرد یا قوم میں مناسب تربیت کی کمی اور اپنی اصلی جڑ سے تعلق

میں نقص کے باعث پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کوئی درخت خواہ کتنا کمزور اور بے ڈول ہو مگر اس کی جڑ بہت گہری اور تنا مضبوط ہو، تو معمولی ہوا تو کیا جھکڑ اور آندھیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اور اس کے مقابلے میں ایسا خوشنما تراشیدہ خراشیدہ درخت جس کی جڑیں زمین میں گہری نہ ہوں، معمولی ہوا کے جھونکے کی مار برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ قومیں اور افراد جو محض فیشن، نمائش، آرائش، مصنوعی پن اور تکلفات کی دلدادہ اور عاری بن جائیں اور اپنی تہذیب وثقافت اپنے ورثے اپنی تاریخ اور اپنے دینی رشتوں کو یکسر فراموش کر بیٹھیں، وہ پروپیگنڈے کی معمولی ضرب اور ترغیب کی برائے نام جھلک سے ہی اپنی روایات وخیالات کو قربان کر دیتی ہیں۔ ذہنی وروحانی امراض کا ایک لشکر ان کا گھیراؤ کر لیتا ہے۔ انہی بیماریوں میں سے ایک بیماری اعتماد کے فقدان کی بیماری ہے۔ جو قوم کو حوصلہ مند، بہادر، دلیر اور غیرت مند بنانے کے بجائے موم کی گڑیا بنا دیتی ہے۔ جس کا ناک نقشہ ہر چوتھے روز بدلتا رہتا ہے۔

اعتماد ہی وہ جوہر ہے جو فرد اور قوم کو غیرت اور عزت نفس عطا کر دیتا ہے اور آداب غیرت آ جائیں تو غلاموں میں بھی آزادی کے حصول کی تڑپ اور آزاد ہو جانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مور اپنی ساری خوبصورتی کے باوجود اپنے پاؤں دیکھ کر شرما سا جاتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اس کے اعتماد کو ہر روز مجروح کرتا ہے۔ اسی طرح ہم مسلمانوں کی حالت ہے۔ شاندار ماضی، پرشکوہ تہذیب، قابل فخر روحانی ورثہ، رشک آمیز علمی پس منظر، دلیری اور بہادری کی بے مثال عسکری تاریخ دنیاوی علوم میں آج تک دنیا کو راہ دکھانے اور گرانقدر دماغی اور فنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایک ذرا سا رنگ کا میلا ہونا یا انگریزی بولتے ہوئے اٹکنے میں مزہ رہ جانا ہمیں مور کی طرح احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے اور ہم شرمانے لگ جاتے ہیں۔ اگر آنکھوں میں بقول حکیم الامت علامہ اقبال خاک مدینہ ونجف کا سرمہ ہو تو جلوہ دانش فرنگ سے آنکھوں کے مرعوب، متاثر یا چندھیانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

انسان کے ہر اقدام کا دارومدار اس کی سوچ اور فکر کی بنیاد پر ہوتا ہے مثلاً ایک مسلمان کا تانا، بانا اسلام سے بنا ہوا ہے۔ اس کی وفاداری اور اطاعت کا مرکز اللہ تعالیٰ اور سرکار دو عالم ﷺ کی ذات ہوتی ہے اس کے نزدیک فقط عالم دنیا ہی تمام امور ومعاملات کا قیام کمال آ کر نہیں بلکہ یہ سلسلہ آخرت تک چلتا ہے۔ مسلمان کے عقیدے کے مطابق خوشنودی محض انسان کی مطلوب نہیں بلکہ رضائے الٰہی ہر چیز پر مقدم ہے۔ اس کے ہاں کسی عمل کی تائید یا تردید قرآن وسنت سے مشروط ہے۔ اس طرح کی دوسری چیزیں جو ایک مسلمان کی فکری ساخت کو دوسرے لوگوں سے الگ، منفرد یا ممتاز کرتی ہیں تو لامحالہ ایک مسلمان کا معیار، تہذیب، اصول خیر وشر، اچھائی اور برائی کے ضابطے اور عزت وذلت کے پیمانے یقیناً دوسروں سے مختلف ہوں گے۔ اگر ایسا ہوگا تو پھر کسی مسلمان کو برتر اور کم تر، بہتر اور بدتر، صحیح اور غلط اور انعام والزام کے بارے میں فیصلہ کرنے یا کسی چیز کا انتخاب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اگر سوچ کی سمت واضح نہ ہو، وفاداری کا مرکز طے نہ ہو، دنیا کے پیدا کرنے والے رب اور اہل دنیا کی خوشنودی میں فرق واضح نہ ہو تو مسلمان سے ایسے ہی لطیفے سرزد ہوتے ہیں جیسے کہ آج کل کے دور میں ہو رہے ہیں کہ ہمارے ہی بقول ہمارا ایمان تو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ پر ہے لیکن نظام سیاست اور انداز معیشت ومعاشرت یورپ کا رائج ہونا چاہیے۔ یہ تضاد اس لیے ہے کہ ہم اپنا رخ متعین نہیں کر پا رہے جس کے نتیجے میں ہمارا معیار تہذیب طے نہیں ہو رہا۔ اہم اور غیر اہم میں ترجیح قائم نہیں ہو رہی۔ اگر ہر بڑے اور چھوٹے امر میں اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کو اپنا حاکم اور حتمی فیصلہ کرنے والی ذات مان لیں اور اپنے دین اور اپنی تہذیب کو اپنی روحانی اور فکری وعملی توانائی کا سرچشمہ قرار دے لیں تو ہمارے اندر نہ یورپ سے مرعوبیت کی بیماری رہ جائے گی اور نہ ہر بات پر معذرت خواہی کی عادت ہم میں زبردست اعتماد اور حوصلہ پیدا ہوگا۔

اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کے آئے دن کروٹ بدلتے حالات اور تقاضوں کی اہمیت وضرورت سے بے خبر اور بے پرواہو جائیں، عالمی حالات ومعاملات سے لاتعلقی کا رویہ اپنالیں، جدید ہونے والی ترقی سے بے خبر ہو جائیں ، دنیا کے نت نئے بندوبست میں خود کو شامل نہ کریں، سائنسی انکشافات اور ایجادات سے فیض یاب نہ ہوں، صنعت کی ترقی میں حصہ دار نہ بنیں اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے تہہ در تہہ واقعات اور ان کے مضمرات ،اثرات اور نتائج سے بالکل الگ تھلگ ہوکر رہ جائیں بلکہ اپنی ناک کا چھیدا تنا بھی کھلا اور ڈھیلا نہ کریں کہ ہندو آئیں تو اپنی معاشرت کی نکیل ہمارے ناک میں ڈال دیں، مغرب یا کوئی اور غیر چاہے تو اپنی تہذیب اور سیاسی غلامی کی نکیل ڈال دے اور یہ سب کچھ ہم چپ کر کے برداشت کرتے رہیں۔

یہ ہماری فکری وتہذیبی کمزوری تو ہے کہ ہم اپنے بچے کو گھٹی ڈالنے کے عمل سے لیکر شادی بیاہ تک، اپنے آغاز سیاست سے مسند اقتدار تک اور الف با سے تعلیم کی آخری ڈگری تک دوسروں کے رواج اور معیار کے مطابق ڈھلتے نظر آتے ہیں۔کبھی ہم اپنے اوپر اپنا رنگ بھی چڑھائیں جس سے ہم سے بہت دور کھڑا ہوا شخص بھی پہچان کر پکار اٹھے کہ یہ مسلمان ہے۔ ہمارا کردار، ہمارا معیار، ہمارا انداز، ہمارے اطوار اور چہرہ بشرہ خود ہمارا پتہ اور ''شناختی کارڈ'' بن جائے۔قرآن مجید صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایک جگہ فرماتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا چہرہ ان کے صحابی رسول ہونے کا پتہ دیتا تھا۔

اس عہد میں جب کہ ہمارا اپنا معیار تہذیب مستحکم تھا کسی کو کسی مسلمان کے پہچاننے میں کبھی کوئی وقت پیش نہیں آتی تھی۔ یہ باتیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوں گی ،لیکن دیگ کا ایک چاول جس طرح پوری دیگ کا پتہ دیتا ہے اسی طرح ہماری حرکات وعادات کا ایک جائزہ بات کو واضح کردے گا کہ ہم سخت گرم علاقے کے باسی ہیں مگر ہمارا طرز تعمیر سرد ترین موسم والے یورپ جیسا بنتا رہا ہے۔اس بات کا دین یا اصول دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری

نقالی کی چغلی ضرور ہو رہی ہے کہ ہم اپنے علاقے کے تقاضوں اور اپنے موسم کی ضروریات و لوازمات کو نظر انداز کر کے ایسے گھر اور دفتر بنا رہے ہیں جو بجائے سہولت کے عذاب بن جاتے ہیں اور ائر کنڈیشنز جیسی مہنگی تنصیبات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کیا صرف اسی لئے نہیں کہ ہم نے یورپ میں اسی طرح دیکھا ہے۔ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا مشترکہ خاندانی نظام تباہ کر رہے ہیں۔ جو ہزاروں مشکلوں کے باوجود لاکھوں برکتوں اور خوشیوں کا باعث ہے۔ گھر کا ہر فرد ''پرائیویسی'' کے چکر میں ہے، ہر ایک کا اپنا کمرہ ہے، اپنے یار دوست، اپنے کھانے پینے کے اوقات، اپنے سونے جاگنے کا پروگرام۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ یورپ میں بیٹی ماں کی اور بیٹا باپ کا پابند نہیں، چونکہ ہمیں یورپ کی نقالی کا بخار چڑھا ہوا ہے اس لئے ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ اس بگٹٹ دوڑ کا یہ نتیجہ سامنے ہے کہ محراب و منبر سے لے کر روپے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ بے یقینی اور اعتماد ختم کر کے روپے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ بے یقینی اور اعتماد ختم ہو جائے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

بات ہو رہی تھی خود اعتمادی کی جس میں کمی آئی تو ہمیں اپنی خوبیاں برائیاں اور دوسروں کی برائیاں خوبیاں نظر آنے لگیں۔ سیرت النبی ﷺ کی کتابوں میں ایک واقعہ نظر آتا ہے جو ہمارے لیے مفید مطلب ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں اور اسی طرح کا کلمہ توحید صحابہ کرام نے بھی پڑھا تھا، مگر دونوں میں نفسیات کا بے پناہ فرق تھا اور ہمیں دوسروں کے آداب و اصول عزیز ہیں۔ واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ گورنر مدائن (عراق) حضرت سلمان فارسیؓ ایک دوسرے ملک کے وفد سے ملاقات کر رہے تھے۔ اس دوران کھانے کا وقت آیا تو زمین پر دستر خوان بچھایا گیا۔ دوران طعام حضرت سلمانؓ کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ آپ نے اسے زمین سے اٹھا کر جھاڑا اور دوبارہ منہ میں ڈال لیا۔ آپ کے معاون خصوصی یا پرنسپل سیکرٹری

قریب بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے نگاہیں اور بیوروکریٹک مکاری سے کندھے جھکا کر، سرگوشی کے انداز میں کہا کہ حضرت! یہ لوگ مہذب ملک کے شہری ہیں اور پرتکلف تہذیب کے آدمی ہیں۔ آپ نے زمین پر گرا ہوا روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ منہ میں رکھ لیا۔ لوگ کیا سوچیں گے کہ مسلمان کو حکومت مل گئی ہے، لیکن اتنی نفاست نہیں آئی کہ زمین پر گرا ہوا لقمہ تک دوبارہ کھا لیتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑے اعتماد سے بلند آواز میں جواب دیا: کیا میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں۔"

یہ ہے وہ اعتماد جو دور اول کے مسلمانوں میں تھا انہیں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں گھڑے جانے والے آداب و رسوم کے بجائے مسجد نبوی ﷺ کے کچے فرش پر ترتیب پانے والی سنتوں اور قائم ہونے والے طریقوں سے قلبی لگاؤ تھا۔ دوسروں کے پکے گھر دیکھ کر اپنا کچا گھروندا، گرا دینا یا تو بدمستی ہوگی یا پھر بے عقلی!

یہ اور اس طرح کی مثالیں فرائض اور واجبات کا درجہ نہیں رکھتیں کہ انہیں جوں کا توں دہرایا جائے بلکہ ان کے ذریعے زندگی کا راستہ ضرور متعین ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے تو پرائی جنت ہی کو ہر وقت لالچ بھری نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ اپنے ہی زور بازو سے حاصل کی ہوئی دال روٹی پر انحصار، قوت حیدری ہے اور یہی مردان کار کا شیوہ ہے۔ دولت مندی مال سے نہیں، نظر اور دل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہمارے پسینے بنیاد پرستی کی اصطلاح سن کر چھوٹنے لگیں اور ہم ایوان میں بالکل مختلف موضوع پر تقریر کرنے کے دوران غیر ملکی سفیروں کی گیلری کی طرف منہ اٹھا کر اعلان کر دیں کہ نہیں جی میں تو بنیاد پرست نہیں ہوں تو کیا اس سے اقتدار کو طوالت مل جائے گی؟ اقتدار اللہ تعالیٰ کی ذات دیتی ہے یا گیلریوں میں بیٹھے ہوئے سفیر؟ اور پھر وہ کیا سوچتے ہوں گے کہ موضوع ہے زرعی ترقی اور اس میں صفائی پیش کی جا رہی ہے فنڈامنٹلسٹ نہ ہونے کی۔ کیا یہ نہیں سوچا جائے گا کہ یہ حضرت ابن الوقت ہیں۔ ان میں خود اعتمادی نہیں ہے۔ یہ ہمارے ڈر سے اپنے دین کا نام لینے سے شرم محسوس کرتے ہیں۔

اسی خود اعتمادی کے حوالے سے ایک بات حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے بارے میں تحریر کرنے کے قابل ہے۔ کسی تقریب میں ایف سی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس کی ملاقات حضرت علامہ اقبالؒ سے ہوئی۔ ڈاکٹر لوکس نے سوچا تھا کہ حضرت علامہ اقبالؒ 'روشن خیال' آدمی ہیں، ان سے یہ پوچھ لیا جائے کہ واقعی قرآن مجید انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوا یا محض مفہوم وارد ہوا اور الفاظ پیغمبر اسلام ﷺ کے اپنے ہیں۔ جس دور میں یہ بات پوچھی جارہی تھی وہ عہد اسلام اور اہل اسلام کے لئے خاصا تکلیف دہ اور فتنہ انگیز تھا۔ انگریز ہم پر مسلط اور حاکم تھے اور بڑے بڑے عمائدینِ ملتِ مسلمہ، معذرت خواہی کی عادت اپنائے ہوئے تھے۔ حتی کہ ان کے اس رویئے سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ عقائد سے لے کر ایمان تک میں ''گوری سرکار'' کی مرضی کے مطابق ترمیم و تنسیخ کے تیشے چلائے جارہے تھے اور اپنے اچھے خاصے تاریخی قد کاٹھ کو یورپ کے تنگ جامے میں فٹ کرنے کے لئے کانا چھانٹا جارہا تھا۔ ختم نبوت، وحی، الہام، ملائکہ، جہاد، جزیہ، پردہ، سود جیسے مسائل کی نئی نئی دل خواہ بلکہ ''انگریز خواہ'' تعبیریں پیش کی جارہی تھیں المختصر اس ماحول میں حضرت علامہ اقبالؒ کا جواب کس قدر اعتماد افزا، یقین افروز اور ایمان پرور تھا، ملاحظہ کیجئے:

''میرا تمام مسلمانوں کی طرح ایمان ہے کہ قرآن حکیم انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوا۔ کیونکہ بارہا مجھ پر پورے کا پورا شعر، الفاظ و حروف سمیت وارد ہوا ہے۔ میں نے فقط اسے اپنی کاپی میں نقل کرلیا۔ اگر مجھ جیسے شخص پر شعر، الہام ہوسکتا ہے تو نبی پاک ﷺ کی ذات پر قرآن مجید اس طرح نازل کیوں نہیں ہوسکتا۔''

آج اگر کوئی ناپختہ اور خام خیال 'دانشور' اسے حضرت علامہ کی خوش اعتقادی قرار دے تو اس کا اپنا قصور اور علم و ایمان کی کمزوری ہے، جبکہ اسی خود اعتمادی نے تو حضرت علامہ کو 'حکیم الامت' کا منصب بخشا ہے۔ ورنہ وہ ہمیشہ ''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ' اور اسی

طرح 'موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں' کی تلقین کیوں کرتے رہتے ؟ اس تلقین میں کارفرما حکمت یہ ہے کہ خود اعتمادی کی کمی انسان کو ایک ''لڑھکتا ہوا پتھر'' بنا دیتی ہے جو بالاخر سر کے بل کسی اندھی کھائی میں جا کر گرتا اور پاش پاش ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا ایک پہلو، جس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ کسی اعزاز یا الزام، کسی خیر یا شر اور کسی فائدے یا نقصان کے ردو قبول کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ یہی معیار ہی ہے جو قوموں کی اقدار تشکیل دیتا ہے اور انہی اقدار کی بدولت قوموں کے گرنے اور سنبھلنے کے رویئے ترتیب پاتے ہیں ۔اگر ہر بات کو اس کا سیاق اور سباق جانے بغیر قبول یا رد کر دیا جائے تو پھر کوئی بات بن ہی نہیں سکتی۔

آج مغرب اگر ہمیں ''بنیاد پرست'' کہتا ہے اور ہم فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں کہ نہیں جی ہم بنیاد پرست نہیں ہیں یعنی مغرب کے مفہوم کے مطابق تاریک خیال، جنگجو، قدامت پسند اور روایت پرست نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو یہی مغرب ہمیں ''کلمہ گو'' کہہ کر چھیڑنا شروع کر دے اور اس کا مفہوم یہ بتائے کہ کلمہ گو کا مطلب وہ انسان ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، دکھ تکلیف آئے تو نمازیں پڑھتا ہے آخرت میں ثواب وعذاب کو مانتا ہے، بے شمار کام دوزخ کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے کرتا ہے، تو کیا ہم فوراً وضاحتوں پر اتر آئیں گے اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں گے کہ نہیں جی ہم تو ''کلمہ گو'' نہیں ہیں ۔ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں اور کلمہ گو کا جو مفہوم مغرب متعین کرے ہم اسے ''الہام ربانی'' سمجھ کر اس پر ایمان لے آئیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ پھر کہیں رکتا نظر نہیں آتا۔تو کیوں نہ آئے روز کی چیخ چیخ کا مقابلہ کرنے کے لئے علی الاعلان کہہ دیں کہ ہاں ہم بنیاد پرست ہیں۔ایک کچی کوٹھڑی بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی تو ایک دین' ایک تہذیب' ایک قوم' ایک ملت بغیر بنیاد کے کیوں کر اقوام عالم کی صف میں اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے؟

رہا بنیاد پرست کا وہ مفہوم جو مغرب سمجھتا ہے اور ہم پر چسپاں کرتا ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہیے کہ تاریک خیال، جنگجو اور تو ہم پرست ہم نہیں تم ہو۔ ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھ لو جب اسلام کا نور اور قرآن کا پیغام دنیا کو منوا اور پرسکون زندگی کا ڈھنگ بتا رہا تھا اس وقت یورپ جہالت اور بدتہذیبی کے اندھے غاروں میں پڑا تھا۔ تہذیب تو دور کی بات ہے۔ صلیبی جنگیں ہمارا نہیں تمہارا ورثہ ہے، ہمارا سفر دار ارقم سے شروع ہو کر فتح مکہ پر منتج ہوا۔ اس دوران نہایت معمولی خون بہا اتنا کہ جس قدر عام انسانی دنیا میں معمول کے مطابق قتل ہوتے ہیں۔ اور تم ہو ہمیں جنگجو کہنے والے، جب کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی آب وہوا، تمہارے وحشیانہ حملوں اور قتل عام کی بو سے اب تک آلودہ اور روز حشر تک آلودہ رہے گی۔ ہم مسلمان آج بھی قرآن وسنت کی روشنی میں حق اور باطل کا واضح عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حق اور باطل اضافی صیغے نہیں بلکہ دائمی اصطلاحات ہیں۔ دونوں واضح اور طے شدہ ہیں۔ دونوں میں حد فاصل ازل سے ابد تک قائم رہے گی لیکن تمہارے نزدیک حق صرف طاقت کا نام ہے اور باطل کا مفہوم حالات کے تحت آئے روز بدلتا ہے اس لحاظ سے تاریک خیال تم ہو یا ہم ہیں؟ گزشتہ نصف صدی کی تاریخ ہی اٹھا کر دیکھ لی جائے اور آزادی کی تحریکوں میں ہونے والی خونریزی کا باب کھول لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان خونخوار ہیں یا یورپ اور مغرب اور دوسری غیر مسلم دنیا کے منہ کو خون کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ لیبیا میں سنوسی کی تحریک ہو یا الجزائر کی خون آشام جدوجہد، جلنے والا باغ ویت نام ہو یا افغانستان کی جنگ، بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی ہو یا چیچنیا میں خون مسلم کی ارزانی، یہ کون سے تاریخ کے خفیہ گوشے ہیں جو کسی کو معلوم نہ ہو سکیں گے؟ ذرائع ابلاغ کے پراپیگنڈے کے زور پر نہ تاریخ مسخ ہوتی ہے اور نہ حقائق تبدیل ہوتے ہیں۔

ہم وہ امت ہیں جس کے ہر فرد کے لئے ہمارے اللہ، ہمارے رسول مقبول ﷺ، ہمارے دین اور ہمارے قرآن نے جو نام پسند کیا ہے، وہ "مسلم" ہے اور ہمارے نام ہی میں "سلامتی" کا جوہر موجود ہے۔ کسی دوسری امت، ملت یا قوم جو اس باوقار اور امن کے علمبردار نام سے موسوم نہیں!

دنیا بھر کے مسلمانوں کے خصوصاً اپنے حقوق کے حصول کے لئے جابروں کا مسلح مقابلہ کرنے والوں کو مغرب کی جانب سے بنیاد پرست، تشدد پسند اور جنگجو کہنا اس اردو کہاوت کو سچ ثابت کر رہا ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ جس ملت کا اللہ "رب العالمین" جس امت کا نبی ﷺ "رحمت اللعالمین" جس قوم کا ضابطہ حیات "ہدی اللعالمین" اور جس جماعت کا اپنا نام "المسلمین" ہو غضب ہو خدا کا اس کو استعماری طاقتیں جنگجو، تاریک خیال اور علم دشمن کہیں! استغفر اللہ۔ استغفر اللہ!

سورج کو لگے دھبہ، فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر، اللہ کی مرضی ہے!

اب ذرا بات خاص اس حوالے سے ہو جائے کہ مغرب کی اس نفسیاتی یلغار کا مقصد کیا ہے کہ وہ ہمارے لئے نت نئے نام گھڑتا اور ہم سے ایسے القاب منسوب کرتا ہے جو اپنی ترکیب میں تو اتنے غلط نہیں ہوتے مگر مغرب کا پراپیگنڈہ انہیں ایٹم بم کی طرح خوفناک اور گالی کی طرح شرمناک بنا دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک مغرب کی اس نفسیاتی جنگ کا واحد مقصد مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی قوت مزاحمت کا امتحان لینا ہے کہ آج کل مسلمان کس پانی میں ہیں؟ انہیں اپنی جڑ بنیاد سے اکھاڑنے کا وقت آ گیا ہے یا ابھی انتظار کرنا چاہیے؟ بدقسمتی سے آج کے مسلمان اس معاملے میں کمزور نفسیات کے لوگ واقع ہو رہے ہیں کہ ابھی غیر مسلموں اور مغرب کے منہ سے الزام کے الفاظ پورے طور پر نہیں ہو پاتے کہ ہم پہلے شرمانا، گھبرانا اور احساس کمتری کا شکار ہونا شروع کر دیتے ہیں اور دائیں بائیں سے ڈکشنریاں ڈھونڈ کر معذرت کے الفاظ تلاش کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

اپنا ڈر اور خوف تو اپنی جگہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے فرائض دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کو عمل کرنے کو کہتا ہے تو لوگ اسے بھی دھمکا دیتے ہیں کہ بھئی ذرا خیال سے آپ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ آپ فنڈا مغلسٹ ہیں۔ کہیں کل آگے جانے کا راستہ نہ رک جائے وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم خوش ہورہے ہیں کہ ہم نے ''بنیاد پرست'' ہونے کی تردید کرکے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کرلیا ہے، مگراس کا کیا علاج کہ اہل مغرب شاید ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں اور وہ ہم سے کہیں کہ تم کس طرح ''بنیاد پرست'' نہیں ہو جبکہ تمہارے ملک کے نام کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کا لفظ آتا ہے۔تمہارے ہاں مذہبی امور کی باقاعدہ وزارتیں ہیں۔تم ہر سال حج پالیسی بناتے ہو۔تمہارے اجلاسوں کا آغاز تلاوت سے ہوتا ہے ملتے وقت تم اسلام علیکم کہتے ہو تقریر کا آغاز بسم اللہ سے کرتے ہو تمہارے قومی ترانے میں سایہ خدائے ذوالجلال آتا ہے، پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد ہے تمہارے عساکر (فوج) کا ماٹو ایمان تقویٰ اور جہاد ہے تمہارا سرکاری مذہب اسلام ہے۔۔۔۔!

بدنیتوں اور نقصان پہنچانے والوں کے پاس بہانوں کی کمی نہیں ہوتی ،مغرب سے ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ایک نہیں دوسرے نہیں، تیسرے بہانے سے ضرور مسلمانوں کو بدنام اور تنگ کرتے رہیں گے اور ہم کہاں کہاں اور کس کس بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے۔

''قرآن حکیم نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ ''تم جب تک اپنا دین نہیں بدل دو گے، وہ کافر تم سے راضی نہیں ہوں گے۔'' مغرب کو ہماری شکل وصورت اور افرادی و مالی وسائل سے خطرہ نہیں۔اسے ہمارے نظریہ حیات یعنی نظام اسلام سے ڈر ہے جو فی الواقع اور ان کی نظر میں بھی حیات آفرین ،طاقتور، زندہ ،متحرک اور ہر چیلنج کا سامان کرنے والا نظریہ حیات ہے ۔اگر اپنے نظریہ حیات سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں تو یہ بات بالکل دوسری ہے،لیکن اسلام کے فیصلہ کن کردار کی موجودگی میں مغرب اور دشمنان اسلام ہم سے کبھی خوش ''مطمئن'' اور بے فکر نہیں ہو سکتے۔وہ ایٹمی ٹیکنالوجی ،معاشی فراغت ،دفاعی ساز وسامان ،فنی صلاحیت اور استحکام حکومت جیسے امور میں ہم سے بہت آگے ہیں۔جس صلاحیت میں وہ ہم سے پیچھے ہیں، وہ نظریاتی قوت ہے۔بلکہ اس سے محروم ہیں جس سے ان کا پورا نظام معاشرت ایک مستقل خلا کا شکار ہے۔جسے وہ ایٹمی قوت ،ٹیکنالوجی اور بے انداز دولت کے زور سے بھی نہیں بھر سکتے۔

ان کی خواہش واضح ہو کر سامنے آ رہی ہے کہ کمیونزم خواہ جیسا برا بھلا تھا، بہر حال اپنی پشت پر ایک کتابی قوت رکھتا تھا اور ان کے لئے ایک چیلنج اور دردسر تھا جسے مغرب کی سازش اور کاوش نے پاش پاش کر دیا۔ اب ان کے لئے مسئلہ صرف ''اسلام'' رہ گیا ہے۔ وہ اسے بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تب جا کر مغرب کو سکون نصیب ہوگا۔ اسی لئے ان کی نفسیاتی یلغار اور سیاسی، سفارتی، معاشی، اور مالی دباؤ کا ہر راستہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ مغرب نے پہلے پہل ''بنیاد پرستی'' کا چرچا کیا۔

اب آہستہ آہستہ اس بنیاد پرستی کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔

یہ بحث اتنا طول نہ کھینچتی اگر مسلمانوں کے ''لبرل اور ماڈرن'' رہنما ہر موقع پر امت کے اجتماعی ضمیر اور مجموعی احساس سے غداری کر کے شرمناک رویہ نہ اپناتے۔ وجدان یہ کہتا ہے کہ اب تک اہل مغرب مسلمانوں کے ''لبرل'' لیڈروں کے چلنے اور رویے کو دیکھ کر ہی ہماری غیرت اور ملی وحدت کا اندازہ کرتے ہیں اور اپنے من مانے فیصلے ٹھونستے رہے ہیں، مگر اب شاید ''بندہ صحرائی اور مرد کوہستانی'' مسلمانوں سے ان کا کھلا مقابلہ اور معرکہ پیش آنے والا ہے۔ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو اس سے اگلے دن!

اب کی بار ان شاء اللہ تعالیٰ تاریخ اپنے صفحات پر نیا باب لکھے گی۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''ہلال''، فروری 1997ء)

'جہاد' کا مفہوم اور دورِ حاضر ✿ میں اس کے تقاضے

میرے پیشِ نظر موضوع 'سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں جہاد کا مفہوم' ہے جس کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ حتیٰ کہ تذکرہ بھی اس مختصر وقت میں ممکن نہیں ہے۔ اس لئے بہت

✿ اسلام میں جہاد کا تصور اور فضیلت، دیگر ادیان و مذاہب کے بالمقابل اسلام کا امتیازی تصور ہے جس کی رو سے جہاں جان و مال اور عقل و نسل کا تحفظ بنیادی حق قرار پاتا ہے، وہاں سیکولرازم کے برعکس دین کا تحفظ بھی اسلام کی نظر میں بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ بلاشبہ جہاد کا یہ تصور اسلام کی حقانیت اور جامعیت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

مولانا زاہد الراشدی قلم و دانش کے ان مجاہدین میں شامل ہیں جو موقع بموقع ایسے تصورات کو اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی (شیخ زاید اسلامک سنٹر) کے زیر اہتمام ایک سیمینار میں پڑھا جانے والا موجودہ مقالہ ہدیۂ قارئین ہے جس کی ہم بھرپور تائید کرتے ہیں تاہم یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ اس مقالہ میں بعض مقامات ایسے آئے ہیں جہاں جوشِ خطابت میں جہاد کی خصوصی نوعیت قتال (محاربہ) کے مقصد کے بارے میں اسلامی جہاد اور عسکریت کے درمیان التباس پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ قتال ومحاربہ اسلام کی نظر میں بنفسہٖ پسندیدہ اور مرغوب چیز نہیں ہے بلکہ رسول اللہؐ کے فرمان: لاتتمنوا لقاء العدو واسئلوا الله العافية ... الحديث (بخاری) ''دشمن سے ملاقات کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت طلب کرو'' وغیرہ کی روشنی میں حتی الوسع قتال سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس مفہوم کو علمائے اصول نے حسن بنفسہٖ اور حسن لغیرہٖ کی تقسیم سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے یعنی جس طرح حدود (رجم، قطع ید وغیرہ) فی نفسہٖ اسلام کا مقصود و مطلوب نہیں ہیں بلکہ معاشرے میں امن و امان کی ایک ناگزیر ضرورت ہیں یعنی حدود شرعیہ فی نفسہٖ پسندیدہ نہ ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہٖ کے زمرہ میں آتی ہیں، اسی طرح قتال ومحاربہ اسلام کی نظر میں ذاتی طور پر مطلوب نہیں بلکہ دفاعِ دین کی ایک ضرورت ہونے کے ناطے حسن لغیرہٖ کے طور پر اہم ہے۔--------

سے اُمور کو نظر انداز کرتے ہوئے چند ایک ایسے سوالات کا جائزہ لینا چاہوں گا جو جہاد کے حوالے سے آج کے دور میں عالمی سطح پر موضوعِ بحث ہیں اور ان کے بارے میں مثبت اور منفی طور پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا رہا ہے:

'جہاد' کا لفظ لغوی طور پر (مقابلہ میں) کوشش، محنت و مشقت اور تگ و دو کی مختلف شکلوں کا احاطہ کرتا ہے اور اسے دینی پس منظر میں لیا جائے تو اسلام کی سربلندی، دعوت و تبلیغ، ترویج و تنفیذ اور تحفظ و دفاع کے لئے کی جانے والی مختلف النوع عملی کوششوں کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی خواہشات پر کنٹرول اور نفس کی اصلاح کی مساعی پر بھی جہاد کا لفظ بولا گیا ہے جس کی قرآن وسنت میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

-----شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ...... الاية﴾ کی روشنی میں 'قتال' کو اسلام کے مقصد و منہاج کی بجائے فتنہ وفساد کے خاتمہ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حقیقۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے شخص کی یہ وضاحت اسلام کی بہت اہم تعبیر ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اسی نکتہ نظر کی وضاحت کے لئے ہم نے کئی عبارتوں پر حواشی لگانے کی جسارت کی ہے جس سے مقصود مولانا زاہد الراشدی صاحب سے اختلاف نہیں بلکہ مذکورہ بالا موقف میں غیر شعوری طور پر پیدا ہونے والے التباس کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اس وقت مغربی دنیا میں بالعموم اور اسلامی معاشرہ میں بالخصوص ایسی بحثیں جاری ہیں کہ کیا دنیا بھر میں عسکری تنظیموں کی تمام کاروائیاں بلا استثنا اسلامی ہیں یا بعض کاروائیاں اس تشدد کے زمرہ میں آتی ہیں جس کی اسلام غیر مشروط اجازت نہیں دیتا؟ مثلاً مصر کے صدر انور سادات وغیرہ کا قتل یا بعض ایسے تخریبی کام جنہیں کسی صورت بھی اسلام کا جبہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

مولانا زاہد الراشدی جیسے حضرات سے ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ عسکری تنظیموں کی بلا استثنا تمام کاروائیوں کی تائید کی بجائے دنیا کے تمام مسلم ممالک میں ان کے بعض انتہا پسندانہ پہلو بھی پیش نظر رکھیں گے جس طرح موصوف نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد کی جنگ بدر میں عدم شمولیت اور حضرت سلمان فارسیؓ کا جنگِ احزاب سے پہلے کے غزوات سے غیر حاضر ہونے کا عذر اپنے مضمون ہذا میں پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زبان وقلم میں مزید زور اور قوت تاثیر پیدا فرمائے۔ آمین! (ماہنامہ محدث لاہور)

لیکن جہاد کا ایک خصوصی مفہوم 'جنگ' اور 'محاربہ' بھی ہے جسے قرآنِ کریم میں 'جہاد فی سبیل اللہ' اور 'قتال' کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے (۱) چنانچہ سینکڑوں آیاتِ قرآنی اور ہزاروں احادیثِ نبویہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور اس 'جہاد' کے فضائل، احکام، مسائل اور مقصدیت پر قرآن وسنت میں پورے اہتمام کے ساتھ جابجا روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کافروں کے خلاف میدانِ جنگ میں صف آرا ہو کر ہتھیاروں کے ساتھ ان سے معرکہ آرائی کرنا اور قتل وقتال کے ذریعے سے کفر پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا جس کی اہمیت وفضیلت پر قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ کی سینکڑوں تصریحات گواہ ہیں اور اس کو آج کے دور میں اس وجہ سے سب سے زیادہ تنقید واعتراض کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ جدید عقل ودانش کے نزدیک عقیدہ ومذہب کے فروغ اور غلبہ کے لئے ہتھیار اُٹھانا تہذیب وتمدن کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ایسا کرنا بنیاد پرستی، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے دائرے میں آتا ہے۔ (۲)

---

(۱) قرآن وحدیث میں جس طرح بہت سے مقامات پر 'جہاد' قتال فی سبیل اللہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کی غرض سے واقعتاً غالب آنے کی ہر کوشش 'مقدس جہاد' کی قسم ہے۔ لیکن کتاب وسنت میں 'جہاد' جنگ کے علاوہ تحفظ دین کی دوسری مساعی پر بھی جابجا بولا گیا ہے، بالخصوص منافقین سے جہاد کی بیشتر صورتیں بلا سیف ہیں، اسی طرح ہجرت سے پہلے کی سورتوں میں 'جہاد' کا ذکر قطعاً جنگ کے معنی میں نہیں آیا۔ (محدث)

(۲) جہاد کے مقصد کی مذکورہ تعبیر اسلام میں جہاد کی ضرورت کی حد تک تو درست ہے لیکن اگر اس عبارت سے کوئی عسکریت پسند یہ تاثر دے کہ اسلام ایک عسکری دین (Militant Religion) ہے تو یہ تعبیر غلط ہوگی۔ اسلام امن وامان کا علمبردار مذہب ہے اور اپنی تعلیمات کی روشنی میں فرد ومعاشرہ دونوں کی ترقی کا ضامن بھی، اسی لئے جنگ قادسیہ کے فاتح حضرت سعد بن ابی وقاص کے نمائندہ ربعی بن عامر کا رستم کے دربار میں یہ قول سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے:---------

جہاد ہر دور میں تھا اور ہمیشہ جاری رہے گا

اس سلسلے میں آگے بڑھنے سے قبل ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ عقیدہ و مذہب کے لئے ہتھیار اٹھانے اور باطل مذاہب پر حق مذہب کی بالادستی کے لئے عسکری جنگ لڑنے کا آغاز حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا بلکہ جہاد کا یہ عمل آسمانی ادیان میں پہلے سے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ نے اس حوالے سے تاریخ میں کسی نئے عمل اور اُسلوب کا اضافہ کرنے کی بجائے آسمانی مذاہب کی ایک مسلسل روایت کو برقرار رکھا ہے چنانچہ جس طرح قرآنِ کریم میں جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اسی طرح بائبل میں بھی ان مجاہدین اور مذہبی جنگوں کا ذکر موجود ہے جو بنی اسرائیل نے اپنے مذہب کے دفاع اور اپنی آزادی اور تشخص کے تحفظ کے لئے لڑیں۔ مثال کے طور پر

۔۔۔(گذشتہ) "والله جاء بنا لنخرج العباد من عبادة العباد إلى عبادة الله" "اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ ہمیں (تمہارے خلاف اس لئے چڑھا) لایا ہے کہ ہم تمام بندگانِ خدا کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں لے جائیں۔" (تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر وغیرہ) حضرت عمرؓ کا عمرو بن العاص کے بیٹے کی طرف سے زیادتی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ فرمانا: ولدتهم أمهاتهم أحرارا...... "ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنم دیا تھا، تم نے کب سے انہیں غلام بنا لیا۔" سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بلاوجہ کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اسلامی حکومتوں کے اندر تمام ذمی اور مستامن کفار غلام نہیں ہوتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کا مقصد اِن معنوں میں جہانبانی اور جہانگیری نہیں ہے کہ لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کیا جائے بلکہ جنگ کا مقصد بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکالنا ہے۔ جہاں تک اللہ کی بندگی میں لانے کا مسئلہ ہے اس کے بارے میں اسلام دعوت و تبلیغ کا طریق کار اختیار کرتا ہے۔

اس مسئلہ کو یوں بھی واضح کیا جا سکتا ہے کہ اسلام عقیدہ و مذہب کے بارے میں دنیاوی زندگی کی حد تک کافر کو بھی اسی طرح آزادی دیتا ہے جس طرح ایک شخص کو اسلام میں آنے اور مسلمان رہنے کی پوری آزادی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام تشدد اور دھمکی سے مسلمان بنانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اسلام کی غلط تعبیر ہے جو سوءِ فہمی کا نتیجہ ہے!! (محدث)

قرآنِ کریم نے فلسطین کی سرزمین پر لڑی جانے والی ایک مقدس جنگ کا سورۃ البقرۃ میں تذکرہ کیا ہے جو جالوت جیسے ظالم حکمران کے خلاف طالوت کی قیادت میں لڑی گئی اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت بادشاہ کا معجزانہ طور پر خاتمہ ہوا۔ اس جنگ کا تذکرہ بائبل میں بھی موجود ہے اور اس میں حضرت طالوت کو 'ساؤل' بادشاہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس لئے اگر آج کی جدید دانش کو مذہب کے نام پر ہتھیار اٹھانے پر اعتراض ہے تو اس کا ہدف صرف قرآنِ کریم اور جنابِ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی نہیں بلکہ اصولی طور پر بائبل اور بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ کی پوری تاریخ اس کی زد میں ہے، صرف اتنے فرق کے ساتھ کہ بائبل کے ماننے والوں نے بائبل پر ایمان کے باوجود اس کے عملی احکام اور ماضی سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے جبکہ قرآنِ کریم پر ایمان رکھنے والے تمام تر عملی کمزوریوں کے باوجود اپنے ماضی اور قرآنی احکام و تعلیمات سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس وضاحت کے بعد جہاد کی مقصدیت کے حوالے سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جہاد کا مقصد جناب نبی اکرم ﷺ نے 'اعلاء کلمۃ اللہ' قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جس کا مطلب عملی طور پر یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی میں حکم اور قانون کا درجہ انسانی خواہشات اور ظن و گمان کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور آسمانی تعلیمات کو حاصل ہونا چاہئے اور کلمۃ اللہ کی اسی سربلندی کے لئے قرآن کریم اور جناب نبی اکرم ﷺ نے آسمانی مذاہب کی ان دینی معرکہ آرائیوں کے تسلسل کو باقی رکھا ہے تاکہ کسی دور میں بھی انسانی خواہشات اور عقل و گمان کو وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات پر غلبہ حاصل نہ ہونے پائے اور انسانی سوسائٹی پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی عملداری کے جس مشن کے لئے حضرات انبیاءِ کرام مبعوث ہوتے رہے ہیں، اس میں تعطل واقع نہ ہو چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ارشادِ مبارک میں یہ کہہ کر اس

جدوجہد کے قیامت تک جاری رہنے کا اعلان فرما دیا ہے کہ: "الجهاد ماض الى يوم القيامة"۔(۳)

جنگ وجدل کے لئے دورِ حاضر کی خوشنما توجیہات

یہ فکر و فلسفہ کی جنگ ہے، اسلوبِ زندگی کی معرکہ آرائی ہے اور تہذیب و ثقافت کا محاذ ہے جس میں شروع سے آسمانی مذاہب کا یہ موقف رہا ہے اور اب آسمانی مذاہب و ادیان کے حقیقی وارث کی حیثیت سے اسلام کا موقف بھی یہی ہے کہ انسانی سوسائٹی کی راہنمائی اور اس کے مسائل کے حل کے لئے انسانی خواہشات اور عقل و دانش تنہا کفایت نہیں کرتیں بلکہ ان پر آسمانی تعلیمات کی نگرانی ضروری ہے کیونکہ اس 'چیک اینڈ بیلنس' (Check & Balance) کے بغیر انسانی خواہشات اور انسانی عقل کے لئے پوری نسلِ انسانی کی ضروریات و مفادات میں توازن قائم رکھنا ممکن نہیں ہے لیکن آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ تہذیبِ جدید نے آسمانی تعلیمات سے دستبرداری کا اعلان کر کے خواہشات اور عقل ہی کو تمام اُمور کی فائنل اتھارٹی قرار دے رکھا ہے جس سے توازن بگڑ گیا ہے، اجتماعی اخلاقیات دم توڑ گئی ہیں، طاقت کا بے لگام گھوڑا وحی الٰہی کی لگام سے آزاد ہو گیا ہے اور پوری دنیا میں ہر طرف 'جنگل کے قانون' (Might is Right) کا دور دورہ ہے۔

آج کی جدید دانش نے چونکہ مذاہب کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر کے شخصی زندگی کے دائروں میں محدود کر دیا ہے، اس لئے عقل جدید کے نزدیک مذہب کو وہ مقام حاصل

(۳) دینِ اسلام میں جس طرح قتال دفاعِ دین کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح کافرانہ معاشروں میں قائم ظلم و عدوان کے خاتمے کے لئے بھی ہوتا ہے جس کی ایک سرکاری صورت 'اقدامی قتال' ہے۔ عہدِ رسالت میں جنگ خندق کے بعد اقدامی قتال کی متعدد مثالیں موجود ہیں، تاہم اقدامی قتال اجتماعی امور کے باب کا حصہ ہے۔ سیکولر طبقہ اسے اس لئے نہیں مانتا کہ اس کے نزدیک دین کا 'اجتماعیات' میں کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ مولانا زاہد الراشدی آئندہ سطور میں خود یہی بحث کر رہے ہیں۔ حضرت موصوف کا یہ موقف قابل تحسین ہے۔ (محدث)

نہیں رہا کہ اس کے لئے ہتھیار اٹھائے جائیں اور اس کے فروغ و تنفیذ کے لئے عسکری قوت کو استعمال میں لایا جائے، ورنہ ہتھیار تو آج بھی موجود ہیں اور جتنے ہتھیار آج پائے جاتے اور تیار ہو رہے ہیں، انسانی تاریخ میں اس سے قبل کبھی نہیں دیکھے گئے۔ یہ ہتھیار استعمال بھی ہوتے ہیں اور وہ ایسی تباہی لاتے ہیں کہ اس سے قبل انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے مگر ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے والوں کے مقاصد اور عنوانات مختلف ہیں:

......☆ جرمنی نے 'جرمن نسل کی برتری' کے عنوان سے ہتھیار بنائے اور دو عظیم جنگوں میں پوری دنیا کے لئے تباہی کا سامان فراہم کیا۔

......☆ روس نے 'محنت کشوں کی طبقاتی بالادستی' کے نام پر عسکری قوت کا بے تحاشا استعمال کیا اور نسل انسانی کے ایک بڑے حصے کو تہہ تیغ کر دیا۔

......☆ اسرائیل ایک 'نسلی مذہب کی برتری' کے لئے اپنے سائز سے سینکڑوں گنا زیادہ ہتھیار جمع کئے ہوئے ہے اور فلسطینیوں کی مسلسل نسل کشی (Genocide) میں مصروف ہے۔

......☆ اور امریکہ نے 'مغرب کی تہذیب و ثقافت کے تحفظ' کے نام پر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر نسلی برتری، طبقاتی بالادستی اور تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے لئے ہتھیار اٹھانا اور صرف اُٹھانا نہیں بلکہ اسے وحشیانہ انداز میں اندھا دھند استعمال کر کے لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا دہشت گردی نہیں ہے تو 'آسمانی تعلیمات کے فروغ اور وحی الٰہی کی بالادستی' کے لئے ہتھیار اٹھانے کو کون سے قانون اور اخلاقیات کے تحت دہشت گردی قرار دیا جا رہا ہے؟

تبصرہ: باقی تمام پہلوؤں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آج کی معروضی صورت

حال (Scenario) میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے طرزِ عمل کا جائزہ لے لیں کہ افغانستان اور دنیا بھر کے مختلف علاقوں میں اسلام کے اجتماعی نظام کے نفاذ کا نام لینے والوں کے خلاف 'عالمی اتحاد' کے پرچم تلے جو وحشیانہ فوج کشی جاری ہے، اس کے جواز میں اس کے علاوہ اب تک کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی کہ اسلام کا نام لینے والے ان مبینہ انتہا پسندوں سے آج کی عالمی تہذیب کو خطرہ ہے۔ بالادست (Dominant) ثقافت کو خطرہ ہے اور بین الاقوامی نظام کو خطرہ ہے، اس لئے ان انتہا پسندوں کا خاتمہ ضروری ہے اور ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عقیدہ و مذہب کے لئے ہتھیار اٹھانے کو 'دہشت گردی' کہنے والے خود ایک مذہب اور عقیدہ کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہوئے میدانِ جنگ میں مسلسل صف آرا ہیں۔

میری اس گزارش کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایک عقیدہ، فلسفہ اور تہذیب کے تحفظ کے لئے ہتھیار اٹھانے اور اسے بے دریغ استعمال کرنے کا ایک فریق کو حق حاصل ہے تو اس کے خلاف دوسرے عقیدہ، فلسفہ اور تہذیب کے علمبرداروں کو ہتھیار اٹھانے کے حق سے کس طرح محروم نہیں کیا جا سکتا......!

اور ہتھیار بنانے اور استعمال کرنے کے لئے یہ کوئی وجہ جواز (Excuse) نہیں ہے کہ چونکہ ایک فریق کے پاس ہتھیار بنانے کی صلاحیت زیادہ ہے اور اسے ان ہتھیاروں کے استعمال کے مواقع زیادہ میسر ہیں، اس لئے اسے تو ہتھیار بنانے اور چلانے کا حق حاصل ہے اور دوسرا فریق اس صلاحیت میں کمزور اور ان مواقع کی فراوانی سے محروم ہے اس لئے اسے اس کا سرے سے کوئی حق نہیں ہے!!

آج امریکہ اور اس کے اتحادی اس بات پر مطمئن ہیں کہ جو جنگ وہ لڑ رہے ہیں، وہ اعلیٰ مقاصد کی خاطر لڑی جا رہی ہے، انسانیت کی بھلائی کی جنگ ہے اور ان کے بقول اعلیٰ ترین تہذیبی اقدار کے تحفظ کی جنگ ہے۔ جنگ کی اسی مقصدیت کی وجہ سے انہیں اس عظیم

جانی و مالی نقصان کی کوئی پروا نہیں ہے جو دنیا بھر میں ان کے ہاتھوں مسلسل جاری ہے۔ انسان مر رہے ہیں، عورتیں بیوہ ہو رہی ہیں، بچے یتیم ہو رہے ہیں، عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو رہی ہیں، ملکوں اور قوموں کی معیشتیں تباہ ہو رہی ہیں اور امن و امان کا توازن مسلسل بگڑتا چلا جا رہا ہے لیکن ایسا کرنے والے چونکہ اپنے زعم کے مطابق یہ سب کچھ اعلیٰ مقاصد کے لئے کر رہے ہیں اور ان اقدامات کے ذریعے سے اعلیٰ تہذیب و ثقافت کا تحفظ کر رہے ہیں، اس لئے ان کے خیال میں یہ سب کچھ جائز ہے اور جنگ کا حصہ ہے جسے کسی چون و چرا کے بغیر پوری نسل انسانی کو برداشت کرنا چاہئے۔

یہی بات اسلام کہتا ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نسل انسانی کے لئے نجات کا راستہ انسانی خواہشات اور صرف انسانی عقل نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی کی نگرانی اور آسمانی تعلیمات کی برتری انسانی سوسائٹی کے لئے ضروری ہے اور اسلام کے نزدیک انسانیت کی اعلیٰ اقدار اور تہذیبی روایات کا سرچشمہ انسانی خواہشات اور عقل محض نہیں بلکہ وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات ہیں، اس لئے ایک مسلمان اگر ان مقاصد کے لئے ہتھیار اٹھاتا ہے تو دنیا کی مسلمہ روایات اور تاریخی عمل کی روشنی میں اسے یہ کہہ کر اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا کہ مخالف فریق کے نزدیک اس کا یہ عمل دہشت گردی قرار پا گیا ہے۔

اس اُصولی وضاحت کے بعد قرآن و سنت کی رو سے جہاد کی چند عملی صورتوں کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں:

جہاد...... اعلانیہ اور پوشیدہ، ہر انداز سے

قرآنِ کریم نے بنی اسرائیل کے حوالے سے جہاد کے ایک حکم کا تذکرہ سورۃ المائدہ میں کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے چنگل سے بنی اسرائیل کو نکال کر صحرائے سینا میں خیمہ زن ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ وہ 'بیت

المقدس' کو عمالقہ سے آزاد کرنے کے لئے جہاد کریں اور آگے بڑھ کر حملہ آور ہوں مگر غلامی کے دائرے سے تازہ تازہ نکلنے والی مرعوب قوم کو اس کا حوصلہ نہ ہوا اور پھر اس کے چالیس سال بعد بنی اسرائیل کی نئی نسل نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں جنگ لڑ کر بیت المقدس کو آزاد کرایا۔

قرآنِ کریم نے بنی اسرائیل ہی کے حوالے سے ایک اور جہاد کا تذکرہ کیا ہے جس کا حوالہ ہم پہلے بھی دے چکے ہیں کہ جالوت نامی ظالم بادشاہ نے فلسطین کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے بنی اسرائیل کو مظالم کا شکار بنانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام کے حکم پر طالوت بادشاہ کی قیادت میں بنی اسرائیل کی مٹھی بھر (Handful) جماعت نے جالوت کا مقابلہ کیا اور اسے میدانِ جنگ میں شکست دے کر فلسطین کے علاقے آزاد کرائے۔

جناب نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کفارِ مکہ کے خلاف پہلے بڑے معرکے کی قیادت بدر کے میدان میں کی اور قریش کو شکست دے کر شاندار کامیابی حاصل کی۔ یہ جنگ قریش مکہ کے ان عزائم پر ضرب لگانے کے لئے بپا ہوئی تھی جو وہ اسلام کو ختم کرنے اور جناب نبی اکرم ﷺ اور ان کی جماعت کو ناکام بنانے کے لئے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد 'اُحد' اور 'احزاب' کی جنگیں بھی اسی پس منظر میں تھیں اور اس کشمکش کا خاتمہ اس وقت ہوا جب نبی اکرم ﷺ نے ۸ ہجری میں خود پیش قدمی کر کے مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔

یہودِ مدینہ کے ساتھ جناب نبی اکرم ﷺ نے امن و امان کے ماحول میں وقت بسر کرنے کی کوشش کی لیکن یہودیوں کی سازشوں اور عہد شکنیوں کی وجہ سے ایسا ممکن نہ رہا تو جناب نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے سب سے بڑے مرکز (Stronghold) خیبر پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کر لیا اور یہود کا زور توڑ دیا۔

قیصرِ روم کے باج گذاروں نے مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور یہ خبر ملی کہ خود

قیصر روم مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو جناب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس کا انتظار کرنے کے بجائے شام کی سرحد کی طرف پیش قدمی کی اور تبوک میں ایک ماہ قیام کر کے رومی فوجوں کا انتظار کرنے کے بعد وہاں سے واپس تشریف لائے۔

یہ تو چند کھلی جنگیں ہیں جو علانیہ لڑی گئیں تھیں، ان سے ہٹ کر ایسی متعدد کاروائیاں بھی سیرت النبیؐ کے ریکارڈ میں ملتی ہیں جنہیں چھاپہ مار کاروائیوں (Ambush) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆...... مدینہ منورہ کے ایک سازشی یہودی سردار کعب بن اشرف کو جناب نبی اکرم ﷺ کے ایما پر حضرت محمد بن مسلمہؓ اور ان کے رفقا نے شب خون مار کر قتل کیا۔

☆...... خیبر کے نواح کے ایک اور سازشی یہودی سردار ابو رافع کو جناب نبی اکرم ﷺ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن عتیکؓ نے اسی قسم کی چھاپہ مار کاروائی کے ذریعے سے قتل کیا۔

☆...... جناب نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں یمن کے اسلامی صوبہ پر ایک نئے مدعی نبوت اسود عنسی نے قبضہ کر کے جناب نبی اکرم ﷺ کے مقرر کردہ گورنر کو شہید کر دیا اور اسلامی ریاست کے عمال کو یمن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو جناب نبی اکرم ﷺ کے ایما پر حضرت فیروز دیلمیؓ اور ان کے رفقا نے چھاپہ مار کاروائی کر کے اسود عنسی کو رات کی تاریکی میں قتل کیا اور یمن پر اسلامی اقتدار کا پرچم دوبارہ لہرا دیا۔

☆...... صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کی بعض ناجائز اور یک طرفہ شرائط کے خلاف دباؤ ڈالنے کے لئے حضرت ابو بصیرؓ اور حضرت ابو جندلؓ نے سمندر کے کنارے ایک باقاعدہ چھاپہ مار کیمپ قائم کیا اور قریش کا شام کی طرف تجارت کا راستہ غیر محفوظ بنا دیا جس سے مجبور ہو کر قریش کو صلح حدیبیہ کے معاہدے میں شامل اپنی یک طرفہ شرائط واپس لینا پڑیں اور ابو بصیرؓ کی چھاپہ مار کاروائیوں سے تنگ آ کر قریش کو جناب نبی اکرم ﷺ سے دوبارہ گفتگو کرنا پڑی۔

جہاد......زندگی کے ہر محاذ پر!

جناب نبی اکرم ﷺ نے میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے کے ساتھ ساتھ میڈیا کے محاذ پر بھی کفار کے خلاف صف آرائی کی، چنانچہ غزوۂ احزاب کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کے ایک اجتماع میں باقاعدہ طور پر اس کا اعلان کیا کہ اب قریش مکہ کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوگی لیکن اب وہ زبان کی جنگ لڑیں گے اور مسلمانوں کے خلاف پورے عرب میں پراپیگنڈے اور منافرت انگیزی کا بازار گرم کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر شعر و خطابت سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرامؓ کو میدان میں آنے کی ترغیب دی، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ نے کھلے بندوں اعلان کر کے یہ محاذ سنبھالا اور شعر و شاعری کے محاذ پر کفار کے حملوں کا پوری جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

زیادہ تفصیلات کا موقع نہیں ہے لیکن ان گزارشات سے اتنی بات ضرور سامنے آگئی ہوگی کہ نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی سربلندی اور اُمتِ مسلمہ کے تحفظ و استحکام کے لئے موقع و محل کی مناسبت سے جنگ کی ہر ممکنہ صورت اختیار کی اور محاذ آرائی کے جس اسلوب نے بھی جناب نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنا چیلنج رکھا، اسے جواب میں مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

چھاپہ مار کارروائیاں

آج کے حالات میں جہاد کے حوالے سے دو سوال عام طور پر کئے جاتے ہیں: ایک یہ کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان مجاہدین کی چھاپہ مار کارروائیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا کسی علاقے میں جہاد کے لئے ایک اسلامی حکومت کا وجود اور اس کی اجازت ضروری نہیں ہے؟

اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں حضرت ابو بصیرؓ کا کیمپ اور

حضرت فیروز دیلمیؓ کی چھاپہ مار کاروائی ہمارے سامنے واضح مثال کے طور پر موجود ہے۔

حضرت ابو بصیرؓ نے اپنا کیمپ جناب نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے قائم نہیں کیا تھا لیکن جب یہ کیمپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف اس کے نتائج کو قبول کیا بلکہ قریش کی طرف سے یک طرفہ شرائط سے دست برداری کے بعد اس کیمپ کے مجاہدین کو باعزت طور پر واپس بلا لیا۔

اسی طرح یمن پر اسود عنسی کا غیر اسلامی اقتدار قائم ہونے کے بعد جناب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ سے فوج بھیج کر لشکر کشی نہیں کی بلکہ یمن کے اندر مسلمانوں کو بغاوت کرنے کا حکم دیا اور اسی بغاوت کی عملی شکل وہ چھاپہ مار کاروائی تھی جس کے نتیجے میں اسود عنسی قتل ہوا۔

مسلم اقلیتوں کی جہاد میں شرکت؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جہاد شرعی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے تو جو مسلمان غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں اقلیت (Minority) کے طور پر رہتے ہیں، ان کی ذمہ داری کیا ہے اور کیا ان کے لئے جہاد میں شمولیت ضروری نہیں ہے؟(۵)

(۵) فاضل موصوف نے مسلم اقلیتوں کے جہاد میں شمولیت اختیار کرنے کے حوالے سے یہ بڑی مناسب بات پیش کی ہے کہ ایسے مسلمان بھی دامے درمے اور سخنے اپنے علاقوں میں اپنی حکومتوں کے معاہدات کے دائرے میں رہتے ہوئے دیگر مظلوم مسلمانوں سے ہر طرح کا تعاون جاری رکھیں۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام اور مسلمان دنیا میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کے حامل یا کافرانہ جبر و تسلط کے تحت ابدی طور پر مصالحت و مداہنت کے ساتھ رہنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ غیر اسلامی اور وضعی قوانین کے خلاف جدوجہد حتیٰ المقدور ہر مسلمان پر فرض ہے حتیٰ کہ جب مسلم اقلیتوں کو اجتماعی طور پر کسی کامیاب تدبیر سے اپنی کافر حکومتوں کے خلاف خروج کا یقین و اعتماد ہو جائے تو ایسے حالات میں کافرانہ تسلط کے خلاف جہاد بالسیف بھی فرض ہو جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی نام نہاد مسلم حکمران اسلام کے نام پر کافرانہ نظام کو مسلط کرنے کی کوشش کرے اور اسلامی تعلیمات پر آزاد۔۔۔۔

اس کے جواب میں دو واقعات کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ ایک یہ کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد محترم جناب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں جہاد میں شمولیت کے لئے حاضر ہو رہے تھے

۔۔۔۔۔آزادانہ عمل پیرا ہونے میں رکاوٹیں کھڑی کرے تو ایسے حکمران کے خلاف جہاد کی پیش آمدہ کسی مناسب صورت کی بھی اسلام تجویز پیش کرتا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لہٰذا جب اسلام ایسی نام نہاد مسلم حکومت کی بھی جہاد کے ذریعے اصلاح پر زور دیتا ہے تو پھر خالصتاً کافرانہ حکومتوں کے تحت ابدالاباد راضی و مطیع بن کر رہنے اور اس نظام و حکومت کے خلاف جدوجہد سے ہاتھ کھینچنے کو کیسے پسند کر سکتا ہے؟

جو لوگ حکمرانوں کے خلاف ہر قسم کے خروج کی نفی پر مصر ہیں، انہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھنا چاہیے:

"ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون مالا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون، فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن و ليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل" (مسلم، کتاب الایمان: رقم ۵۰)

''مجھ سے پہلے ہر امت میں اللہ تعالیٰ نے جب کسی نبی کو مبعوث کیا تو اس کی امت میں سے اس کے مخلص ساتھی بھی ہوا کرتے تھے جو اس نبی کے طریقے اور حکم کی اقتدا و اتباع کرتے، پھر ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین ہوں گے، جو ایسی باتیں کریں گے جو وہ عملاً کرنے والے نہیں اور وہ ایسے کام کریں گے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔ لہٰذا جو شخص ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے اور جو ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے گا، وہ مؤمن ہے اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے گا، وہ بھی مؤمن ہے۔ اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔'' (یعنی جو دل سے بھی انہیں برا نہیں سمجھتے، ان کے دلوں میں رائی برابر ایمان نہیں جیسے آج کل کے ظالم حکمرانوں کے کاسہ لیس بے ضمیر خوشامدی ہیں۔)

حدیث بالا کی رو سے غیر مسلم معاشروں میں خروج کے مسئلہ میں ہمیں معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

(محدث)

کہ راستے میں کفار کے ایک گروہ نے گرفتار کرلیا اور اس شرط پر انہوں نے ہمیں رہا کیا ہے کہ ہم ان کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر حصہ نہیں لیں گے۔ اس پر نبی ﷺ نے یہ فرما کر انہیں بدر کے معرکے میں شریک ہونے سے روک دیا کہ اگر تم نے اس بات کا وعدہ کرلیا ہے تو اس وعدہ کی پاسداری تم پر لازم ہے چنانچہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد محترم موجود ہوتے ہوئے بھی بدر کے معرکے میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے سکے تھے۔

اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت اسلام قبول کیا تھا، جب رسول اکرم ﷺ قبا میں قیام فرماتے اور ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے لیکن حضرت سلمان فارسیؓ کا ذکر نہ بدر کے مجاہدین میں ملتا ہے اور نہ وہ اُحد ہی میں شریک ہوسکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت آزاد نہیں تھے بلکہ ایک یہودی کے غلام تھے چنانچہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ان کی شمولیت جس پہلے غزوہ میں ہوئی، وہ احزاب کا معرکہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے جہاد کے حوالے سے مسلمانوں کے معروضی حالات اور ان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھا ہے۔ اس لئے جو مسلمان غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں رہتے ہیں اور ان کے ان ریاستوں کے ساتھ وفاداری کے معاہدات موجود ہیں، ان کے لئے ان معاہدات کی پاسداری لازمی ہے، البتہ اپنے ملکوں کے قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد، ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے وہ جو کچھ بھی کرسکتے ہیں، وہ ان کی دینی ذمہ داری ہے اور اس میں انہیں کسی درجے میں بھی کوتاہی روا نہیں رکھنی چاہیے۔

گذشتہ سال (۲۰۰۱ء) افغانستان پر امریکی حملے کے موقع پر میں برطانیہ میں تھا۔ مجھ سے وہاں کے بہت سے مسلمانوں نے دریافت کیا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کو یہودیوں کی پیروی کرنا چاہئے اور ان سے کام کا طریقہ سیکھنا چاہئے کیونکہ یہودی ان ممالک میں رہتے ہوئے جو کچھ یہودیت کے عالمی غلبہ اور اسرائیل

کے تحفظ و دفاع کے لئے کر رہے ہیں، اسلام کے غلبہ اور مظلوم مسلمانوں کے دفاع کے لئے وہ سب کچھ کرنا مسلمانوں کا بھی حق ہے مگر یہ کام طریقہ اور ترتیب کے ساتھ ہونا چاہئے اور جن ملکوں میں مسلمان رہ رہے ہیں، ان کے ساتھ اپنے معاہدات اور کمٹ منٹ کے دائرے میں رہتے ہوئے کرنا چاہئے۔

آج دنیا کی عمومی صورتِ حال پھر اس سطح پر آ گئی ہے کہ خواہشات اور محدود عقل پرستی نے ہر طرف ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور آسمانی تعلیمات کا نام لینے کو جرم قرار دیا جا رہا ہے۔ آج کی اجتماعی عقل نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے انکار کر کے حاکمیتِ مطلقہ کا منصب خود سنبھال لیا ہے اور وحی الٰہی سے راہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اس کے نشانات و اثرات کو ختم کرنے کی ہر سطح پر کوشش ہو رہی ہے۔ اس فضا میں 'اعلاء کلمۃ اللہ' کا پرچم پھر سے بلند کرنا اگرچہ مشکل بلکہ مشکل تر دکھائی دیتا ہے لیکن جناب نبی اکرم ﷺ کی سنت و سیرت کا تقاضا یہی ہے کہ نسل انسانی کو خواہشات کی غلامی اور عقل محض کی پیروی کے فریب سے نکالا جائے اور اسے آسمانی تعلیمات کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے وحی الٰہی کی ہدایات کے دائرے میں لانے کی کوشش کی جائے۔

اس کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان جس مظلومیت اور کسمپرسی کے عالم میں ظالم اور متسلط قوتوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں اور انہیں جس بے رحمی اور سنگ دلی کے ساتھ ان کے مذہبی تشخص کے ساتھ ساتھ قومی آزادی اور علاقائی خود مختاری (Territorial Independence) سے محروم کیا جا رہا ہے اس کے خلاف کلمہ حق بلند کرنا اور ان مظلوم مسلمانوں کو ظلم و جبر کے ماحول سے نجات دلانے کے لئے جو کچھ ممکن ہو کر گزرنا، یہ بھی جناب نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کا ایک اہم حصہ ہے جس سے صرفِ نظر کر کے ہم نبی اکرم ﷺ کی اتباع اور پیروی کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

ان دو عظیم تر ملی مقاصد کے لئے جدوجہد کے مختلف شعبے ہیں۔ فکر و فلسفہ کا میدان

ہے، میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی جولا نگاہ ہے، تہذیب و ثقافت کا محاذ ہے، تعلیم و تربیت کا دائرہ ہے، لابنگ اور سفارت کاری کا شعبہ ہے اور عسکری صلاحیت کے ساتھ ہتھیاروں کی معرکہ آرائی ہے۔ یہ سب جہاد فی سبیل اللہ کے شعبے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے ناگزیر تقاضے ہیں۔ اس لئے آج کے دور میں 'سنت نبوی کی روشنی میں جہاد کا مفہوم' یہ ہے کہ:

......☆ نسل انسانی کو خواہشات کی غلامی اور عقل محض کی پیروی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور آسمانی تعلیمات کی عمل داری کی طرف لانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی جائے۔

......☆ اسلام کی دعوت اور قرآن وسنت کی تعلیمات کو نسل انسانی کے ہر فرد تک پہنچانے اور اس کی ذہنی سطح کے مطابق اسے دعوتِ اسلام کا مقصد و افادیت سمجھانے کا اہتمام کیا جائے۔

......☆ ملتِ اسلامیہ کو فکری وحدت ، سیاسی مرکزیت، معاشی خود کفالت، ٹیکنالوجی کی مہارت اور عسکری قوت و صلاحیت کی فراہمی کے لئے بھرپور وسائل اور توانائیاں بروئے کار لائی جائیں۔

......☆ مسلمان کو صحیح معنوں میں مسلمان بنانے اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے لئے تگ و دو کی جائے نیز دینی تعلیم و تربیت کے نظام کو ہر سطح پر مربوط و منظم کیا جائے۔

......☆ مظلوم مسلمانوں کو ظلم و جبر سے نجات دلانے اور ان کے دینی تشخص اور علاقائی خودمختاری کی بحالی کے لیے ہر ممکن مدد فراہم کی جائے۔

......☆ مسلم ممالک میں قرآن وسنت کی عمل داری اور شرعی نظام کے نفاذ کی راہ ہموار کر کے تمام مسلم ملکوں کو عالمی سطح پر کنفیڈریشن کی صورت میں خلافت اسلامیہ قائم کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

☆...... دینی جذبہ وغیرت کے تحت ظالموں کے خلاف اور مظلوموں کے حق میں ہتھیار اٹھانے والے مجاہدین کو عالمی استعمار کے ہاتھوں ذبح کرانے اور ان کے قتل عام پر خوش ہونے کے بجائے ان کو بچانے کی کوشش کی جائے اور اس عظیم قوت کو ضائع ہونے سے بچانے کے ساتھ ساتھ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرتے ہوئے انہیں ملت اسلامیہ کے لیے حقیقی معنوں میں ایک کارآمد قوت بنانے کی راہ نکالی جائے۔

☆...... اسلامی تعلیمات، قرآن وسنت کے قوانین اور جہاد کے بارے میں عالمی استعمار اور مغربی تہذیب کے علم برداروں کے یک طرفہ اور معاندانہ پروپیگنڈے سے متاثر و مرعوب ہونے کے بجائے اس کو مسترد کیا جائے اور دلیل و منطق کے ساتھ اسلامی احکام اور جہاد کی ضرورت وافادیت سے دنیا کو روشناس کرایا جائے۔

یہ کام دراصل مسلم حکومتوں کے کرنے کے ہیں اور انہیں او آئی سی کے عملی ایجنڈے کا حصہ ہونا چاہئے لیکن اگر دینی مراکز اور اسلامی تحریکات بھی باہمی ربط و مشاورت کے ساتھ ان مقاصد کے لیے مشترکہ پیش رفت کا اہتمام کر سکیں تو حالات کو خاصا بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ 'محدث' لاہور مضمون نگار جناب مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ)

• .... • .... •

باب 7

دنیا کا عالمی دہشت گرد۔۔۔۔امریکہ!

- امریکہ اور اس کا عالمی نظام (نیو ورلڈ آرڈر)
- امریکہ کے 'مہذب' دہشت گرد!
- دہشت گردوں کی جنت............امریکہ!
- امریکہ کی دہشت گرد تنظیمیں
- دنیا بھر میں امریکہ کی دہشت گردیاں!



امریکہ اور اس کا عالمی نظام (نیو ورلڈ آرڈر)

بیسویں صدی کے آغاز تک امریکہ ایک علاقائی طاقت تھا اور اس کی دلچسپی کا اصل دائرہ براعظم امریکہ یعنی شمال میں کینیڈا، وسطی اور جنوبی امریکہ کے ممالک اور جزائر تک محدود تھا۔ اس فکر کا عکاس وہ نظریہ تھا، جسے نظریہ منرو (Monroe doctrine) کہتے ہیں۔(۱)

اس نظریے کا مطلب یہ تھا کہ: "شمالی، جنوبی اور وسطی امریکہ پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ (Usa) کو بالادستی حاصل ہے، یہاں کوئی دراندازی نہ کرے اور دنیا کے باقی علاقوں سے امریکہ کو چنداں دل چسپی نہیں" تاہم ۱۸۹۸ء میں امریکہ اور اسپین کے درمیان جنگ (Spanish american war) اس حصار کو توڑنے اور امریکہ کے عالمی کردار کا آغاز کرنے کا باعث ہوئی۔ جزیرہ ہوائی (Hawai) امریکہ کا حصہ بن گیا اور فلپائن آزاد ہو کر بھی دام اسیری میں گرفتار رہا۔ البتہ اس کے بعد یورپ اور پھر ایشیا آہستہ آہستہ امریکہ کے جولان گاہ بن گئے۔

پہلی عالمی جنگ (۱۸-۱۹۱۴ء) کا فیصلہ امریکہ کے ساڑھے تین لاکھ فوجیوں کی جنگ میں عملی شرکت سے ہوا، اور یورپ کی سیاست پر امریکہ کی قوت کے بادل چھا گئے۔ پھر دوسری جنگ (۴۵-۱۹۳۹ء) میں پرل ہاربر پر جاپانی حملے نے امریکہ کو جنگ میں عملاً شریک بنا دیا۔ اس نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے (۱۹۴۵ء) کا انسانیت کش "کارنامہ" انجام دیا۔ اس طرح دوسری جنگ کے اختتام تک دنیا کا سیاسی نقشہ تبدیل ہو گیا۔ یورپی اقوام جو پچھلے پانچ سو سال تک یورپ اور باقی دنیا پر حکمران تھیں، جو علاقائی

(۱) جیمز منرو، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پانچویں صدر (۲۵-۱۸۱۷ء) تھے، انہوں نے مذکورہ نظریہ پیش کیا تھا۔

اور عالمی قوتوں کا رول ادا کر رہی تھیں، منقار زیر ہو گئیں۔ چین اور جاپان جو ایشیائی قوتوں کی حیثیت سے ابھر رہی تھیں، محکوم اور مغلوب ہو گئیں۔ دو نئی عالمی طاقتیں دنیا پر چھا گئیں، یعنی امریکہ اور اشتراکی روس۔ پچاس سالہ سرد جنگ کے بعد اور جہاد افغانستان کی آخری ضرب کے نتیجے میں دسمبر ۱۹۹۱ء میں اشتراکی روس کی سلطنت منتشر ہو گئی۔ مشرقی یورپ اور وسطی ایشیا اس کے چنگل سے آزاد ہو گئے اور امریکہ دنیا کی واحد سوپر پاور بن کے سامنے آیا۔

معاشی اور سیاسی کردار....

امریکہ کے عالمی رول کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس میں دو چیزیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں:

۱۔ ایک سیاسی اور معاشی غلبہ واستیلا، جو تمام ہی سامراجی طاقتوں کا خاصہ رہا ہے۔

۲۔ دوسرے ایک نظریے اور پیغام کی علم برداری، جس میں تمام سامراجی طاقتوں کا کردار ایک سا نہیں رہا۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے جمہوریت کی ترویج، قوموں کے حق خود ارادیت کی تائید اور ایسے عالمی اداروں کے قیام کی آواز اٹھائی جو عالمی امن کی ضامن ہوں اور بین الاقوامی قانون کے احترام کا ذریعہ بن سکیں۔

امریکہ کے ۲۸ ویں صدر وڈرو ولسن (۲۱-۱۹۱۳ء) کے چودہ نکات اور لیگ آف نیشنز کا تصور اسی امریکی پیغام کے عکاس تھے۔ لیکن بہت جلد خود امریکہ میں ووڈرو ولسن کی تائید کمزور پڑ گئی، لیگ آف نیشنز کا سب سے بڑا علم بردار اور موید ہونے کے باوجود امریکہ اس کا ممبر نہ بنا۔ مشرقی یورپ میں جمہوریت نہیں بلکہ آمریت کی فتح کے دور کا آغاز ہوا، اور کمیونزم اور فاشزم کی شکل میں بدترین آمرانہ نظام وجود میں آئے۔

امریکہ ایک بہت بڑی معاشی قوت تھا۔پہلی جنگ کے بعد دنیا کی کل پیداواری دولت (Gdp) کا ۳۳ فی صد تھا، جبکہ امریکہ کی آبادی کبھی بھی دنیا کی آبادی کے ۶ فی صد سے زیادہ نہ تھی۔امریکہ کے سیاسی اثرات کی بنیاد اس کی معاشی قوت لیکن بڑی جنگوں کے درمیان بڑے شان دار آغاز کے باوجود امریکہ کا سیاسی کردار محدود رہا۔دوسری جنگ عظیم کے بعد صورتحال مختلف تھی۔یورپ کی تمام روایتی طاقتیں پژمردہ اور مضمحل تھیں۔امریکہ نے دونوں جنگوں میں فیصلہ کن شرکت تو ضرور کی، مگر خود میدان جنگ کبھی نہیں بنا۔اس لیے اس تباہی سے محفوظ رہا، جو جنگ کا نتیجہ ہوتی ہے۔قصہ مختصر، یورپ اور ایشیا میدان جنگ تھے اور تباہ حال۔اشتراکی روس بھی فتح کے باوجود زخم خوردہ تھا، مگر امریکہ بہت زیادہ تازہ دم رہا۔اس لیے دوسری جنگ عظیم کے بعد اس کا عالمی کردار برابر بڑھتا گیا۔اس دور میں بھی اس نے ایک نظریاتی پوزیشن اختیار کی۔جس میں امریکہ اور روس کی سرد جنگ، نظریاتی سطح پر سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکی آمریت کی جنگ بن گئی۔

معاشی گرفت، استعماری عزائم....

سرمایہ داری، منڈی کی معیشت کی بالادستی (Superiority)، انسانی حقوق، آزادی اور جمہوری اداروں کی خوبیاں جیسے موضوع زیر بحث رہے۔اس طرح سیاسی بالادستی کی لڑائی کا ایک نظریاتی آہنگ بھی رہا۔افغانستان میں روس کی شکست، منتشر اور غیر موثر ہو جانے کے بعد امریکہ کے اہل علم اور حکمت عملی ساز اداروں نے دنیا کو یہی نعرہ دیا کہ ''اب لبرل ڈیموکریسی کو آخری بالادستی حاصل ہوگئی ہے۔مارکیٹوں کی معیشت ہر مسئلے کا حل ہے اور امریکہ کو دنیا کے دوسرے نظاموں پر نظریاتی فتح حاصل ہوئی ہے۔امریکہ کی حکومت نے جارج بش ہی کی صدارت میں اپنے ''نئے عالمی نظام'' (New world order) کو شہ تاج کی حیثیت دے ڈالی، اور بیسویں اور اکیسویں صدی کو امریکہ کی صدی قرار دینے کا نعرہ کابلند کیا۔

مارٹی میرزوکرمین (Mortimir zuckerman) چیف ایڈیٹر یوایس نیوز اینڈ ورلڈرپورٹ اوردی نیویارک ڈیلی نیوز کے ناشراورچیئرمین ہیں، وہ مشہور رسالہ فارن افیرز میں A second american century

کے عنوان سے رقم طراز ہیں اورہمیں اس نتیجے پر پہنچانا چاہتے ہیں:

ساتویں صدی فرانس کی تھی، انیسویں صدی برطانیہ کی، اوربیسویں امریکہ کی اوراب اکیسویں صدی امریکہ کی ہوگی۔ (۲)

اس وقت دنیا کی کل پیداوار میں امریکہ کا حصہ ۲۵فی صد ہے جو اگلے ۱۲سال (۲۰۱۰ء) میں ایک اندازے کے مطابق، کم ہوکر ۲۰فی صد رہ جائے گا۔لیکن پھر بھی کل دنیا کی پیداوار کے پانچویں حصے پر قابض ہونے کے باعث، امریکہ توقع رکھتا ہے کہ اگلی صدی میں بھی اس کی سب سے بڑی معاشی قوت کی حیثیت برقراررہے گی۔

معیشت کے ساتھ ساتھ ثقافت اورتہذیب وتمدن کے میدان میں بھی وہ دنیاپرچھایا ہوا ہے۔لباس میں جینز، کھانوں میں میکڈونلڈ، پیزاہٹ (Pizzahut)، مشروبات میں کوکا کولا، اورپیپسی اورفلمی دنیامیں بالی وڈ اوروالٹ ڈزنی اسی عالمی غلبے کی علامتیں ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ایٹمی اورخلائی استعداد پر جارہ داری، حقوق کے باب میں چودھراہٹ اور ایک تازہ امریکی قانون کے تحت مذہبی تفریق کے الزام پر دنیا کے دوسرے ممالک پرمعاشی پابندیاں لگانے کا اختیار اس کے مقام کو وسعت دیتا ہے۔اسی طرح منشیات اورتشدد یا دہشت گردی کے نام پر دنیا کے دوسرے ممالک پرامریکی قوانین زبردستی نافذکرنے کا زعم اورمنصوبہ یہ سب چیزیں پوری دنیاپرایک عالمی طاقت کی بالادستی کو بدستور قائم رکھنے کے منصوبوں کا حصہ ہیں۔

---

(۲)[فارن افیرزمئی۔جون ۱۹۹۸ء ص ۳۱]

بلاشبہ امریکہ کے حکمرانوں کا ہدف، امریکہ کو واحد اور نا قابل چیلنج عالمی قوت کے طور پر برقرار رکھنا ہے۔ امریکہ کے قومی سلامتی کے سابق مشیر اور جان ہاپکن یونی ورسٹی کے پروفیسر زبگینو بریزنسکی نے اپنی کتاب میں اسے بڑے کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے:

مختصر یہ کہ امریکہ کی پالیسی کا ہدف کسی معذرت کے بغیر دو طرفہ ہونا چاہیے۔ اول: امریکہ کی غالب حیثیت کو کم سے کم ایک نسل اور ترجیحاً اس سے بھی زیادہ کے لیے برقرار رکھنا۔ دوم: ایک ایسی جغرافیائی سیاسی صورت حال پیدا کرنا جو سیاسی و اجتماعی تبدیلیوں کے دھچکوں اور تناؤ کو جذب کرے اور ساتھ ہی دنیا کے پُر امن انتظام کے لیے مشترکہ ذمہ داری کی جغرافیائی سیاسی بنیاد بن جائے۔ (۳)

اس سلسلے میں پروفیسر بریزنسکی، عسکری اور معاشی قوت کے ساتھ مخصوص نظریاتی اہداف کی حامل این جی اوز اور ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے عالمی جال اور ہالی ووڈ کلچر کی عالمی یلغار کو بے حد ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں کہ یورپ اور ایشیا سے کوئی مقابلے کی قوت نہ ابھرنے پائے یعنی:

یہ لازمی ہے کہ یورپ اور ایشیا سے اب کوئی چیلنج سامنے نہ آئے جو یورپ اور ایشیا پر غلبہ حاصل کرنے، اور اس طرح امریکہ کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۴)

تب ہی اس ہدف کا حصول ممکن ہو سکے گا جسے اس ساری تگ و دو کا حاصل اور اس کتاب میں ٹیپ کا بند کہا جا سکتا ہے:

اس لحاظ سے مکمل کامیابی، واحد اور اول اور آخر حقیقی عالمی قوت ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے کردار کا قرار واقعی اظہار ہوگا۔ (۵)

---

(۳) [بریزنسکی The grand chessboard ۱۹۹۷، ص ۲۱۵]

(۴) [بریزنسکی، ایضا، xiv] (۵) [بریزنسکی، ایضا ص ۲۱۵]

یہ تو ہیں امریکی قیادت کے عزائم. لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت دنیا کو جو چیلنج درپیش ہیں کیا فی الحقیقت اس حکمت عملی سے ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟

گزشتہ بارہ برسوں میں ''منڈی کی معیشت'' کی ایسی کمزوریاں ایک بار پھر کھل کر سامنے آ گئی ہیں، جو سوچنے سمجھنے والے دماغوں کو مضطرب کیے ہوئے ہیں۔ وہ کسی ایسے نظام کی تلاش میں سرگرداں ہیں، جو منڈی کی معیشت کے مثبت پہلوؤں کی حفاظت کرتے ہوئے اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے مسائل یعنی بڑھتی ہوئی معاشی ناہمواریوں، علاقائی اور عالمی امیروں کا امیر تر اور غریبوں کا غریب تر ہوتے چلے جانے اور مالیاتی عدم استحکام کے تدارک کی راہیں سجھا سکے۔

نیو ورلڈ آرڈر۔ دعوے اور حقائق......

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں نئے نظام کی آرزو، جستجو، تلاش اور جدوجہد اُن افراد، گروہوں، طبقات یا قوموں نے کی ہے جو مروجہ نظام کے ستم زدہ ہوتے ہیں اور ظلم کی جس چکی میں وہ پس رہے ہوتے ہیں، اُس سے نجات پانے کے لیے نئی راہوں اور نئی منزلوں کی دریافت کے لیے سرگرداں ہو جاتے ہیں۔

اس کی حالیہ مثال وہ جدوجہد ہے جو چند ہی سال پہلے تیسری دنیا کی اقوام نے ''نئے عالمی معاشی نظام'' کی آواز اٹھا کر کی تھی، اور جس کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس ۱۹۷۴ء میں بلایا گیا، پھر کئی سالوں تک اقوام متحدہ اور دنیا کے ہر دوسرے قومی اور بین الاقوامی فورم پر اس کی بازگشت سنائی دی۔ لیکن وقت کی حکمران اور قابض قوموں نے جن میں امریکہ سب سے پیش پیش تھا، نہ صرف یہ کہ اس آواز پر کان نہ دھرے بلکہ اسے خاموش کرنے کے لیے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا اور بالآخر یہ آواز صدا بصحرا بن کر رہ گئی۔

نیا عالمی نظام

اس پس منظر میں کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ اب خود امریکہ اور اس کے صدر جارج بش سینئر (۱۹۸۹ء-۹۳) نے ''نئے عالمی نظام'' (New world order) کی بات کی ہے۔ صرف بات ہی نہیں کی، بلکہ اس کے لیے زبان، قلم، تلوار اور ترغیب و ترہیب کا ہر حربہ استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نظر مجوزہ نظام کو ایک بڑے سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ برطانوی اخبار گارڈین نے نئے نظام کے بارے میں دنیا کے چوٹی کے سات مفکرین کے تجزیے کو جس عنوان سے پیش کیا ہے، وہ یہی سوالیہ نشان ہے۔ (۲)

اگرچہ مغرب کے اہل نظر اس نظام کو صرف ایک سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھ رہے ہیں لیکن تیسری دنیا اور خصوصیت سے عالم اسلام اور شرق اوسط کے اہل دانش و بینش صرف ایک سوالیہ نشان ہی نہیں دیکھ رہے، بلکہ ان کو افق پر وہ خونی آندھیاں بھی صاف نظر آ رہی ہیں جو اس 'عالمی نظام' کے جلو میں ان کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ چین کے وزیر خارجہ کیون کی چن نے ۱۹۔ اپریل ۱۹۹۱ء کو صاف لفظوں میں کہا: ''یہ خیال بھی اپنے اندر پُر ہونی خطرات کا ایک طوفان رکھتا ہے کہ اب دنیا میں صرف ایک سپر پاور ہوگی جو پوری دنیا پر چھا جائے گی۔''

---

(۲) New world order A? گارڈین اسٹڈیز، جلد اول، اپریل ۱۹۹۱ء گارڈین کا منیجر ایڈمن ایلین روس بریجز اپنے ابتدائیہ میں لکھتا ہے:

A question mark was judicioudly placed at the end of the title. ''اس عنوان کے اختتام پر پوری دیانت کے ساتھ ایک سوالیہ نشان کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔'' یہ تو حالیہ تاریخ کی بات ہے۔ بالکل اس سے ملتی ہوئی بات مولانا مودودیؒ نے ۱۹۴۲ء میں لکھی تھی: ''آج ہم نئے نظام، نیو ورلڈ آرڈر کی آوازیں ہر طرف سے سن رہے ہیں، لیکن یہ بات ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ جن بنیادی خرابیوں نے پرانے نظام کو آخر کار فتنہ بنا کر چھوڑا، وہی اگر صورت بدل کر کسی نئے نظام میں بھی موجود ہوں تو وہ نیا نظام ہوا کب؟ (ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۴۲ء)

مسلم دنیا سے آواز....

اس سلسلے میں پاکستان کے صدر جناب غلام اسحاق خان (۱۹۸۸ء۔۹۳) اور ایران کے رہبر جناب آیت اللہ خامنہ ای کا مشترکہ اعلامیہ، آج بھی امت مسلمہ کے دل کی آواز ہے، جس میں انہوں نے کہا:

مسلم ممالک آج کی دنیا اور نیو ورلڈ آرڈر کے چیلنج سے نمٹنے کے لیے متحد ہو جائیں ،تا کہ نئے عالمی نظام میں ان کے مفادات کا احترام کیا جا سکے۔ مسلم ممالک باہم تعاون کریں ،تا کہ نیا عالمی نظام ان پر مسلط کیا جا سکے۔(وقت کی ضرورت ہے کہ) مسلم ممالک باہمی تعاون کے ذریعے ایک منصفانہ عالمی نظام کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں (۷)۔

پاکستان اور ایران دنیا کے وہ دو مسلمان ملک ہیں جنھوں نے اپنا تشخص ''اسلامی جمہوریہ'' کے دستوری نام کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ان دونوں ملکوں کیان قائدین کا یہ انتباہ وقت کی پکار ہے۔لیکن یہ بھی ایک ستم ظریفی ہے کہ صدر پاکستان کے اس دورہ کے اس اہم ترین اعلان کا پاکستان میں قومی سطح پر یا خود عالم سطح پر کوئی نوٹس ہی نہیں لیا گیا۔حالانکہ پاکستان اور امت مسلمہ کے مستقبل کے نقطہء نظر سے سب سے اہم سوال ہے ہی یہ کہ: اس وقت مگر بی اقوام، دنیا کا کیسا نقشہ بنانے میں مصروف ہیں اور اس میں پاکستان، اسلامی احیا اور امت مسلمہ کے لیے کیا خطرات پوشیدہ ہیں؟ عالمی سیاست کے ایوانوں میں مستقبل کے لیے کیا سوچ و بچار اور منصوبہ بندیاں ہو رہی ہیں؟ ان سوالات کو نظر انداز کرنا اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا۔ان کے بارے میں امت کو بر وقت متنبہ کرنا دراصل ان خطرات کے مقابلے کے لیے امت کو تیار کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

ورلڈ آرڈر بطور نظریہ!

واشنگٹن پوسٹ کا نامہ، ڈان اوبرڈورفر (Dan orberdorter) رقم طراز ہے:

---

(۷)[روزنامہ جنگ کراچی، ۱۵ ستمبر ۱۹۹۱ء The news ۱۶ ستمبر ۱۹۹۱ء]

۲۳۔اگست (۱۹۹۰ء) کو صدر بش اور ان کے قومی سلامتی کے مشیر برینٹ سکوکرافٹ ،چھٹیاں گزارنے کے صدارتی مسکن کے قریب بحر اٹلانٹک میں حالات حاضرہ پر غور و فکر اور مچھلی کے شکار کے لیے گئے ۔صدر امریکہ سے چار گھنٹے کی ملاقات کے بعد وہ واپس آئے ۔اس سفر اور ملاقات کا حاصل تین مچھلیاں اور امریکی خارجہ پالیسی کا ایک نیا تصور تھا، جو بعد کے دنوں میں صدر بش کی تمام تر گرم گفتاری کا مرکز و محور بن گیا یعنی ''نیا عالمی نظام'' (نیو ورلڈ آرڈر)(۸)

پھر چند ہی ہفتوں کے اندر نئے ''عالمی نظام'' کے نعرے نے امریکہ کی نئی عالمی پالیسی کے مرکزی ستون کی حیثیت اختیار کر لی ۔امریکی کانگرس میں خطاب سے لے کر اقوام متحدہ میں خطاب تک ،صدر بش نے نئے عالمی نظام کا غلغلہ بلند کیا۔ڈان او برڈوفر کے بقول :اگست ۱۹۹۰ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک صدر بش نے اپنے بیانوں اور تقریروں میں بیالیس مرتبہ اس ''نئے عالمی نظام'' کی بات کو پورے زور شور سے پیش کیا اور اسے مستقبل کی پالیسی کی اساس قرار دیا۔اس سلسلے میں جو دعوے کیے گئے اور جن حسین الفاظ کا سہارا لیا گیا ،ان کی چند جھلکیاں صورت حال کو سمجھنے میں مددگار ہوں گی۔

-۱۱ ستمبر ۱۹۹۰ء امریکی کانگرس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر نے کہا:(۹)

ہم آج ایک منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔خلیج کا بحران بلاشبہ بہت خطرناک اور گھمبیر بحران ہے ،لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک نادر موقع بھی فراہم کر رہا ہے ،جس کے نتیجے میں عالمی طاقتوں کے درمیان تاریخی تعاون کا نیا دور شروع ہو جائے گا۔ان آفت زدہ ایام کے غبارے سے ہمارا پانچوں مقصد برآمد ہو سکتا ہے یعنی ایک

(۸) [واشنگٹن پوسٹ ۲۶ مئی ۱۹۹۱ء]

(۹) [امریکی کانگریس کے سامنے صدر بش کی تقریر ۱۱ ستمبر ۱۹۹۰ء بحوالہ مجلہ survival انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار اسٹرے ٹیجک اسٹڈیز ،لندن، مئی رجون ۱۹۹۱ء (ص ۱۹۵)]

نیا عالمی نظام، ایک ایسا نیا دور جو طاقت کے استعمال کے خطرات سے پاک ہو، جو انصاف کے قیام کے لیے قوی اور توانا ہو اور جس میں امن وسلامتی کا حصول زیادہ ممکن ہو۔

ورلڈ آرڈر اور عزائم

صدر بش نے ۶ مارچ ۱۹۹۱ء خلیج کی جنگ میں (عراق پر اپنے فضائی حملوں کی) کامیابی کے فوراً بعد دعویٰ کیا:

''اب ہم ایک نئی دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے ابھرتا دیکھ رہے ہیں۔'' بش صاحب نے اپنے اس نئے نظام کے خدوخال پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہا:

''نئے عالمی نظام کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم اپنی قومی حاکمیت (National sovereignty) سے دست کش ہو جائیں یا اپنے قومی مفادات کو بھول جائیں۔ یہ عالمی نظام دراصل صورت گری کرتا اس ذمہ داری کی جو (خلیجی جنگ میں) اس کامیابی نے ہم پر عائد کی ہے۔ جارحیت (agression) کو روکنے اور استحکام، خوش حالی اور امن وآشتی کے حصول کے لیے دوسری اقوام سے تعاون کی نئی راہیں نکالنے سے یہ نظام عبارت ہے۔ یہ ماحصل ہے اس امید کا جو بڑی اور چھوٹی اقوام کے درمیان ایک مشترک عزم پیدا کر رہی ہے۔ اس کی منزل ایک ایسی دنیا ہے جہاں تنازعات کا حل پرامن ذرائع سے ہو، جہاں جارحیت کا مقابلہ سب متحد ہو کر کریں، جس میں اسلحے کے ذخیروں کو قابو کیا جا سکے اور جس میں تمام انسانوں کے ساتھ انصاف کا سلوک ہو سکے''(۱۰)

ان حسین لفظوں اور دل پسند دعووں کیساتھ اس نئے عالمی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت بھی امریکی حکمرانوں کی زبانوں پر آ گئی ہے کہ اب صرف امریکہ دنیا کی واحد ''سپر پاور'' ہے۔ خلیج کی جنگ میں عراق کے خلاف یک طرفہ طور پر ''فتح'' پا کر دیت نام

(۱۰) لورنس فریڈ مین کا مضمون The gulf and the new world order مجلہ Survival لندن، مئی، جون، ص۱۹۵،۶۔]

کے ڈراؤنے خواب (Vietnam syndrome) سے نجات پا چکی ہے اور آنے والے دور کا نام اب ''امریکہ کی صدی'' (American centuiry) کہلائے گا۔ صدر بش نے ٹائم میگزین کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے جو الفاظ کہے تھے بڑے اہم تھے:

نامہ نگار: آپ نے نئے عالمی نظام کا ذکر کیا ہے دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مفہوم نہیں کہ امریکہ دنیا کا پولیس مین بن کر رہے گا؟

صدر بش: موجودہ عالمی تناظر میں صاف بات یہ ہے کہ جب دنیا کو محفوظ جگہ بنانے کی بات ہو تو پھر امریکہ کے شانوں پر ایک غیر مساوی ذمہ داری (disproportionate responsibility) عائد ہوتی ہے۔ تاہم میں امریکہ کے اس کردار کو عالمی پولیس مین کا کردار نہیں کہوں گا، اس لیے کہ ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں جن میں ہم کوئی کردار ادا نہ کریں یا کرنا نہ چاہیں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کی سلامتی اور آزادی کے باب میں ہماری ذمہ داری سب سے زیادہ ہے(۱۱)

اس ''فکر اور فلسفہ'' کا ترجمہ اگر سادہ زبان میں کیا جائے تو مذکورہ دعوے کا مطلب ،اس کے سوا کچھ نہیں کہ امریکہ اپنے تصور کے مطابق عالمی نظام کے ایک ایسے کوتوال کی حیثیت رکھتا ہے، جو دنیا کو ایک منصفانہ عالمی نظام کی طرف نہیں بلکہ ''امریکی عالمی نظام'' (Pax Americana) کی طرف دھکیل رہا ہے۔ اس مجوزہ نظام کا یہی وہ مفہوم ہے جو کھلے یا دبے لفظوں میں، دوست اور مخالف دونوں ہی لینے پر مجبور ہیں۔

یہ بات کہ مجوزہ نئے نظام کا اصل ہدف ایک ''امریکی نظام'' کا قیام ہے، محض کوئی مایوسی پر مبنی مفروضہ تصوراتی خاکہ (flight of imagination) نہیں ہے۔ ہوا کے رخ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس صدی کے اہم واقعات اور رجحانات پر نظر رکھی جائے، پھر حال اور مستقبل کی نقشہ بندی کو ماضی کے تناظر میں ٹھیک ٹھیک سمجھا جائے۔ برطانیہ کی عالمی بالادستی

(۱۱) [ٹائم، ۷ جنوری ۱۹۹۰ء]

(Pax britanica) کا عملی خاتمہ تو دوسری عالمی جنگ (۱۲)[۳۹-۱۹۴۵ء] کے ذریعے ہوا۔لیکن اس امکانی تبدیلی کا آغاز ۱۸۹۸ء میں ہی ہوگیا تھا، جب امریکہ نے ہسپانوی افواج کو شکست دی اور جنوبی امریکہ کو بلاشرکت غیرے امریکہ کے حلقہ اثر (area of influence) کر گرفت میں لینا شروع کیا اس طرح امریکہ علاقے کی بالاتر قوت اور دنیا کی ایک امکانی قوت کی حیثیت سے میدان مین اترا۔

ادھر جرمنی اور جاپان اپنے اپنے علاقے میں ابھر رہے تھے اور بالاخر پہلی عالمی جنگ (۱۳)[۱۸-۱۹۱۴ء] کے ذریعے جرمنی نے برطانوی استعمار کے عالمی اقتدار کو چیلنج کر دیا۔ اتحادی قوتوں کے تعاون سے برطانیہ اور امریکہ نے پہلی جنگ تو جیت لی، لیکن برطانیہ کا عالمی طاقت کی حیثیت سے زوال شروع ہوگیا جو بالآخر دوسری عالمی جنگ مین اپنے فطری انجام کو پہنچا۔ جرمنی اور جاپان نے دو عشروں کے قلیل عرصے میں بالا دست طاقتوں کو پھر چیلنج کیا۔ اس بار برطانیہ، امریکہ، روس اور فرانس نے مل کران نئے دعوے داروں کو قابو کیا۔

سرد جنگ کا خاتمہ

البتہ دوسری جنگ عظیم کے بعد نقشہ بالکل بدل گیا۔ جرمنی اور جاپان کو مکمل طور پر غیر مسلح کر دیا گیا۔ جاپان کو اقوام متحدہ کے چارٹر میں ایک دشمن ملک قرار دیا گیا۔ برطانیہ ایک بوڑھے پہلوان کی طرح عالمی رول سے ریٹائرڈ ہوگیا اور امریکہ اور اشترا کی روس نئی عالمی قوتوں کی حیثیت سے میدان مین رہ گئے۔البتہ ۱۹۴۵ء میں جاپان پر ایٹم بم استعمال کر کے امریکہ نے برتری قائم کی۔ جب کہ روس نے ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک مشرقی یورپ کو اپنے

(۱۲)[اس جنگ میں: برطانیہ، فرانس، (اشتراکی) روس، اور امریکہ کے اتحادیوں نے: جرمنی، جاپان اور اٹلی کو شکست دی]۔

(۱۳)[اس جنگ میں: برطانیہ فرانس، [زارشاہی] روس اور امریکہ اتحادی تھے، جنھوں نے مل کر: جرمنی آسٹریا، ہنگری، بلغاریہ اور [عثمانی] ترکی کو شکست دی۔

کیمونسٹ حلقۂ اثر میں لا کر اور پھر ۱۹۴۹ء میں ایٹمی طاقت بن کر عالمی سیاسی شطرنج کی نئی بساط بچھا دی۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم کے زمانے کے حلیف بہت جلد حریف بن گئے ۔یوں دنیا دو عالمی طاقتوں کے درمیان تناؤ، کش مکش، مسابقت اور بالاخر سرد جنگ کے دور میں داخل ہو گئی۔

عالمی رسہ کشی کی اس نصف صدی میں امریکہ اور روس دونوں ہی دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ یہ کشمکش زندگی کے تقریبا ہر میدان مین ہوئی ۔نظریہ سیاست، معیشت، عسکری قوت، سائنس او رٹکنالوجی حتی کہ ادب اور ثقافت ، ہر میدان مین یہ جنگ لڑی گئی۔ دونوں عالمی طاقتوں نے صرف اپنے اصل وسائل سے بڑھ کر بوجھ اٹھایا۔ جس کے نتیجہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں ترجیحات خلط ملط ہو گئیں۔ قومی دولت کا بڑا حصہ بلاواسطہ جنگ کا ساز و سامان تیار کرنے کی نذر ہونے لگا۔ ایک طرف جنگ کے آلات نے اتنی ترقی کی کہ دونوں بڑی طاقتوں نے صرف جوہری ہتھیاروں کے اتنے انبار لگا لیے کہ کسی ایک کا اسلحہ تمام دنیا کو پچیس بار تباہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ ان دونوں کی عام آبادیوں کے لیے خوراک، رہائش اور علاج کی بنیادی سہولتیں کم سے کم ضروری حد سے بھی فروتر ہو گئیں۔

سرد جنگ کے اس دور میں علاقائی جنگیں اور علامتی مقابلے (Proxy wars) تو بہت سے ہوئے اور ان میں لاکھوں بے گناہ انسان لقمہ اجل بنے [۱۴] اور عملا خود جنگ اتنی تباہ کن چیز بن گئی کہ بالاخر سرد جنگ کا خاتمہ اندرونی اسباب کی بنا پر اشتراکی زوال سے ہوا۔ اس میں جہاد افغانستان وہ اخری ضرب ثابت ہوا جس کے بعد اشتراکی روس سنبھل نہ سکا۔

---

(۱۴)[سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن نے ان جنگوں کی تعداد ۱۲۰ اور ان میں مرنے والوں کی تعداد ۱۸ ملین یعنی ایک کروڑ اسی لاکھ بتائی ہے۔ Victory War ۱۹۹۹ لندن، ص ۱۲۱۔]

سرد جنگ میں خارجہ تعلقات

سرد جنگ کے دور میں امریکی خارجہ پالیسی کی بنیادیں مندرجہ ذیل نکات پر مبنی رہیں:

ا۔ایشیا اور یورپ پر روس کی بالادستی کے قیام کو روکنا اور اسے ان سرحدوں میں محدود کر دینا جہاں وہ دوسری جنگ عظیم کے بعد قابض تھا۔اس کی بنیاد عالمی سیاست کا وہ مشہور اصول ہے جسے تحدید کی حکمت عملی (srtategy of containment) کہا جاتا ہے اور جس کا اصل مصنف امریکی سیاست کا جارج ایف کینن (George Kannen.F تھا۔)اس کی حکمت عملی کو بروئے کار لانے کے لیے روس کے گرد سیاسی ،معاشی اور فوجی بلاکوں اور معاہدات کا ایک ایسا جال پھیلایا گیا،جس کے نتیجے میں وہ اپنی سرحدوں میں محصور ہو کر رہ جائے اور اس کی پیش قدمی رک جائے۔

۲۔امریکی عالمی سیاست کا دوسرا اصول مقابلے کی ایسی قوت کا حصول اور جنگ کو اتنا تباہ کن اور مہنگا بنا دینے کی حکمت عملی تھی،جس کے نتیجے میں ناممکن ہو جائے یا مخالف کی تباہی یقینی بنائی جا سکے۔

اسے سد جارحیت (deterrance) حکمت عملی کہتے ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے فوجی قوت کو بے محابا ترقی دی گئی۔۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۷ء کے درمیان فوجی ساز وسامان میں ۷۰۰ فی صد کا اضافہ ہوا۔جوہری ہتھیاروں کے انبار لگا دیے گئے۔بین البراعظمی میزائل (Intercontinental Ballistic Missiles) تیار کیے گئے،ہوائی اور بحری قوت کو آخری حدوں تک ترقی دی گئی،یورپ اور ایشیا میں ایسے فوجی اڈے قائم کیے گئے،جن سے بہت کم وقت میں اور بڑی سرعت کے ساتھ مخالف قوتوں پر حملہ کیا جا سکے۔پھر اس امر کی کاوش کی گئی کی تحقیق ور تجربے کے ذریعے اسلحہ کے نظام میں تکنیکی فوقیت ہر پہلو سے امریکی اسلحہ کی بالادستی قائم رہے۔اس صلاحیت میں برتری کا مظاہرہ روس کے

خلاف تو نہ ہو سکا، لیکن ۱۹۹۱ء کے اوائل میں خلیج کی جنگ میں عراق کے روسی اسلحہ کے مقابلے میں امریکی اسلحہ نے اپنی فنی بالادستی کے کچھ مظاہرے دنیا کو ضرور دکھا دیے۔

۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر معاہدہ یالٹا مین، جنگ کے بعد کی دنیا کا جو نقشہ بنایا گیا تھا، وہ چند ہی برسوں میں درہم برہم ہو گیا۔ ۱۹۴۹ء میں معاہدہ شمالی اوقیانوس (Nato) کے قیام اور روس کے جوہری طاقت بن جانے سے سرد جنگ کا دور آ گیا۔

۱۹۸۹ء بھی ۱۹۴۵ء ہی کی طرح اہم سال ہے کہ اس سال افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کا اعلان اور روس کے چنگل سے مشرقی یورپ کے نکلنے سے سرد جنگ کے دور کے اختتام کا اعلان ہوا۔ اگست ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراق کی جارحیت ہوئی۔ اس کے جواب میں امریکہ کی قیادت مین روس نے تعاون کیا، جس سے جنوری، فروری ۱۹۹۱ء کی خلیج جنگ نے نئے عالمی سیاسی دور کے خدوخال نمایاں کیے، پھر اگست ۱۹۹۱ء میں نمایاں کر دیا(۱۵)

۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۱ء تک کے فیصلہ کن زمانے میں امریکہ نے اپنے تصور کے مطابق نئے عالمی نظام کا نقشہ بنایا ہے اور خلیج کی جنگ سے اس میں رنگ بھرا ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کے اہداف

الفاظ جو بھی استعمال کیے جائیں حقیقت یہ ہے کہ اس نئے عالمی نظام کے خالقوں کے مطابق اس کی بنیادی خدوخال حسب ذیل ہیں:

۱۔ امریکہ دنیا کی واحد عالمی قوت ہے۔ دنیا کے تمام ملکوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ امریکہ سے اور خود آپاس میں تعلقات استوار کرنے میں اسے بنیاد بنانا ہوگا۔

---

(۱۵) [اشتراکی روس کے آخری حکمران میخائیل گورباچف کی نرم پالیسیوں کے خلاف سرخ فوج اور کیمونسٹ پارٹی کے سخت گیر عناصر نے اگست ۱۹۹۱ء میں بغاوت کر دی۔ لیکن اشتراکیت سے بیزار عوام کی تائید نہ ملنے پر مذکورہ بغاوت اس طرح ختم ہوئی کہ اس ناکامی کے صرف چار ماہ بعد اشتراکی روس بکھر گیا۔]

۲۔روس میں اشتراکیت کی پسپائی اور روسی ایمپائر کا تتر بتر ہونا صرف اشتراکیت کی شکست ہی نہیں بلکہ مغربی لبرلزم، سرمایہ داری، جمہوری طرز حکومت اور منڈی کی معیشت کے تصور کی فتح ہے۔جس طرح امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے اسی طرح مغربی لبرلزم اور سرمایہ داری اب دنیا کا غالب سیاسی اور معاشی نظام بھی ہے۔اس سلسلے میں امریکی حکومت کے ایک مشیر فرانسس فاکویاما کا دعویٰ ہے کہ اب ''تاریخ اپنی انتہا'' کو پہنچ گئی ہے اور مغربی نظام کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہوگئی ہے (۱۶)۔اس میں امریکہ اپنی عالمی حیثیت رکھتا قائم رکھے۔

۳۔سرد جنگ کے دور تحدید (containmint) کے مقابلے میں نئے نظام میں اجتماعی سلامتی (Collictive Security) کا انتظام کیا جائے جس کی قیادت امریکہ کرے گا۔البتہ اس کو عالمی ادارہ اقوام متحدہ کی چھتری حاصل ہوگی۔اجتماعی سلامتی کے اس نظام کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاں کہیں سلامتی کے لیے کوئی خطرہ [یعنی صرف اس کو خطرہ سمجھا جائے جسے امریکہ ''خطرہ'' قرار دے] رونما ہو اس کا تدارک کیا جائے۔

۴۔دنیا میں کہیں بھی اور خصوصاً یورپ، ایشیا اور افریقہ میں اب کسی ملک کو یہ موقع

---

(۱۶) فرانس فوکویاما (Francis Fukuyame) کا مضمون ''The End of history'' امریکہ کے رسالے The National Interest کی ۱۹۸۹ء موسم گرما کی اشاعت میں شائع ہوا۔اس کے بعد موصوف کا دوسرا مضمون ستمبر ۱۹۸۹ء میں ہونو لولو کے Sunday Star میں ''Are we Witnessing the End of History?'' کے نام سے شائع ہوا۔تیسرا مضمون مشہور امریکی رسالے Fortune (جنوری ۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا اور اس کا عنوان ''Are we at the End of History?'' تھا۔ان مضامین کا مرکزی خیال یہ ہے کہ بیسوی صدی، جو اب اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے، معاشی اور سیاسی لبرلزم کی ایسی فتح پر منتج ہوئی ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔نیز یہ کہ ''ہم اب غالباً انسانیت کے نظریہ ارتقا کی آخری بلندیوں کا نظارہ کر رہے ہیں اور تاریخ کا یہ خزانہ عبارت ہے مغرب کی لبرل جمہوریت سے جو انسانیت لیے حکمرانی کا آخری نظام ہے۔'']

نہیں ملنا چاہیے کہ وہ ایک عالمی قوت کی حیثیت سے ابھر سکے۔ علاقائی توازن کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ جہاں کہیں علاقائی توازن کو خطرہ ہوگا یعنی علاقے میں جن قوتوں کو بالادستی حاصل ہے (جیسے شرق اوسط میں اسرائیل) ان کی حیثیت کو تبدیل ہونے سے بچایا جائے گا۔ شرق اوسط میں اسرائیل کا تحفظ اور پورے علاقے پر اس کی بالادستی اس نئے نظام کا ایک لازمی حصہ ہے۔

۵۔ امریکہ کے عالمی مفادات کا تحفظ، جس میں سرفہرست تیل کی رسد، قیمت اور ماخذ پر کنٹرول ہے، خواہ یہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ اس طرح امریکہ کے دوسرے مفادات کی دیکھ بھال، جن میں عالمی منڈیوں تک امریکی مصنوعات کی رسائی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

۶۔ اسلحہ کی تیاری، تحقیق اور ترقی کے نظام پر کنٹرول جس کے نتیجے میں دنیا میں ایسے دوسرے ممالک یا مراکز وجود میں نہ آسکیں جو اسلحہ کے میدان میں امریکہ کی بالادستی کے لیے اب یا مستقبل میں خطرہ بن سکتے ہوں۔ اس سلسلے میں امریکہ کو نہیں البتہ دوسرے ملکوں کو جوہری، کیمیاوی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے فروغ سے روکنا فوری اہمیت رکھتا ہے۔ اگر اس کام کو معاہدات اور عالمی نگرانی کے ذریعے انجام دیا جا سکے تو "فهو المراد" لیکن اگر ضرورت پڑے تو قوت کا استعمال کر کے بھی اسلحہ کے اس پھیلاؤ کو روکنا مجوزہ عالمی نظام کے اہداف میں سے ایک ہیں۔

۷۔ روس، جرمنی، جاپان، برطانیہ اور فرانس کو بڑی طاقت تو ماننا، البتہ انھیں عالمی طاقتوں کی حیثیت سے تسلیم نہ کرنا۔ اس امریکی کوشش کہ ان میں سے کوئی بھی ملک مستقبل میں عالمی طاقت نہ بن سکے۔ اس ضمن میں روس کو معاشی طور پر اپنے زیر اثر لانا، جرمنی اور جاپان کی معاشی قوت اور مسابقت کی طاقت کو عالمی شراکت کے کسی نظام کے تابع کر کے حریف عالمی قوت بننے سے روکنا۔

نیو ورلڈ آرڈر کی ترجیحات

یہ وہ بنیادی اہداف ہیں جو امریکہ کے نئے عالمی نظام کے حدود اربعہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔انھی اہداف کے نتیجہء کے طور پر عالمی سیاست میں امریکہ کی ترجیحات بدل چکی ہیں:

۱۔روسی چیلنج کے خاتمے سے چونکہ اب افغانستان کی وہ پہلے جیسی اہمیت نہیں رہی،اس لیے پاکستان کی جیواسٹرے ٹیجک اہمیت میں بھی فرق آیا۔تاہم،جب کبھی ضرورت پڑی توامریکہ ان دونوں ممالک کے سابقہ تعلقات کی تاریخ دہرا کر ضرور مطلوبہ منافع حاصل کرے گا۔

۲۔روس اب مخالف نہیں حلیف قوت ہے،اس لیے وسط ایشیا میں کسی ایسی قوت کا ابھرنا جو روس کے لیے خطرہ بن سکتی ہو مغرب کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا۔

۳۔اسرائیل کی بالادستی کے لیے ضروری ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کو تحلیل کر دیا جائے۔یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہاں پر"اسلامی بنیاد پرستوں" کو قابو میں لایا جائے گا یا کچل دیا جائے۔دوسری طرف اسرائیل کو اس کے سارے ہمسایہ عرب ممالک سے کیمپ ڈیوڈ طرز کے معاہدات میں جوڑ دیا جائے۔سب سے بڑھ کر"کویت امریکہ دفاعی معاہدہ" کے انداز پر علاقے کے دوسرے ممالک سے بھی دفاعی معاہدے کیے جائیں ،تاکہ شرق اوسط میں امریکی فوج کے قیام،اسلحہ کے مستقل ذخیروں اور اڈوں کا یقینی بندوبست کیا جاسکے۔

۴۔پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی جائے اور امریکہ مخالفت کی بنیاد پر ان تحریکوں کو دبانے اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔

۵۔بھارت کو جنوبی ایشیا میں ایک علاقائی قوت کی حیثیت سے تقویت دی جائے،تاکہ

پاکستان ،ایران ،افغانستان اور خود عرب دنیا کے تجارتی وفوجی اثرات کو محدود کیا جاسکے۔

۶۔اسرائیل اور بھارت کے درمیان گرم جوشی پر مبنی تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

نئی پالیسی کی یہ تمام شاخیں امریکی عالمی نظام (Pax Americana) کا لازمی حصہ ہیں۔انھیں نظر انداز کر کے پاکستان اور عالم اسلام جو حکمت عملی بھی بنائے گا وہ خطرات سے پر ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں جو تجزیہ کیا گیا ہے یہ کوئی نظری تجزیہ نہیں بلکہ حقائق اور مغربی اقوام ،خصوصیت سے امریکہ کے پالیسی سازوں کی سوچ کے دستاویزی ریکارڈ کا خلاصہ ہے۔ہم اپنے دعوے کی تائید کے لیے صرف چند اہم حوالے پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان پالیسی سازوں کو،حقائق جیسے کہ وہ ہیں،سمجھنے میں مدد ملے۔

سابق امریکی صدر کارٹر [۸۱-۱۹۷۷ء] کے مشیر برائے قومی سلامتی پروفیسر زبگینو بریزنسکی نے خلیج کی جنگ اور نئے عالمی نظام کا جائزہ لیتے ہوئے صاف لفظوں میں کہا ہے:

[مشرق اوسط کے لیے] امریکہ کی فوجی چھتری ناگریز ہوگی۔بالاخر حالت جو بھی ہوں ،اس علاقے میں امریکہ کی فوجی موجودگی مستقل نوعیت کی ہوگی۔گمان غالب ہے کہ فوجوں کا مستقر کویت ہوگا یا سعودی عرب دونوں۔آخر یہ دونوں ملک ہمارے حاشیہ نشین (client regime) ملک ہی تو ہیں۔یہ بہت دولت مند ہی نہیں غیر محفوظ (Vulnerable) بھی ہیں۔فطری طور پر ان ملکوں کا سارا انحصار امریکہ پر ہے۔حالات کا تقاضا ہے اور امریکہ کے لیے ناگریز ہوگیا ہے کہ اس نظام کے قیام کے لیے جو منصفانہ ہو اور امن کا ضامن،زیادہ تیزی کے ساتھ متحرک ہوجائے (۱۷)

[(۱۷) زبگینو بریزنسکی کا انٹرویو،مطبوعہ لاس اینجلز ٹائمز،TheNews کیم مارچ ۱۹۹۱ء۔]

لندن آبزرور میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں بریزنسکی نے انھی باتوں کا اعادہ کیا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکی صدر ہیری ایس ٹرومین [۱۹۴۵۔۵۳] نے یورپ کی تعمیر اور دنیا میں اپنے سیاسی معاہدوں کے بارے میں، جس پرجوش تحرک کا مظاہرہ کیا تھا، امریکہ کو آج پھر اسی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے، بریزنسکی کا مشورہ ہے:

آج اس پورے علاقے کی قسمت امریکہ کے ہاتھوں میں ہے، جسے اس سے پہلے کبھی اتنا اثر ورسوخ حاصل نہ تھا جو آج حاصل ہے۔ اب امریکہ کی ذمہ داری ہے کہ علاقہ کے لوگوں کی مشکلات کے حل کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا کرے۔ جغرافیائی اور سیاسی حوالے ہی سے نہیں بلکہ خود اخلاقی اسباب سے بھی ضروری ہے کہ امریکہ جس سرگرمی کا مظاہرہ کرے (وہ ۱۹۴۵ء کے فوراً بعد والی سرگرمی سے) سے کم نہ ہو۔ (۱۸)

امریکہ کے اسی خود ساختہ عالمی رول کے بارے میں ایک اور دانش ور ایلیٹ اے کوہن نے لکھا ہے:

آج یہ نہ صرف امریکہ کے مفاد میں ہے بلکہ دوسرے ممالک کے مفاد میں بھی ہے کہ امریکہ شعوری طور پر طے کرے کہ اسے دنیا کی مضبوط ترین عسکری قوت کی حیثیت سے باقی رہنا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں اس بالادستی کو اس سے کم وسائل (Cost) کے صرف سے قائم رکھا جاسکتا ہے، جو سرد جنگ [۱۹۴۹۔۹۱ء] کے زمانے میں کرنا پڑتے تھے۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ امریکی عوام کو اس قومی مفاد کے بارے میں مطمئن کرنا آسان نہیں، لیکن یہ امریکی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر ہم ان کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر اکیسویں صدی کے آغاز پر دنیا ایسی پرسکون اور محفوظ نہ ہوگی

[(۱۸) The Observer، لندن، ۲۱ اپریل ۱۹۹۱ء]

جیسی ۱۹۹۰ء کے اس موسم خزاں میں ہے۔ (۱۹)

لندن کے اخبار گارڈین میں مقالہ نگار ڈیوڈ مارکوانڈ رقم طراز ہے:

جدید تاریخ کی پہلی جنگ (خلیج کی جنگ) جس کا طرۂ امتیاز اعلیٰ ٹکنالوجی کا استعمال تھا۔ اس میں امریکی افواج نہ صرف اعلیٰ فوجی کارکردگی میں ممتاز تھیں بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی (امریکہ) پوری جنگ پر چھایا ہوا تھا۔ امریکی قیادت میں جنگی اتحاد کے عرب ارکان امریکہ کے حاشیہ بردار تو تھے ہی، خود برطانیہ بھی امریکہ کے پر جوش سپاہی کا کردار ادا کر رہا تھا۔ آغاز میں بغاوت کے سارے نازک لمحات کے باوجود فرانس بھی ہمراہی ثابت ہوا، خواہ اس کا جوش و جذبہ کچھ کم ہی کیوں نہ تھا۔ باقی یورپ اس کھیل سے تقریباً باہر رہا۔ روس ایک پالیسی پر ضرور گامزن تھا مگر یہ پالیسی بے حد کمزور اور غیر موثر تھی۔ ہمیں اعتراف کر لینا چاہئے کہ سرد جنگ کے دور کا توازن قوت پارہ پارہ ہو چکا ہے اور اس کی جگہ کسی نئے توازن نے نہیں لی ہے۔ بحالت موجودہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ جس نئے عالمی نظام کی دھوم ہے وہ صرف امریکی نظام (Pax American) ہی بنتا نظر آ رہا ہے۔ (۲۰)

امریکہ کی وزارت دفاع کے ایک سابق افسر اور جارج یونی ورسٹی میں پروفیسر ارل ریوی ٹال نے Foreign Policy میں اپنا تجزیہ بہ ایں الفاظ پیش کیا ہے: امریکہ اسٹرے ٹیجک خودمختاری کی راہ پر بڑے جارحانہ انداز میں گامزن ہو گیا ہے۔ خلیج فارس میں فوج بندی امریکہ کی اس پر عزم انفرادیت پسندی اور خودنمائی (unilateralism) کے

---

19)Elwt A.Cohen The Future of Fore and AmericanStrategy .TheNational Interest, Feb 1990 p.15

20)David Marquand New world Order of Pax American Guardian reproduced by Dawn, Karachi,14 March 1991.

آغاز کی علامت اور خود اس کے اس نئے مقام ومرتبہ کی مظہر ہے جو ''دنیا کی واحد عالمی قوت'' کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔شاید اسی کا نام نظریہ بش(Bush Doctrine) ہے ۔لیکن اس کی نوعیت اور حقیقی مقاصد ابھی پردہ اخفا میں ہیں (جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کی بنیاد پر) کہا جا سکتا ہے کہ اس نظریہ کا مطب یہ ہے کہ اب امریکہ واحد عالمی قوت کی حیثیت سے اپنی عسکری قوت کو برقرار رکھنے پر مجبور ہے، تاکہ اسکے ذریعے اپنے عالمی اثرات کو مستحکم رکھ سکے۔اب امریکی حکمت عملی دوسرے علاقوں اور معاملات میں موثر مداخلت سے عبارت نظر آتی ہے۔تاکہ اس مداخلت کے ذریعہ ان تنازعات کو امریکہ کے مفاد کے مطابق طے کرایا جا سکے۔اس تناظر میں آیندہ امریکہ کے مفادات کی تعریف بھی خاصی وسعت برتی جائے گی۔(۲۱)

ایک اور امریکی مبصر، جان اوسولیوبان جو محض ایک تجزیہ نگار نہیں ، بلکہ خود بھی اس پالیسی کا داعی ہے، امریکی مجلہ نیشنل ریویو کے ایک مضمون میں امریکی حکمت عملی کے مختلف پہلو واضح کر کے اس طرح پردہ اٹھاتا ہے:

> بلاشبہ امریکہ واحد عالمی طاقت ہوگا جو آزادانہ طور پر اور صرف اپنی مرضی سے فوجی مداخلت کا فیصلہ کرے گا خواہ اس کا تعلق ایسی کولیشن ہی سے کیوں نہ ہو جو علاقے میں امن کو خطرات سے نمٹنے کے لیے کی جائے۔البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ امریکی اقدامات کو اقوام متحدہ کی سرپرستی حاصل ہو،خواہ اس کے لیے عالمی ادارہ کو کچھ ضمنی اثر ونفوذ (influnece at the margin) کا حق دینا پڑے۔صرف طاقت ہی سے طاقت کی کاٹ ممکن ہے اور جب مداخلت کرنی ہی پڑ جائے تو پھر اس کو بہت تیز رفتار اور سفاکانہ ہونا چاہئے۔اس اصول کے مطابق بروقت ایک زبردست گھونسا کافی ہوتا ہے۔خلیج میں

21)Earl C.Ravenal The Case for Adjustment.. Foreign Policy,Winter 1990,p,67

امریکہ نے اس پالیسی پر عمل کیا ہے۔ یہ غلبہ اور پھیلاؤ کے امریکی اسلوب کا پیش خیمہ ہے جس کی بنیاد امریکہ کی عسکری بالادستی پر ہوگی ۔ جس میں اسے سابقہ بڑی طاقتوں مثلاً برطانیہ اور فرانس کی تائید حاصل ہوگی اور جس میں جرمنی اور جاپان جیسے ملکوں کا سرمایہ اس کام آئے گا۔

اس سے آگے بڑی صفائی اور بڑی ڈھٹائی سے جان اوسولیوبان لکھتا ہے:

اس نظام میں امریکہ کی حیثیت وہی ہوگی جو قرون وسطیٰ کے فیوڈل معاشروں میں بادشاہ کی ہوتی تھی یعنی اصل حاکم اعلیٰ (sole sovereign) جسے قوت کے استعمال کے لیے مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا۔ البتہ جو دوسروں سے خاصی تعداد میں سپاہی اور سرمایہ حاصل کرسکتا ہو اور ان کے فراہم کرنے والوں کے خیالات و احساسات کا وہ کچھ پاس بھی کر لیتا ہو۔ رہا معاملہ پارلیمنٹ کا تو وہ اس سے اخلاقی تائید حاصل کرنے کے لیے نیم دلانہ معاملہ کرتا ہو اور جب چاہے اسے نظر انداز کرسکتا ہو۔ (۲۲)

اس تمثیل میں ''بادشاہ'' امریکہ ہے۔ ''فیوڈل معاشروں'' کی حیثیت کولیشن کے دوسرے ارکین کی ہے، جیسے برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان اور شرق اوسط کے ممالک اور ''پارلیمنٹ'' کا کردار اقوام متحدہ ادا کرتی نظر آرہی ہے۔ یہ ہے امریکہ کے نئے نظام کا اصل چہرہ۔

نیو ورلڈ آرڈر کا خاکہ:

بس ایک پہلو کا ذکر اور ہو جائے اور وہ یہ امریکی مفاد کو پیش آنے والے خطرات کا تعلق صرف عسکری خطرات اور معاشی ہی سے نہیں، بلکہ اس میں دوسرے ملکوں کا آزاد رویہ بھی ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ جس کی حیثیت ایک طرح سے بغاوت کی ہوگی۔

22 The News International, Weekend Magazine, August 1991]

پھر اس ذیل میں "مسلمانوں کی بنیاد پرستی" بھی آتی ہے جو اس نظام کے علم برداروں کی نگاہ میں مغربی تہذیب و تمدن کی نعمتوں کو ٹھکرا کر ایک "فرسودہ نظام" کے احیا کی "حماقت" کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح جب بھی کوئی ملک جوہری توانائی کے میدان میں اپنے پاؤں کھڑے ہونے کی کوشش کرے گا وہ باغی سمجھا جائے گا اور اس جرم میں گردن زدنی ہوگا۔ (۲۳)

امریکہ کے اس نئے نظام میں اسلام اور امت مسلمہ کا کیا مقام ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ سابق صدر رچرڈ نکسن [۱۹۶۹ـ۷۴ء] نے "گورباچوف۔ ریگن ملاقات" (۱۹۸۵ء) کے موقع پر امریکی رسالے Foreign Affairs میں اپنے مضمون میں کہا تھا، روس اور امریکہ دونوں کو "اسلامی بنیاد پرستی" کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے تمام اختلافات کے باوجود باہم تعاون کرنا چاہیے۔ سابق صدر رونالڈ ریگن [۱۹۸۱ـ۸۹ء] اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

> اگرچہ اہل اسلام میں آپس کے بے شمار اختلافات ہیں، لیکن اسلامی بنیاد پسندی نے اسرائیل دشمنی میں انھیں اس طرح سے یک جہت کر رکھا ہے۔ جس میں وہ اپنے سارے اختلافات بھول کر نہ صرف عرب بلکہ غیر عرب حتی کہ ایران اور افغانستان کے باشندے بھی اسرائیل کی تباہی پر کمربستہ ہیں۔ اسلامی بنیاد پرستی، جو آزاد خیال سیکولر حکومت کی دشمن ہے، اسلامی نظام کی علم بردار ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ کے نام پر کشت خون تک سے گریز نہیں کرتی۔ اس لیے کہ اسلامی بنیاد پسندی نے اپنے پیروکاروں کو یہ سکھا رکھا ہے کہ وہ مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اگر مارے گئے تو شہید ہوں گے اور باغ عدن کے سارے دروازے ان پر کھلیں گے۔ انھی متعصب بنیاد پسندوں کے ہاتھوں

[(۲۳) سولیوبان لکھتا ہے "جب بھی کوئی ملک یا تیسری دنیا کا ملک جیسے عراق، پاکستان، علاوہ بریں اسرائیل جوہری توانائی کی دوڑ میں شریک ہو جاتا ہے تو فطری طور پر امریکہ کی ناراضی مول لینے کا باعث ہوتا ہے۔"]

ریاستہائے متحدہ امریکہ مشرق اوسط میں اپنے دو عظیم وفاداروں اتحادیوں، شہنشاہ ایران اور انور سادات سے محروم ہوا۔ اگر اسلامی بنیاد پسندوں کو عروج نصیب ہو گیا تو دنیا صدیوں پرانی رجعت پسندی سے دوچار ہو جائے گی، بالخصوص اگر ایٹمی اور کیمیائی اسلحے ان مشتعل مزاج عناصر کے ہاتھ آ گئے اور اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا انھوں نے سیکھ لیا... زندگی بھر میرا بہت ساری حقیقتوں پر ایمان رہا ہے لیکن اگر چہ یہ جرم ہے تو فخر کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں: یہ میرا ایمان کہ امریکہ پر اسرائیل کی بقا کو یقینی بنانا ایک لازمی امر ہے۔(۲۴)

اور اسرائیل کے دفاع کے لیے امریکہ کی حکمت عملی میں جس نئے عنصر کا اضافہ ہوا ہے وہ بھی ملحوظ رہے تو بہتر ہے۔ Foreign Policy کا ایڈیٹر چارلز ولیم مے نز خلیج کی جنگ پر لکھتا ہے کہ اس جنگ کے اصل اسباب چار تھے یعنی امریکہ اور مغربی اقوام کے لیے تیل کے حصول کو محفوظ کرنا، عالمی نظام کا قیام، امریکہ کی سلامتی اور اسرائیل کا تحفظ۔ وہ لکھتا ہے:

امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات اب نئی گہرائیوں سے آشنا ہو رہے ہیں۔ خلیج کے اس بحران میں امریکہ کے مالی سرپرست (financier) سے بڑھ کر اب اسرائیل کا محافظ (Protector) بن گیا ہے۔ تاریخ میں پہلی بار اسرائیل اس امر کا بچشم سر مشاہدہ کر رہا ہے کہ اس کے ایک دوست ملک کی افواج اس کے ایک بہت بڑے دشمن کو قابو میں کرنے اور اس کی عسکری صلاحیت کو ختم کرنے کا کام انجام دے رہی ہیں۔(۲۵)

24 [Ronaid Regan An American Life, Chapter57.]

25) Charles William Maynes Dateline Washington: ANecessary War Foreign Policy No:82 Spring 1991, p176

اس سلسلہ میں ہارورڈ یونی ورسٹی کے پروفیسر سیموئیل پی ہنٹنگٹن کے مقالے کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے جو استعماری تصویر کو مکمل کرنے میں مدد دے گا:

رونما ہونے والی دنیا کے لیے شاید سب سے بہترین عنوان Uni.Multipolar World ہے یعنی جس میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ وہ وحد ملک ہے جسے سپر پاور کہا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ چھ ملک ایسے ہیں جنھیں بڑی طاقتیں کہنا مناسب ہوگا۔ یعنی روس، جاپان، جرمنی، برطانیہ، فرانس۔ چین۔

اس دنیا میں امریکہ کے تین بڑے اسٹرے ٹیجک مفادات ہیں:

ریاست ہائے متحدہ امریکہ سب سے بڑی عالمی طاقت کی حیثیت سے اپنی حیثیت کو باقی رکھے۔ اس کا یہ تقاضا ہے کہ آنے والے عشروں میں جاپان کے معاشی چیلنج کا بھی مقابلہ کیا جائے۔

یورپ اور ایشیا میں کسی بالاتر سیاسی یا فوجی قوت کو نہ ابھرنے دیا جائے، Hegemonic Power جو کی حامل ہو سکے۔

تیسری دنیا میں امریکہ کے حقیقی مفادات کا تحفظ اور اس میں اولیت خلیج فارس اور وسط امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ کے مفادات کے تحفظ کو حاصل ہوگی۔ (۲۶)

امریکی عالمی نظام کی بنیادیں:

عالمی قوت کی حیثیت سے سوویت یونین کے منتشر ہونے کے بعد امریکہ نے جس نئے عالمی نظام کا خاکہ تیار کیا ہے اس کے چار اہم ستون ہیں۔ ان چاروں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں جب تک ممکن ہو امریکہ کو واحد سوپر پاور کی حیثیت حاصل رہے اور

26) Samuel P.Huntington American Changing Strategic Interests" Survival, London.Jan/Feb 1991p.and p.8

کوئی متبادل قوت وجود میں نہ آنے پائے۔(۲۷)

اس فریم ورک میں دسیوں تحقیقی مقالات اور تھنک ٹینک کی رپورٹیں اور سیاست دانوں کی عملی کاروائیاں جن کے مطالعے اور تجزیے سے مستقبل کے نقشے کے در و بست صاف نظر آتے ہیں۔ یہ چار نکاتی فارمولا کچھ اس طرح ہے:

۱۔عالم گیریت (Globalistion)

جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جس میں آزاد تجارت، سرمایہ کی آزاد حرکت اور ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے ذریعے عالمی معیشت پر مغربی اقوام اور خصوصیت سے امریکہ کے تسلط کو دائمی شکل دی جائے اس طرح دولت کی اس غیر مساویانہ تقسیم کو مستحکم کرلیا جائے جو سامراجی دور کی پیداوار ہے اور جس کے نتیجے میں مغربی اقوام (یورپ و امریکہ) جو ۱۸۰۰ء میں عالمی پیداوار کا صرف ۲۷ فیصد پیدا کر رہی تھیں ۱۹۱۸ء میں ان کا یہ حصہ بڑھ کر ۸۷ فیصد ہوگیا، جبکہ ان کی آبادی دنیا کی کل آبادی کا صرف ۱۸ فیصد ہے۔

اس نظام کو مستقل صورت اس وقت دی جاسکتی ہے جب دنیا کے دوسرے ممالک اپنی معیشت کو خود انحصاری کی بنیاد پر ترقی نہ دے سکیں، بلکہ اس عالمی نظام کا حصہ بن کر خام مال فراہم کرنے اور مصنوعات درآمد کرنے کا کام انجام دیں۔ اس طرح ترقی یافتہ ممالک کو نہ صرف یہ مسلسل بالادستی حاصل رہے بلکہ باقی دنیا ان کی محتاج رہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ آزاد تجارت اور آزادی نقل و حرکت کے یہ علم بردار، انسانوں کی آزاد نقل و حرکت کے قائل نہیں اور انسانی آبادی کی حرکت اور نقل مکانی

[(۲۷) اس سلسلے میں جن مفکرین نے اس حکمت عملی کو فکری بنیادیں فراہم کی ہیں ان میں فرانس کے فاکویاما کا TheEnd of History کا فلسفہ، سیمول پی ہن ٹنگٹن کا Clash of Civilisation کا نظریہ بریزنسکی کی The Grand Chessboard خصوصیت کی حامل ہیں۔]

(migration) پر کڑی پابندیاں رکھنی چاہتے ہیں، تاکہ مغربی اقوام کی بالادستی متاثر نہ ہو سکے۔ اگر آبادی کی کچھ حرکت ہو تو وہ بھی اس شکل میں کہ ترقی پذیر ممالک کے پڑھے لکھے اور دولت ثروت کے مالک افراد مغربی ممالک میں داخل ہو سکیں۔ مادی وسائل کے بہاؤ کے ساتھ اعلیٰ صلاحیت اور وسائل کا بہاؤ رہوتا رہے اور یہ ممالک ترقی یافتہ ممالک کی تقویت کا ذریعہ بنتے رہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی معدنیات، توانائی کے سرچشموں خصوصیت سے تیل اور گیس پر مستقل قبضہ اور ان تک رسائی کے راستوں میں حفاظت کی جائے۔

۲۔ جمہوریت:

اس نظام کا دوسرا ستون سیاسی ہے یعنی انفرادی آزادی، جمہوریت، حقوق انسانی کا تحفظ اور مذہبی رواداری کی ترویج اور اس کے پردے میں ان ممالک میں ایسے نظاموں کا قیام عمل میں لایا جائے جن کو سیاسی جوڑ توڑ، مالی وسائل، معاشی مراعات اور ذرائع معلومات کے توسط سے فکری کنٹرول اور تہذیبی غلبے کے ذریعے بہ آسانی متاثر کیا جا سکتا ہے۔ جمہوریت کے ان علم برداروں کی جمہوریت کی تعبیر بڑی نرالی ہے۔ جمہوریت کے معنی تمام انسانوں کی مساوات نہیں اور نہ لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے عقائد اقدار اور ترجیحات کی روشنی میں اپنا نظام زندگی طے کریں۔

جمہوریت کی تعبیر یہ ہے کہ مغربی جمہوریت کو اس طرح پروان چڑھایا جائے کہ یہ مملک مغرب کے رنگ میں رنگے جائیں اور ان پر ایسی قیادتیں مسلط رہیں جو مغربی تہذیب کی دلدادہ اور مغربی مفادات کی محافظ ہوں۔ نیٹو (تنظیم معاہدہ شمالی اوقیانوس) کو اب وسعت دے کر یورپ کی ان اقوام کو بھی اس کے چنگل میں پھانسا جا رہا ہے، جو اپنے الگ تہذیبی وجود رکھتی ہیں اور کل کسی متبادل نظام کے لیے زمین فراہم کر سکتی ہیں۔ ترکی میں جمہوری تماشے کے باوجود پورا ملک سیکولر فوجی قیادت کی گرفت میں رہے۔ الجزائر میں عوام

اپنی آزاد مرضی سے اگر اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں تو ان کی پوری قیادت کو پابند طوق و سلاسل کیا جائے، ملک میں سول وار کی کیفیت پیدا کر دی جائے اور یہ سب ''جمہوریت'' کے نام پر ہو۔ جمہوریت' تہذیبوں اور نظام زندگی کے تعدد کا ذریعہ نہ بنے، بلکہ جمہوریت کے عنوان سے مغربی سیاسی اور معاشی ادارے پوری دنیا پر مسلط کیے جائیں اور ان کے ذریعے وہاں کی آبادیوں کو اپنے مقاصد کیلیے استعمال کیا جا سکے۔ جہاں کہیں حالات مغربی اقوام کی مرضی کے مطابق نہ ہوں وہاں ،انسانی بنیادوں پر مداخلت کے نام پر فوج کشی تک کا حق اپنے پاس محفوظ رکھا جائے۔ اس سلسلے میں کسی عالمی ادارے کی اجازت بھی ضروری نہیں بلکہ یہ سب امریکہ اور اس کے ہم نوا ممالک کے دائرہ اختیار میں رکھا جائے۔

جمہوریت کے یہ علم بردار کسی بالاتر قانون اور کسی غیر جانب دار اتھارٹی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ۔اقوام متحدہ کو ایک غیر موثر ادارہ بنایا گیا ہے ۔جنرل اسمبلی کے پاس کوئی اختیار نہیں اور سکیورٹی کونسل جسے کاروائی کا اختیار ہے، اس مین پانچ طاقتوں کو ویٹو کا حق حاصل ہے۔ اگر اس حق کی توسیع کی بات ہو رہی ہے تو وہ بھی کسی جمہوری اصول پر نہیں بلکہ اپنے ہی طائفے کے کچھ دوسرے ارکان کو مسلط کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) اور ورلڈ بنک جو اہم عالمی مالیاتی ادارے ہیں ان میں بھی انھیں مال دار ممالک کو اکثریت حاصل ہے اور ان کے اشارہ ابرو کے بغیر وہ ذرا بھی جنبش نہیں کر سکتے ۔جمہوریت کے ان علم برداروں کو اگر جمہوریت سے حقیقی دل چسپی ہے تو سب سے پہلے ان اداروں کو جمہوری رنگ میں رنگنے کی فکر کرتے لیکن اس کا دور دور پتہ نہیں۔ عالمی میڈیا یا انفارمیشن ٹکنالوجی کے ذرائع پر مغربی اقوام کا کنٹرول بھی اسی لبرل آرڈر کا حصہ ہے ۔اس طرح عالم گیریت اور جمہوری آزاد روی (democratic liberalisation) اس نئے نظام کے ایک دوسرے کو مضبوط کرنے والے دو ستون ہیں۔

۳۔ٹکنالوجی:

اس نظام کا تیسرا ستون ٹکنالوجی ہے ،خصوصیت سے نیوکلیر اور ہائی ٹیک (Hi-Tech) کمپیوٹر ٹکنالوجی پر مغربی اقوام کی جارہ اداری ہے ۔نئے دفاعی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابل چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے جہاں سے بھی کوئی خطرہ ہو (خواہ وہ کتنا ہی موہوم کیوں نہ ہو) اسے ختم کرنے کا حق ہے۔سد جارحیت (deterrance) کے معنی اس نظام میں یہ ہیں کہ" امریکہ اور اس کے حواریوں کی قوت اور بالادستی کو چیلنج کرنے کو کوئی امکان نہ ہو۔ایٹمی عدم پھیلاؤ کا مقصد دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنا نہیں ۔مغرب کی نیوکلیر بالادستی کو دائمی بنانا اور ہر چیلنج کا راستہ روکنا ہے۔'' کیمیاوی اور گیس کے ہتھیاروں پر پابندی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔اس طرح میزائل کے نظام کو لگام دینے کا پروگرام بھی اس عسکری بالادستی کا تحفظ ہے۔

دہشت گردی (terrorism) کے باب میں جو محاذ کھولا گیا ہے،اس کا مقصد بھی دنیا میں ابھرنے والی ہر متبادل قوت کو ایک قسم کے سوچے سمجھے تشدد کا نشانہ بنانا ہے جو خود انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے ۔کوئی صحیح العقل انسان دہشت گردی اور تشدد کی حمایت نہیں کرسکتا لیکن مظلوم اگر ظالم کے خلاف ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جائے یا محکوم اقوام اپنی آزادی کے لیے سیاسی جدوجہد کی راہیں مسدود ہونے کی صورت میں ظالم اور استعماری حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کریں تو اسے دہشت گردی کیسے کہا جا سکتا ہے؟

اگر یہ دہشت گردی ہے تو دنیا کے موجودہ سیاسی نقشے کا ۸۰ فیصد ایسی ہی جدوجہد کے نتیجے میں صورت پذیر ہوا ہے اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔اس کی سب سے قریبی مثال مشرقی تیمور [انڈونیشیا] ہے جہاں ۲۰ سالہ عسکری جدوجہد کے بعد اقوام متحدہ زیر انتظام استصواب ہوا ہے۔یہ اور بات ہے کہ مشرقی تیمور اپنے تیل کے ممکنہ ذخائر کی وجہ سے مغربی اقوام کی توجہ کا مرکز بنا ہے اور ایک مسلمان ملک کو کمزور کر کے ایک عیسائی ریاست کا قیام اس کا نتیجہ ہے لیکن بات اصول کی ہے اور جس حق کے تحت اقوام متحدہ کے ۱۳۰ ممالک

آزاد ہوئے ہیں اسے محض اس لیے دہشت گردی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کشمیر، کوسووا، چیچنیا، اور منڈاناؤ میں اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔

۴۔ سیاسی حصار بندی!:

اس حصار بندی کا اصل ہدف اب چین اور عالم اسلام اور خصوصیت سے عالم اسلام کے وہ ممالک ہیں جو کچھ بھی آزادی اختیار کر سکتے ہیں اور جن میں اسلامی تحریکات ایک غالب قوت بن سکتی ہیں۔ اولیں ہدف چین کے ساتھ ایران، افغانستان اور پاکستان ہیں۔ ترکی کو یورپی یونین میں ضم کرنے اور ترک کرد کش مکش کے ذریعے مستقل طور پر جنگ وجدال میں مصروف رکھنے کا پروگرام ہے۔ وسط ایشیا کی اسلامی تحریکوں کو ''دہشت گرد'' کے نام پر قابو کرنے کا منصوبہ ہے۔ ایران اور افغانستان کو دبانے یا ان کے ریاستی وفکری سانچے کو بدلنے کا ہدف ہے۔ پاکستان کو کمزور کرنے، چین کے ساتھ غلط فہمیاں پیدا کرنے اور اس کو مسلم دنیا کے قریب نہ ہونے دینے کی کوششیں ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان پر معاشی دباؤ کیساتھ ساتھ اسے بھارت کی طرف سے عسکری خطرات سے بھی دوچار کرنا ہے۔

یہ اپنی روح اور مقاصد کے اعتبار سے اسی طرح کا ایک حصار بندی کا نظام ہے جیسا سرد جنگ کے زمانے میں اشتراکی روس، چین اور مشرقی یورپ کے خلاف قائم کیا گیا تھا، گو نئے حالات کے پیش نظر اس کا اسلوب اور عنوانات مختلف ہیں۔ اس انتظام میں علاقے، ملک اور سیاسی ساتھیوں سب کے مقام اور تعلقات کی نوعیت میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں: ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں!'' ✿

✿ یہ مضمون پروفیسر خورشید احمد کے ان مضامین سے اخذ کردہ ہے جو ماہنامہ 'ترجمان القرآن' (۹۸ء، ۹۱ء، ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۱ء) کے اداریوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

امریکہ کے 'مہذب' دہشت گرد!

امریکی محکمہ انصاف نے ۳ دسمبر ۱۹۹۶ء کو سولہ جاپانیوں کے ناموں کی فہرست جاری کی جس کے مطابق دوسری جنگ عظیم میں ان کے سنگین جرائم کے سبب امریکہ میں ان کے داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ان میں سے کچھ کے بارے میں محکمہ انصاف کا کہنا تھا کہ یہ بدنام زمانہ ''یونٹ ۷۳۱'' کے ارکان ہیں جس نے ہزاروں جنگی قیدیوں اور شہریوں پر جان لیوا تجربات کیے۔ جن میں بے شمار زندہ انسانوں کی چیر پھاڑ جیسا غیر انسانی فعل سر فہرست تھا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد یونٹ ۷۳۱ پروگرام کے انچارج جنرل شیرواشی کو جس نے امریکی سپاہیوں پر بے شمار تجربات کیے تھے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس شرط پر رہائی ملی کہ وہ امریکہ کو اپنے تمام تجربات کی مکمل تفصیلات فراہم کرے گا۔ امریکی سائنسدانوں اور فوجی افسران کی جانب سے اپنی اس پالیسی کی صفائی میں ہمیشہ کی طرح یہ کہا گیا کہ ''وسیع تر قومی مفاد اور قومی سلامتی'' کی خاطر یہ قدم اٹھایا گیا ہے۔

''یونٹ ۷۳۱'' کے ارکان کی اس فہرست کے حوالے سے محکمہ انصاف کی منافقانہ پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرا ایک لمحہ کے لیے سوچیئے کہ اگر دنیا کے مختلف ممالک 'جنگی' اور ''انسانیت سوز جرائم'' میں ملوث امریکیوں کی فہرست جاری کرتے ہوئے اپنے یہاں داخلہ پر پابندی عائد کریں تو اس میں کن کن امریکیوں کے نام شامل ہوں گے۔ آیئے ذرا ایک نظر اس فہرست پر بھی ڈال لیں۔

ولیم کلنٹن

یہ امریکی صدر جن جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں ان میں یوگوسلاویہ پر ۷۸ دن اور رات تک وحشیانہ بمباری جس سے سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور جو تاریخ کی

عظیم ہلاکتوں میں سے ایک تھی' عراق پر بے رحمانہ اور غیر انسانی پابندیاں اور شہریوں پر راکٹوں کے شدید حملے' صومالیہ' بوسنیا' سوڈان اور افغانستان پر قطعی غیر جواز' غیر قانونی اور بمباری جیسی سنگین کاروائیاں نمایاں ہیں۔

جنرل ویسلے کلارک

یورپ میں اتحادی فوجوں کے کمانڈر جنرلُ ویسلے کلارک کی ہدایات کے مطابق نیٹو نے یوگوسلاویہ کو جس طرح وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنایا اسے دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوگا اور میز پر مکا مارتے ہوئے کہتا ہوگا مجھے اس مہم میں زیادہ سے زیادہ تشدد چاہیے۔ ختم کر دو سب کچھ ابھی اور اسی وقت......!

جارج بش

۴۰ دن اور رات کی وحشیانہ بمباری کے نتیجہ میں لاکھوں بے گناہ اور معصوم عراقی شہریوں کا قتل عام جن میں ہزاروں کی تعداد میں بچے شامل ہیں عراق پر خوفناک پابندیاں' پانامہ پر بلا جواز اور غیر قانونی مسلسل بمباری جس کے نتیجہ میں بے شمار ہلاکتیں ہوئیں تباہی و بربادی عمل میں آئی جیسے جرائم میں امریکی صدر بش ملوث ہیں۔ (اور رہی سہی کسر اب اس کے بیٹے نے پوری کر دی ہے!)

جنرل کولن پاوئل

چیئر مین جوئنٹ چیف آف سٹاف کے جرائم کی فہرست بے حد طویل ہے پانامہ اور عراق پر حملوں کے سلسلہ میں نمایاں کردار' عراق میں ایٹمی ری اور حیاتیاتی اور کیمیائی پلانٹ کی تباہ کاری' تاریخ میں پہلی بار ایک زندہ ایٹمی ری ایکٹر کو بمباری کا نشانہ بنا کر نہایت خطرناک مثال قائم کی گئی' اقوام متحدہ کی آشیر باد سے عراق پر جاری امریکی بمباری کو ایک ماہ گذر جانے کے بعد اقوام متحدہ نے ایک قرارداد منظور کی جس کے ذریعہ مشرق وسطی پر جاری فوجی حملوں میں ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ عراق میں تباہی و بربادی کے دوران پاؤل کی خوشی دیدنی تھی۔ ایٹمی ری

ایکٹرز کی تباہی پر اس نے خوشی سے دیوانہ ہوتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ ''دونوں کارآمد ''زندہ ری ایکٹرز ختم کر دیئے گئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ وہ شکست کھا گئے ہیں۔ وہ ختم ہو گئے ہیں۔ اب کچھ نہیں رہا۔ اسے عراقیوں سے ان کی زندگیاں چھین لینے والا وحشی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ دوران جنگ بے شمار عراقیوں کی ہلاکتوں کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس ''مہذب'' جرنیل نے کہا کہ یہ کوئی اتنی بڑی تعداد نہیں ہے کہ میں اس حوالے سے پریشانی کا اظہار کروں یا اس میں خواہ مخواہ دلچسپی لوں۔''

ویتنام میں جنگی جرائم کے حوالے سے اس کے کردار کو دیکھا جائے تو اسی بریگیڈیر کے دستے کا ''کارنامہ'' تھا جس نے مائی لائی میں قتل عام کیا تھا۔

جنرل نارمن شیوارزکوف

امریکی سینٹرل کمانڈ کے انچیف نے جو جرائم کیے ان میں سے اہم یہ ہیں عراق میں خونریزی کے سلسلہ میں بے رحمانہ فوجی رہنمائی کی اور جنگ بندی کے باوجود مزید دو روز تک اس لیے خونریزی جاری رکھی کہ عراقیوں سے ہتھیار ڈلوا لیے جائیں۔

رونالڈ ریگن

سابق امریکی صدر کے جرائم جن کی وجہ سے ان کا نام اس فہرست میں شامل ہو گا۔ ایل سیلواڈور' گوئٹے مالا' نکاراگوا اور گریناڈا کی عوام کے مستقبل کو تباہ و برباد کر کے ۸ سال تک انہیں موت' دہشت اور تشدد کا شکار بنانا' لیبیا' لبنان اور ایران پر وحشیانہ بمباری ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سب اپنی ''بیماری'' کے باعث'' بھول گئے ہوں مگر دنیا کو سب کچھ بہرا اچھی طرح سے یاد ہے۔

ایلیٹ ابرامز

ریگن کے دور حکومت میں نائب سیکرٹری خارجہ ایلیٹ ابرامز کے جرائم بھی کم نہیں ہیں۔ اس نے جھوٹ کی بنیاد پر ایک نئی تاریخ رقم کرنے کا کام کیا۔ نکارگوا میں جاری

زیادتیوں اور وسطی امریکہ میں امریکی حلیفوں کی جانب سے ہونے والے ظلم وستم پر پردے ڈالتے ہوئے ان کی امداد جاری رکھنا اور جھوٹ کے ذریعہ سے ان کی کاروائیوں کو جواز فراہم کرتے ہوئے ان کے لیے حمایت حاصل کرنا اسی کا ''کارنامہ'' تھا۔ اس نے حقائق کو اس طرح توڑ مروڑ کر رکھ دیا کہ خود اس کے الفاظ میں ''جب تاریخ لکھی جائے گی تو ظلم وستم اور زیادتیوں میں ملوث ہمارے حلیف ہیرو کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

کیسپر وین برگر

ریگن حکومت میں سات سال تک سیکرٹری دفاع کے منصب پر فائز رہنے والے کیسپر وین برگر کے جرائم پر بھی ایک نظر ڈالیے۔ وسطی امریکہ میں امریکہ کی جانب سے روا رکھے جانے انسانیت سوز مظالم کی ذمہ داری کیسپر وین برگر عائد ہوتی ہے۔ ۱۹۸۶ء میں لیبیا میں بمباری کرائی۔ جارج بش بے شک ایران کونٹر کیس میں اسے معاف کردیں لیکن اس کے جنگی جرائم کی معافی ممکن نہیں ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل آلیور نادرتھ

ریگن انتظامیہ کی قومی سلامتی کونسل سے منسلک لیفٹیننٹ کرنل آلیور ناتھ کا نکاراگوا میں ہونے والی زیادتیوں کے سلسلے میں اہم کردار تھا۔ گرینا ڈا پر حملہ کی منصوبہ بندی میں وہ ایک اہم فریق کی حیثیت سے شریک تھا جس کے نتیجہ میں سینکڑوں بے گناہ شہری جان سے مارے گئے۔

ہنری کسنجر

نکسن انتظامیہ کے قومی سلامتی کے مشیر اور نکسن اور فورڈ انتظامیہ میں سیکرٹری خارجہ ہنری کسنجر کے پاس تین اعزاز ہیں دانشور امن کا نوبل انعام یافتہ اور جنگی مجرم۔ اس کے جرائم کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔ انگولا چلی مشرقی تیمور عراق ویتنام اور کمبوڈیا میں امریکی مداخلتوں کے سلسلے میں اس نے عیارانہ اور اخلاق سے گرا ہوا کردار ادا کر

تے ہوئے ان ممالک کی عوام کو ناقابل بیان خوف، دہشت اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔

جیرالڈ فورڈ

امریکی صدر جس نے مشرقی تیمور کی عوام کو کچلنے کے لیے انڈونیشیائی حکومت کو ہتھیار فراہم کر کے چوتھائی صدی پر مشتمل انسانیت سوز کارروائیوں کا آغاز کیا۔

رابرٹ میک مورنمارا

کینڈی اور جانسن انتظامیہ میں سیکرٹری دفاع رابرٹ میک نمارا انڈوچائنا خون خرابے کی ابتداء سے لے کر زیادتیوں کی انتہا تک اس کا خالق اور ذمہ دار تھا۔ اس کے علاوہ پیرو میں عوامی تحریکوں کو جس پرتشدد انداز میں کچلنے کا کام کیا یقیناً وہ قابل معافی نہیں۔

جنرل ولیم ویسٹ مورلینڈ

چیف آف آرمی سٹاف جنرل ولیم ویسٹ مورلینڈ کی سربراہی میں ویتنام میں بے شمار جنگی جرائم ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں امریکی چیف پراسیکوٹر ''ٹیلیفورڈ ٹیلر'' نے جنگ عظیم دوم اس کے علاوہ پیرو میں عوامی تحریکوں کو جس پرتشدد انداز میں کچلنے کا کام کیا یقیناً وہ قابل معافی نہیں۔

جنرل ولیم ویسٹ مورلینڈ

چیف آف آرمی سٹاف جنرل ولیم ویسٹ مورلینڈ کی سربراہی میں ویتنام میں بے شمار جنگی جرائم ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں امریکی چیف پراسیکوٹر ''ٹیلیفورڈ ٹیلر'' نے جنگ عظیم دوم کے بعد بننے والے ''نیوریمرگ ٹربیونل'' کے سامنے ''یماشیتا کیس'' کا حوالہ دیتے ہوئے جنرل ویسٹ مورلینڈ پر الزام عائد کرتے ہوئے اسے ذمہ دار قرار دیا۔ یماشیتا کیس'' میں دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی آرمی کمیشن نے جاپانی جرنیل ''تومایوکی یماشیتا'' کو اس الزام کے تحت پھانسی دی تھی کہ اس کے فوجی دستوں سے

فلپائن میں ظلم اور زیادتیوں کا بازار گرم رکھا۔ کمیشن نے اپنے اس فیصلہ میں کہا کہ سینئر کمانڈر کی حیثیت سے ''یماشیتا'' کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان زیادتیوں کو ردو کے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اس لیے ہی اصل مجرم ہے۔ اگر کسی کو مجرم ٹھہرانے کیلئے یہ الزام ہی کافی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ بالکل یہی فیصلہ جنرل پاؤل اور جنرل شوارزکوف کے خلاف بھی ہونا چاہیے، ان پر بھی یہی قانون لاگو ہونا چاہیے۔ اس الزام کے خلاف اپنی صفائی میں یماشیتا نے یہ ثبوت اور شہادتیں بھی کمیشن کے رو برو پیش کر دی تھی کہ اپنے فوجی دستوں کو قابو میں رکھنے کے لیے اس کے پاس مؤثر رابطہ اور پیغام رسانی کے ذرائع کی کمی تھی لیکن اس کے باوجود اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس واقعہ کی روشنی میں ٹیلر کا مؤقف یہ تھا کہ ہیلی کاپٹرز اور رابطہ پیغام رسانی کے جدید ترین ذرائع کی موجودگی میں ویسٹ مور لینڈ اور اس کے کمانڈرز کو اس مسئلہ کا بھی سامنا نہیں تھا۔

دہشت گردوں کی جنت............امریکہ!

امریکی محکمہ خارجہ کی جانب سے ۱۹۹۸ء میں جاری ہونے والی انسانی حقوق کی سالانہ رپورٹ میں کیوبا کا شمار ان ممالک میں کیا گیا تھا جن پر دہشت گردوں کی سرپرستی کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ اپنی متجسس فطرت سے مجبور ہو کر اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے محکمہ خارجہ کو فون کیا انہوں نے میرا رابطہ ''دہشت گردی سیکشن'' میں کرا دیا جہاں ''جوریپ'' نامی ایک مہذب شخص نے میرے استفسار پر بتایا کہ کیوبا کو اس فہرست میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ یہ دہشت گردوں کو پناہ دیتا ہے۔

''یہ تو امریکہ بھی کرتا ہے۔ 'میامی' میں پناہ گزین کیوبا کے بھگوڑے امریکہ میں اور اس سے باہر دہشت گردی کی سینکڑوں کارروائیوں میں ملوث ہیں''۔۔۔میں نے بہت سکون سے جواب دیا۔

''سر! یہ نہایت احمقانہ رائے ہے اور میں اس قسم کی بیہودہ باتیں نہیں سنتا۔ مسٹر ریپ کا مہذب انداز اور خوش خلقی یکدم غائب ہو گئی اور جاہلوں کی طرح چلاتے ہوئے اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

مجھے مشکلات پیدا کرنے میں لطف آتا ہے اور میں نادم بھی نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اگلے سال ۴ مئی ۱۹۹۹ء کو عین اس روز جب انسانی حقوق کی سالانہ رپورٹ جاری کی گئی تو میں نے ایک بار پھر اپنے فون سے ۸۶۸۲۔۶۹۷۔۲۰۲ ملایا۔ ایک بار پھر میرا رابطہ جوریپ سے کرا دیا گیا۔ مجھے شک تھا کہ کسی بھی لمحہ وہ پہچان لے گا کہ میں وہی ہوں جس نے پچھلے سال بھی رابطہ کیا تھا اور کسی بھی لمحہ پچھلے سال والا حادثہ وقوع پذیر ہو جائے گا۔ رسمی دعا سلام تک اس نے پہچانا ہی نہیں لیکن جیسے ہی میں نے 'میامی' میں پناہ گزین کیوبا کے دہشت گردوں کے بارے میں اپنا سوال دہرایا وہ غضبناک ہو گیا۔ اس نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا:

''وہ دہشت گرد نہیں ہیں''

"لیکن ایف بی آئی ان میں سے بعض کو دہشت گرد قرار دے چکی ہے"۔ میں نے اس کے غصے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"تو ایف بی آئی سے رابطہ کریں"۔ اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"لیکن ہم تو محکمہ خارجہ کی رپورٹ پر بات کر رہے ہیں نا۔" میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ اس کو توجہ دلائی۔

"مگر میں ایسے لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا جو امریکی حکومت کو دہشت گردوں کا سرپرست قرار دیں۔" اس نے غصے کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے فون پٹخ دیا۔

گزشتہ ایک سال کے دوران اس کے رویے میں کسی قسم کی کوئی نرمی یا لچک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ ہمیشہ سے ایک نہایت دلچسپ مشاہدہ رہا ہے اور آپ کا بھی اس سے روزمرہ زندگی میں اکثر اوقات واسطہ پڑتا رہتا ہوگا کہ اندھا دھند تقلید کرنے والا اس وقت ہمیشہ شدید ردعمل کا مظاہرہ کرتا ہے جب اس کے نظریے پر تنقید کرتے ہوئے ایسا غیر متوقع سوال کر دیا جائے جس کا جواب اس سے نہ بن پڑے اور اس اعتراض کی صداقت بھی عیاں ہوں۔ ایسے کھسیاہٹ میں مبتلا ہو کر وہ شخص شرمندگی چھپانے کے لیے اونچی آواز میں چیختا اور چلاتا ہے تا کہ نقاد اس کے شور کے ہنگامے سے گھبرا جائے۔ ایسے "سچے پیروکاروں" کو ہر لحہ اپنے نظریات پر ہونے والے غیر متوقع اور اچانک تنقیدی حملوں کا خوف لاحق رہتا ہے۔

کیوبا کے جلاوطن دنیا کے سب سے کثیر تعداد میں اور سب سے زیادہ مستقل مزاج دہشت گرد گروہوں میں سے ایک ہیں اور یہ "اعزاز" انہوں نے مستقل طور پر برقرار رکھا ہوا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں انہوں نے میامی کی ہدایات کے مطابق ہوانا کے ہوٹلوں پر بمباری کی۔ ہوائی جہازوں کے اغواء کو بین الاقوامی طور پر سنگین ترین جرائم میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے مگر کیوبا سے امریکہ کے راستے میں بے شمار ہوائی جہاز اغواء کیے گئے۔ کوئی بندوق کی نالی پر تو کوئی چاقو کی نوک پر اغواء اور کبھی جسمانی طاقت کے استعمال کے ذریعہ ہائی جیکنگ

اس عدالتی فیصلہ کے سامنے آنے پر محکمہ دفاع نے گرامیجو سے فوجی سیمینار میں شرکت اور تقریر کرنے کا دعوت نامہ واپس لے لیا۔ اس واقعہ کے بعد گرامیجو عدالتی حکم کے باوجود ہرجانہ کی رقم ادا کیے بغیر گوئٹے مالا واپس چلا گیا۔ مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اپنی سابقہ رہائش گاہ پر باتیں کرتے ہوئے اس نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس نے جو کچھ کیا وہ انسانی دوستی کی ایک مثال ہے اس کا کہنا تھا کہ 'ہم نے ۱۹۸۲ء میں شہری ادارے قائم کئے جنہوں نے ۷۰ فیصدی آبادی کی ترقی کے لیے نہایت کامیاب اقدامات کئے جبکہ ۳۰ فیصد آبادی کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ حالانکہ اس سے قبل حکمت عملی یہ تھی کہ ۱۰۰ فیصد آبادی کو ہلاک کر دیا۔

✿ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کرنے والوں کے نزدیک فلوریڈا بہترین جائے پناہ ہے۔ جہاں وہ 'ریٹائیرزمنٹ' کے دن سکون سے گذار سکتے ہیں۔ کوئی انہیں ان کے جرائم یاد دلانے والا نہیں ہوتا۔ ۸۰ء کی دہائی میں ایل سکواڈ کی مسلح افواج کے سربراہ سابق جنرل ''جوزگلیر مورشیا'' جس سنگین جرم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ تھا کہ اس کی ہدایت پر فوج کے 'ڈیتھ سکواڈ' نے ہزاروں بے گناہ افراد کو فتنہ انگیزوں کے شبہ میں ہلاک کر دیا تھا۔ اب بھی گاشیا ۱۹۹۰ء سے فلوریڈا میں نہایت پرسکون زندگی بسر کر رہا ہے۔

✿ گارشیا کا جانشین جنرل ''کارلوس یوجینیوا وائڈز کسانووا'' جس نے ظالم ترین قومی گارڈ کے سربراہ کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں آج کل سن شائن سٹیٹ میں رہائش پزیر ہے۔ ایل سیلواڈور کے لیے اقوام متحدہ کے سچائی کمیشن کے مطابق کارلوس وائڈز نے ۱۹۸۰ء میں تین امریکی راہباؤں کو بے حرمتی کے بعد ہلاک کرنے اور ایک امریکن کو قتل کرنے والے مجرموں کو نہ صرف بچایا بلکہ انہیں مکمل تحفظ بھی فراہم کیا۔ ایسے ہی کم از کم دو مواقع پر تو اس کی ذاتی طور موجودگی کی شہادتیں ہیں۔ ایک تو جب ڈاکٹر جوین روما گوزا آرک پر تشدد کیا جا رہا تھا، آخر میں تو زخموں کی صورتحال اتنی خطرناک ہوگئی تھی کہ ان کی سرجری بھی نہیں کی جا سکتی تھی اور جب وائڈز ۱۹۹۹ء میں ایک انٹرویو کے دوران یہ کہتا ہے

عمل میں آئی اور اس عمل میں کم از کم ایک قتل بھی ضرور ہوا مگر بہت تلاش کرنے پر بھی سوائے ایک کیس کے کوئی مثال نہیں ہے کہ جس میں امریکہ کی جانب سے ہائی جیکرز کے خلاف فرد جرم عائد کی گئی ہو۔ اس اکلوتے کیس کا حال بھی سن لیجئے۔ اگست ۱۹۹۶ء میں تین کیوبائی ہائی جیکرز نے فلوریڈا جانے والی پرواز کو چاقو کی نوک پر اغواء کر لیا۔ بدقسمتی کہ پکڑے گئے اور ان کے خلاف فرد جرم عائد کر کے فلوریڈا کی عدالت میں مقدمہ چلا جو ہائی جیکنگ کے مقدمہ سے زیادہ نویڈا کی عدالت میں زیر سماعت جوئے کا مقدمہ محسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ اغواء ہونے والے جہاز کے پائلٹ کو گواہی کے لیے کیوبا سے بلوایا گیا تھا لیکن جیوری کے سامنے وکیل کے صرف یہ کہنے پر کہ یہ گواہ جھوٹ بول رہا ہے کوئی سوال کیے بغیر جیوری نے ایک گھنٹے کے اندر اندر ملزمان کو باعزت بری کر دیا۔

صرف کیوبا کے جلاوطن ہی غیر ملکی دہشت گرد اور انسانی حقوق کو پامال کرنے والے نہیں ہیں جو امریکہ کی پناہ میں محفوظ زندگی گزار رہے ہیں بلکہ اشتراکیت کے سخت مخالفین یا امریکی خارجہ پالیسی سے اتفاق رکھنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی امریکی مہربانیوں سے لطف اٹھا رہی ہے۔ ان کے بارے میں تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں جو یقیناً قارئین کے لیے معلومات افزا ہوں گی۔

گوئٹے مالا کا سابق وزیر دفاع ''ہیکٹر گامیجو موریلز'' جس کے بارے میں ۱۹۹۵ء میں امریکی عدالت نے حکم دیا تھا کہ وہ امریکہ اور گوئٹے مالا کے آٹھ شہریوں پر وحشیانہ تشدد اور گوئٹے مالا میں کئی خاندانوں کے قتل عام (جنمیں ہزاروں انڈین بھی شامل تھے اور اسے ان کی ہلاکتوں کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا) کے ہرجانہ کے طور پر ۷.۵ ملین ڈالر ادا کرے۔ ۱۹۹۱ء کے ایک عدالتی حکمنامہ پر ''گرامیجو'' نے اپنی صفائی میں کہا تھا کہ وہ ہارورڈ کے کینڈی سکول آف گورنمنٹ کا فارغ التحصیل ہے جہاں اس نے امریکی حکومت کے وظیفہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ جج کی طرف سے اس کیس کا فیصلہ یہ سنایا گیا کہ 'شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گرامیجو کی ہدایت پر شہریوں کے خلاف ایذا رسانی کی نفرت انگیز مہم چلائی گئی'۔

کہ ''میں بار بار اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا میں نے کوئی غلط کام کیا ہے تو جواب ہمیشہ نفی میں ملتا ہے'' اس پر کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔

اسی زمانہ میں جب گاشیا اور وائنڈز امریکہ میں رہائش پزیر تھے امریکی امیگریشن والوں نے ایل سکواڈور کے بہت سے پناہ گزینوں کو مزید پناہ دینے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ اس خوف کا اظہار کرتے ہوئے دعوی کر رہے تھے کہ اگر انہیں واپس بھیجا گیا تو ان پر وحشیانہ تشدد کیا جائے گا۔

✪ آرمینڈو فرنینڈز لیریوس چلی ملٹری سلواڈ کا رکن تھا جو ۱۹۷۳ء کے انقلاب کے بعد کم از کم ۷۲ سیاسی قیدیوں پر تشدد اور ان کی ہلاکت کا ذمہ دار ہے؟ فرنینڈز بھی آج کل امریکہ میں مقیم ہے۔ بظاہر وہ ملٹری سکواڈ کا رکن تھا مگر پنوشے کے دور حکومت میں چلی کی بدنام زمانہ خفیہ پولیس DINA کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ امریکہ میں اس کی مستقل رہائش کا پس منظر یہ ہے کہ اس نے امریکی سرکاری وکلاء کے ساتھ سودے بازی کر کے وعدہ معافی گواہ کی حیثیت سے ایک تحریری بیان دیا جس کے مطابق چلی کے سابق اہلکار آورلینڈ لیٹلیر کا ۱۹۷۶ء میں واشنگٹن ڈی سی بم دھماکے میں قتل دراصل DINA کی سازش تھی۔ چلی کی حکومت نے امریکہ سے درخواست کی فرینڈز کو اس کے حوالے کر دیا جائے مگر اس کے وکلاء نے یہ موقف اختیار کیا کہ ان کے مؤکل اور محکمہ انصاف کے درمیان ہونے والے ۱۹۸۷ء کے عدالتی معاہدے کی رو سے فرینڈز کو کبھی بھی چلی واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ محکمہ انصاف کے حکام نے فرینڈز کے تحفظ کے اس معاہدہ کی شرائط پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا جو محکمہ کی تحویل میں سربمہر ہے۔

✪ چلی کے مائیکل ٹاؤنلے کا خفیہ قتل کی وارداتوں میں نہایت نمایاں کردار تھا۔ اس نے کچھ عرصہ امریکی جیل میں خدمات سرانجام دیں اور آج کل فیڈرل وٹنس پروٹیکشن پروگرام کے ساتھ منسلک ہے اس لیے اگر کبھی آپ اس سے ملیں گے تو جان نہیں سکیں گے کہ یہ کون ہے اور اس کا ماضی کیا ہے؟

✿ ار جنٹائل کا ایڈمرل ،، جور گے ایز کو ،، جو کے ،، ناپاک جنگ ،، کے زمانہ (۸۳-۱۹۷۶) کے بدنام زمانہ تشدد کے مرکز ،،ایسکیو لا مکینکا ،، کے ساتھ نہایت سرگرم رکن کی حیثیت سے وابستہ تھا آج کل ،،ہوائی،، میں مقیم ہے اور پرسکون زندگی بسر کر رہا ہے۔

✿ ہونڈراس آرمی کی ،،بٹالین ۳۱۶،، (تشدد والا باب ملاحظہ فرمائیں) جو کہ سی آئی اے کی تربیت یافتہ خفیہ تنظیم تھی اور جس نے ۸۰ء کی دہائی میں بائیں زور کے سینکڑوں افراد کو قتل کیا تھا اس کے کم از کم دو سرگرم ارکان آج کل جنوبی فلوریڈا میں مقیم ہیں اور زندگی سے لطف اٹھا رہے ہیں۔

✿ ایتھوپیا کا ،،کیسا سا نیگاوا ،، ایٹلانٹا کے تشدد کے مقدمہ میں مدعا علیہ تھا۔ جب وہ مقدمہ ہار گیا اور ہرجانہ ادا کرنے کا موقع آیا تو وہ غائب ہو گیا۔

کہاں؟........ یہ بتانے کی ضرورت نہیں سب ہی جانتے ہیں..........!!

✿ انڈونیشیا کا ایک جرنیل ،،سنتا نک بختین ،، بھی امریکہ میں رہائش پذیر ہے۔ یہ مشرقی تیمور ۱۹۹۱ء کے سانتا کروز قتل عام کا ذمہ دار ہے جس میں سینکڑوں لوگ مارے گئے تھے۔

✿ ''تھیون پراسیتھ'' امریکہ کے اصرار پر پال پوٹ کی خمیر روج کے لیے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۳ء تک کمبوڈیا کا ایلچی برائے اقوام متحدہ رہا حالانکہ خمیر روج ۱۹۷۹ء میں اقتدار سے باہر ہو گئی تھی۔ پراسیتھ پال پوٹ کے انسانیت سوز جرائم کا نمایاں عذر خواہ تھا اور اس نے ان جرائم کو دنیا سے پوشیدہ رکھنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ آج کل ماؤنٹ ورنن ، نیویارک میں آرام اور سکون سے زندگی بسر کر رہا ہے۔

✿ جنرل منصور مہراری جو کہ شاہ ایران کے دور میں جیل خانہ جات کا انچارج تھا اور اپنے وقت کا نہایت بدنام اذیت رساں اور تشدد تھا۔ جہاں ایذا رسانی اور تشدد کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس کا نام ضرور آتا ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے یہ بھی امریکہ میں مقیم ہے باوجود اس کے کہ ایرانی ملاؤں نے اس کے سر کی قیمت لگا رکھی ہے۔

✿ ویتنام جنگ کے دوران اذیت رسانی تشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں

جیسے جرائم قبول کرنے والے جنوبی ویتنام کے ۲۰ افسر بھی کیلیفورنیا میں قانونی طور پر رہائش پزیر ہیں۔

✿ کیلیفورنیا میں مقیم بے شمار ویتنامیوں نے ۸۰ء اور ۹۰ء کی دونوں دہائیوں میں اپنے ان ہم وطنوں کے خلاف دہشت گردی اور تشدد کی کاروائیاں جاری رکھیں جن کے بارے میں انہیں شبہ تھا کہ یہ مکمل طور پر اشتراکیت مخالف نہیں ہیں۔ بعض صرف اس وجہ سے حملوں کا نشانہ بنے کہ انہوں نے دہشت گرد سرگرمیوں کی مذمت کی تھی۔ ''اشتراکیت مخالف ویت نامی تنظیم،، اور اشتراکیت مٹاؤ، قوم بچاؤ،، نامی تنظیم نے سینکڑوں مواقع پر قتل وغارت گری کی، کاروباری مراکز تباہ کیے، گاڑیاں نذر آتش کیں۔ ویتنامی اخبارات کی اشاعتیں روک دیں اور اہم شخصیات کو قتل کرنے کی دھمکیاں دینے کے علاوہ منظم جرائم کی ہر ممکنہ شکل کے ذریعے کاروبار حیات کو مکمل طور پر مفلوج کر دیا۔ ان جرائم کے خلاف گواہیاں بھی تھیں اور دعوے بھی دائر کیے گئے مگر ہوا یہ کہ قتل کے چند مقدمات میں بظاہر کچھ گرفتاریاں عمل میں آئیں مگر بہت ہی جلد ان ملزمان کو یا تو رہا کر دیا گیا یا پھر بری کر دیا گیا۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی فرائض کی ادائیگی کے حوالے سے تغافل اور عدم توجہی کا یہ رویہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلے میں امریکی حکام کے ساتھ ان کا کوئی نہ کوئی معاہدہ ہو چکا تھا۔

✿ سابقہ یوگوسلاویہ کے وہ باشندے بھی جن پر ان ہی کے ہموطنوں نے جنگی جرائم کے الزامات عائد کیے، امریکہ میں مقیم ہیں۔

مندرجہ بالا آمروں اور دہشت گردوں میں سے بعض امریکہ کی مہربانی سے کسی تیسرے ہی ملک میں قیام پذیر ہیں جہاں وہ پورے سکون اور تحفظ کے ساتھ شاندار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ (انہیں اس قابل کر دیا گیا ہے کہ ان کے بینک اکاؤنٹس ایک بار پھر انہیں مل گئے ہیں۔) ان میں سے ہیٹی سے تعلق رکھنے والے چند امریکی ،، مہمانوں ،، کے نام مندرجہ ذیل ہیں جو ابھی بھی زندہ ہیں اور امریکہ کی فراہم کردہ خوشیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں:

جنرل راوٴلی کیڈراس صدر جین کلاڈ، بے بی ڈوک، ڈوبلیئر، اور نیفٹرس پولیس چیف جوزف مائیکل، فرینکوئس وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اس تمام پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے صرف ان دو جملوں پر ایک نظر ڈالیے جو ۱۹۹۸ء میں صدر کلنٹن نے دہشت گردی کے حوالے سے اقوام متحدہ کے اجلاس سے خطاب کے دوران کہے۔ صدر کلنٹن کہتے ہیں:

''دہشت گردی کے حوالے سے ہماری عالمی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ایک تو یہ کہ دہشت گردی کی سرپرستی نہ کی جائے اور دوسرے انہیں پناہ نہ دی جائے۔'' (اب یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہے)

تحویل مجرمین یا مقدمہ بازی

بین الاقوامی فوجداری مقدمہ بازی کے نظام کے تحت تمام حکومتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ قتل و غارت گری، دہشت گردی، جنگی جرائم اور تشدد کی کاروائیوں کے مرتکب افراد کے خلاف مقدمہ بازی کریں۔ اس بنیادی اصول کے مکمل نفاذ کے لیے ان تمام ممالک پر، جہاں جرائم کے مرتکب افراد موجود ہیں یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انہیں متاثر حکومت کے حوالے کر دیں (قانون کے مطابق متاثرہ ملک کی وضاحت اس طرح سے کی گئی ہے کہ وہ ملک جہاں جرم کیا گیا ہو یا وہ ملک جس کے شہری متاثرہ ہوئے ہوں یا پھر وہ ملک جس کی شہریت مجرم کے پاس ہو) یا پھر خود ان کے خلاف مقدمہ بازی کریں۔ ''نیوشے کیس'' کی مثال یہاں صادق آتی ہے جس کا آغاز ۱۹۹۸ء میں برطانیہ میں ہوا۔

امریکی حکومت نظریاتی طور پر ''تحویل مجرمین کی مقدمہ بازی'' کے اس اصول کی بہت بڑی حامی ہے اور حقیقت چند سال بیشتر وہ بین الاقوامی عدالت انصاف کے روبرو ایک ایسی ہی درخواست لے کر گئی تھی جس میں لیبیا کی حکومت سے ان دو افراد کو امریکہ کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا جن پر الزام تھا کہ وہ پین ایم کی پرواز ۱۰۳ میں بم دھماکے کے ذمہ دار ہیں۔ امریکی حکومت ان ملزمان کے خلاف بھی اس اصول کو بروئے کار لانے کی مکمل حمایت کرتی ہے جنہیں سابقہ یوگوسلاویہ اور روانڈا کے لیے قائم کئے جانے والے

جنگی جرائم کے بین الاقوامی ٹربیونلز نے جنگی جرائم کے مرتکب قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ملزمان میں سے ایک ملزم جسے راونڈا ٹربیونل نے جنگی مجرم قرار دیا تھا، اس کی ٹیکساس میں موجودگی کا انکشاف ہوا۔ اسے فوری طور پر حراست میں لے لیا گیا اور ریاست کی فیڈرل کورٹ میں تحویل مجرمین کی فوجداری کارروائی کے لیے پیش کر دیا گیا۔

امریکہ میں پناہ گزین جنگی مجرموں کی بہت بڑی تعداد کے بارے میں جن کا اوپر کے صفحات میں ذکر کیا گیا ہے، امریکہ کا فیصلہ یہ ہے کہ نہ تو انہیں ان کی حکومتوں کے حوالے کیا جائے گا نہ ان کے خلاف فوجداری مقدمہ بازی کی جائے گی۔ یقیناً یہ رویہ سرد جنگ کی باقیات کو ظاہر کرتا ہے۔ (بشکریہ ''روگ سٹیٹ'' از ولیم بیلم)

امریکہ کی دہشت گرد تنظیمیں

امریکیوں کی انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کی سات اقسام ہیں:

ARYAN.NATIONS.1

یہ سفید نسل پرست لوگ ہیں اوران کا سرغنہ ایک عیسائی پادری ہے۔

SURVIVALISTS.2

یہ لوگ امریکہ کی متوقع اقتصادی اور سیاسی تباہی کے انتظار میں خوراک پانی اور اسلحہ جمع کررہے ہیں، انہوں نے امریکہ کے جنگلوں اور پہاڑوں میں اپنی کمین گاہیں قائم کررکھی ہیں۔

PATRIOTS.3

یہ گروپ امریکہ کی مرکزی حکومت کے خلاف ہے۔ان کے خیال میں امریکی حکومت ریاستی، مقامی اور انفرادی حقوق ضبط وغضب کررہی ہے۔اس لیے یہ تنظیم عوام کو حکومت سے مسلح تصادم کے لیے تیار کررہی ہے۔

MILITAS.4

یہ تنظیمیں عوام کوخصوصی فوجی ٹریننگ مہیا کرکے حکومت سے ٹکراؤ کے لیے تیار کررہی ہے۔ان کے پاس اسلحے کے وسیع ذخائر موجود ہیں اوران کے خیال میں امریکہ بدستور خطرے میں ہے۔جس کی مسلح حفاظت ضروری ہے۔

CHRISTIAN IDENTITY.5(عیسائی تشخص)

یہ تنظیم عیسائی مذہب کے نام پر دہشت گردی کوضروری خیال کرتی ہیں ۔ان کے نظریات کے مطابق شمالی یورپ کے عیسائی اوران کی نسلیں بائبل کے ''چنیدہ لوگ'' ہیں اور یہودی شیطان کی ذریت ہیں' اس لیے مغرب کو شیطان اوراس کی ذریت سے بچنا ضروری ہے۔

BOSSE COMITATUS.6

ان لوگوں کے خیال میں امریکہ کا اقتصادی نظام یہودیوں کے کنٹرول میں ہے اور اسے آزاد کروانے کے لیے مسلح بغاوت کی ضرورت ہے۔

WISE USE.7

یہ لوگ ''کان کنی اور لکڑی کی تجارت'' کی کمپنیوں کے غنڈے ہیں۔ انکے خیال میں امریکہ کی حکومت نے ان پر ناجائز پابندیاں لگا رکھی ہیں جس کے تدارک کے لیے دہشت گردی ضروری ہے۔

ان سات مکاتب فکر (یا مکاتب دہشت گردی) سے تعلق رکھنے والی تنظیمیں وہ ہیں جو کہ کھلے عام کام کرتی ہیں' ان کے علاوہ زیر زمین، منشیات فروش، جرائم پسند اور دیگر زیر زمین تنظیموں میں سے چند ایک کا تعارف بھی پیش خدمت ہے۔

UNITED STATES MILTIA ASSOCIATION.1

یہ تنظیم خانہ جنگی کی تیاریوں میں مصروف ہے اس کا صدر دفتر FOOTIDAHO BLACK میں واقع ہے۔

ALMOST HEAVEN.2

یہ تنظیم صرف اس قانون کی پابند ہے، جو بائبل کے خلاف نہیں، یہ لوگ حکومت کے افسران پر غداری کے مقدمے چلا کر ان کو پھانسی دینے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

MILITIA OF MONTANA.3

یہ سب سے خطرناک گروہ ہے جو کتب، ٹیپ، ویڈیو اور ملٹری ٹریننگ کے ذرائع سے عوام کو خانہ جنگی کے لیے تیار کر رہا ہے۔

MICHIGAN MILITIA COROS.4

اس کا سربراہ ایک پادری ہے جو اسلحے کا بھی تاجر ہے۔ اس کی فوج ۱۲،۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ اسلحے کے وسیع ذخائر کی مالک اس تنظیم کے خیال میں اقوام متحدہ امریکہ کو بین

الاقوامی گورنمنٹ میں شامل کرنا چاہتی ہے۔

MARK KOERNKE.5

یہ گروہ عیسائیوں کے بین الاقوامی ریڈیو سٹیشن wwc پر ہفتے میں پانچ بار تشدد پسندی پرمبنی پروگرام نشر کرتا ہے۔

AMERICAN JUSTICE FEDERATION.6

اس کی سربراہ ایک خاتون وکیل ہے۔ یہ گروپ نیو ورلڈ آرڈر کے خلاف ہے جو اپنے ذاتی ریڈیو پر حکومت (اور نیو ورلڈ آرڈر) کے خلاف پروگرام نشر کرتا ہے۔

POLICEAGAINSTTHENEWWORLDORDER.7

اس گروپ کا سربراہ ایک سابق پولیس افسر ہے جو اپنے ذاتی ریڈیو پر حکومت (اور نیو ورلڈ آرڈر) کے خلاف پروگرام نشر کرتا ہے۔

GUARUDIANS OF AMERICAN LIBERTIES.8

یہ گروپ امریکن حکومت کی بدعنوانیوں سے تنگ آ کر خانہ جنگی میں مصروف ہے

TEXES CONSTITUTIONAL AL MILITIA.9

یہ گروپ حکومت کی بدعنوانیوں سے تنگ آ کر خانہ جنگی میں مصروف ہے

CITIZEN....GOVT.10

یہ گروپ 4bs یعنی بائبل، بندوق BEANS اور BANDAGES کے ذریعے امریکہ حکومت کے امریکن عیسائیوں پر حملہ کا دفاع کرنا چاہتا ہے۔ اسلحہ خرید کر سٹور کیا جارہا ہے۔

FLORIDA STATE MILITIA.11

یہ لوگ منشیات جرائم تشدد اور خون خرابے کو امریکن حکومت کی پالیسیاں سمجھتے ہیں، اور خانہ جنگی سے امریکن حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

BLUE RIDGBHUNT CLUB.12

یہ تنظیم حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کے لیے تیاری کر رہی ہے۔

CONSTITUTION DEFENCE MILITIA.13

یہ گروہ حکومت، اسلحہ پر پابندی اور اقوام متحدہ کو امریکن عوام کے مفادات کے خلاف سمجھتا ہے۔

یہ تو مختصر تذکرہ تھا ''عیسائی'' دہشت پسندی کا۔ اب ان کے پشت پناہوں کی بابت بھی کچھ ملاحظہ فرمائیں۔

CHENOWETH.1 یہ امریکن کانگرس کی ممبر خاتون ہیں ۔ دہشت گرد تنظیموں سے ہمدردی رکھتی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ تنظیمیں بے ضرر ہیں، اور ان کے خلاف حکومت کی کارروائی غلط ہوگی۔

COLORADO.2 کے ایک STATESENSTOR اپنی ریاست کے ایک تشدد پسند گروہ کے لیڈر ہیں۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو ۵۶ فیصد امریکن عوام ان دہشت گرد عیسائی تنظیموں کے حق میں ہیں گویا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ امریکن عوام کی اکثریت عیسائی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کی حامی ہے، چنانچہ امریکہ کو نمبر ایک دہشت گرد ملک قرار دے دینا چاہئے۔

(''ٹائمز'' ۸ مئی ۱۹۹۵ء)

دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آتا ہے
اپنی آنکھوں میں کچھ اندیشہ بائے شہتیر نہیں!

دنیا بھر میں امریکہ کی دہشت گردیاں اور مداخلت کاریاں!

امریکہ اپنے عالمی نظام کے قیام کے لئے جس انداز سے دنیا بھر میں دہشت گردی اور مداخلت کاری کا ارتکاب کرتا آیا ہے، اس کی ایک ہلکی سی جھلک مندرجہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

چین ۱۹۴۵ء

دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر امریکہ نے خانہ جنگی میں مداخلت کرتے ہوئے ماؤزے تنگ کے اشتراکیوں کے خلاف چیانگ کائی شیک کے قوم پرستوں کا ساتھ دیا حالانکہ جنگ کے دوران اشتراکی امریکہ کے نہایت قریبی حلیف تھے۔ ستم بالائے ستم امریکہ نے قوم شکست خوردہ جاپانی سپاہیوں کو بھی ساتھ ملا لیا شکست کے بعد ۱۹۴۹ء میں بہت سے قوم پرست سپاہیوں نے شمالی برما میں پناہ لے لی جہاں سی آئی اے نے انہیں ایک بار پھر اکٹھا کیا ان کے ساتھ ایشیاء کے مختلف مقامات سے رنگروٹوں کو بھرتی کیا اور بھاری تعداد میں اسلحہ اور جہاز فراہم کئے۔ ۵۰ء کی دہائی کے آغاز میں اس فوج نے چین کو بے شمار حملوں کا نشانہ بنایا، ایک وقت میں ہزاروں دستے سی آئی اے کی سربراہی میں کارروائیاں کر رہے تھے۔

فرانس ۱۹۴۷ء

جرمنوں سے اشتراک کر لینے والے فرانسیسیوں کے برخلاف اشتراکی پارٹی کے ارکان نے دوران جنگ لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ جنگ کے بعد اشتراکیوں نے قانونی راستہ اختیار کرتے ہوئے سیاسی میدان میں مقابلہ کرنے کے لیے مظبوط مزدور تنظیمیں قائم کیں مگر امریکہ نے انہیں تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے بعض تنظیمیں فرانسیسی فوجوں کو جو امریکہ کی مدد سے اپنی سابقہ نوآبادی ویتنام کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، ہتھیاروں کی فراہمی روکنے کے لیے اقدامات کر رہی تھیں۔

امریکہ نے اشتراکیوں کی سب سے بڑی مخالف سوشلسٹ پارٹی کو بڑی بڑی رقمیں فراہم کیں، کیمونسٹ پارٹی کی یونین کی برتری ختم کرنے کے لیے امریکن فیڈریشن آف لیبر کے ماہرین بھیجے گئے، اشتراکیوں کی ہڑتالوں کا توڑ کرنے کے لیے اٹلی سے افرادی قوت منگوائی گئی بدمعاش گروہوں کو اسلحہ اور پیسہ فراہم کیا گیا، جماعت کے دفاتر جلائے گئے، جماعت کے اراکین اور ہڑتال کرنے والوں کے ساتھ مار پیٹ کی گئی اور کئی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، نفسیاتی جنگ کے ماہرین پر مشتمل ٹیمیں بھیجیں گئیں جن کا کام ان تمام اقدامات کو عوام کے بہترین مفاد میں قرار دینا، ان پر واہ واہ کرنا اور ساتھ ساتھ امداد اور خوراک کی فراہمی روک دینے کی دھمکیاں دینا تھا۔ یہ سب کچھ کیمونسٹ پارٹی کی شہرت کو نقصان پہنچانے اور ان کی حمایت ختم کرنے کے لیے تھا جس میں انہیں حسب خواہش کامیابی حاصل ہوئی۔

ان خفیہ کارروائیوں پر خرچ ہونے والی رقم کا ایک حصہ مارشل پلان کے فنڈز سے آیا تھا جس نے ۱۹۴۵ء میں اٹلی کے انتخابات میں دھاندلی کے ذریعہ حسب منشا نتائج کے حصول کے لیے دل کھول کر مدد کی (اس بارے میں تفصیل آگے آئے گی) اور ایسی خفیہ کارروائیوں کے لیے ایک ایجنسی قائم کی جو بعد میں سی آئی اے میں مدغم ہو گئی۔ یہ مارشل پلان کے چند پوشیدہ ،،کارنامے،، ہیں جو کہ عرصہ دراز تک دنیا کے لیے امریکہ کی خیر خواہی اور بے

لوٹ خدمت کی سنہری مثال بنے رہے۔ یہی وہ وقت تھا جب امریکہ فرانسیسی حکومت پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ اپنے اشتراکی وزراء کو برخاست کر دے ورنہ اس کی اقتصادی امداد بند کر دی جائے گی۔ وزیراعظم پاؤل رامادائر نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''ہماری تھوڑی بہت آزادی بھی ہر قرضے کے ساتھ رخصت ہو رہی ہے۔''

مارشل آئی لینڈز ۱۹۴۶ء۔۵۸

سرد جنگ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے امریکہ نے درجنوں بین البراعظمی بیلسٹک میزائل اور ایٹم بموں کی تنصیب کے ساتھ ساتھ دیگر ایٹمی تجربات کے لیے ان جزائر کے رہائشیوں کو زبردستی یہاں سے نکال کر غیر آباد جزیروں میں رہائش پذیر ہونے پر مجبور کیا۔ سب سے زیادہ ظلم بکنی ایٹول کے رہائشیوں کے ساتھ ہوا۔ ۱۹۶۸ء میں جانسن انتظامیہ کی جانب سے بکینی کے سابقہ رہائشیوں کو بتایا گیا کہ ان کے جزیرہ کو صاف کر دیا گیا ہے اور اب وہ رہائش کے لیے محفوظ ہے۔ ان میں سے بہت سے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ بعد میں انہیں بتایا گیا کہ انہیں یہاں بھیجنے کا مقصد تابکاری اثرات کا اندازہ کرنا تھا۔ جب ان پر تجربہ مکمل ہو گیا تو انہیں دوبارہ یہ جگہ چھوڑ دینے کو کہا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں ایک بار پھر امریکی محکمہ داخلہ نے اعلان کیا کہ جزیرے کے باسی فوری طور پر واپس اپنے گھروں کو جا سکتے ہیں مگر اکیسویں صدی کے آخر تک اپنی زمین پر اگی ہوئی فصل نہیں کھا سکتے۔ پس ان میں سے کسی نے واپس جانے کا سوچا تک نہیں۔

اٹلی، ۱۹۴۷ء سے ۷۰ء کی دہائی تک

۱۹۴۷ء میں امریکہ نے اٹلی کی حکومت پر شدید دباؤ ڈالا کہ وہ کابینہ کے کیمونسٹ اور سوشلسٹ ارکان کو برخاست کر دے ورنہ اس کی اقتصادی امداد بند کر دی جائے گی۔ اس سے اگلے سال اور پھر اگلی کئی دہائیوں تک عام انتخابات میں کیمونسٹ اور سوشلسٹ جماعتوں کا اتحاد ہوتا یا پھر کیمونسٹ جماعت تنہا ہی امریکہ کی حمایت یافتہ عیسائی جمہوریت پسند جماعت کے لیے خطرہ بنتی رہی۔ سی آئی اے نے ہر (غلیظ) طریقہ اختیار کیا اور اٹلی کے عوام

پر سیاسی ،اقتصادی اور نفسیاتی جنگ کے تمام حربے استعمال کیے اور اس کے ساتھ ساتھ عیسائی جمہوریت پسند جماعت کے امیدواروں کو خفیہ طور پر دل کھول کر مالی امداد فراہم کی ۔جس نے انہیں کامیابی دلائی ۔ایک بار نہیں بار بار اس طریقہ پر عمل کیا گیا اور بار بار کامیابی حاصل کی گئی ۔جمہوریت کی روح کے منافی یہ تمام اقدامات اٹلی میں ،،جمہوریت کے تحفظ ،،کے نام پر کیئے گئے ۔کئی امریکی کارپوریشنوں نے بھی بائیں بازو کی جماعت کو اقتدار سے باہر رکھنے کے لیے لاکھوں ڈالرز کی امداد کے ذریعے اپنی حکومت سے بھرپور تعاون کا مظاہرہ کیا۔

یونان ۱۹۴۷ـ۴۹

امریکہ نے خانہ جنگی میں مداخلت کرتے ہوئے بائیں بازو کے خلاف فاشسٹوں کا ساتھ دیا۔حالانکہ بائیں بازو کے یونانی نازیوں کے خلاف نہایت جراتمندی سے لڑے تھے ۔فاشسٹوں کی کامیابی کے ساتھ ظالم حکومت برسر اقتدار آگئی جس کے لیے سی آئی اے نے داخلی سلامتی کی تنظیم قائم کی ۔اگلے پندرہ برس تک یونان امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والا ملک بنا رہا۔

فلپائن ۱۹۴۵ـ۵۳ء

امریکہ نے بائیں بازو کی فوجوں کے خلاف اس وقت لڑائی شروع کی جبکہ ابھی وہ جنگ عظیم میں جاپانی حملہ آوروں کے خلاف برسر پیکار تھیں۔ جنگ کے بعد امریکہ نے فلپائن کی مسلح افواج کو ہکس کے خلاف لڑائی جاری رکھنے کے لیے منظم کیا اور بالآخر انہیں شکست دے کر ان کی اصلاحی تحریک کو کچل دیا۔سی آئی اے نے عام انتخابات میں مداخلت کرتے ہوئے صدارتی امیدواروں کے لیے کٹھ پتلیوں کی وسیع قطار کھڑی کر دی جن میں سے فرڈینینڈ مارکوس کے نام قرعہ نکلا اور اس کے نتیجہ میں وہ طویل آمرانہ حکومت قائم ہوئی جس کا طرہ امتیاز تشدد تھا۔

کوریا ۱۹۴۵۔۵۳ء

جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ نے دوران جنگ اپنی حلیف ترقی پسند عوامی تنظیموں کو بزور طاقت دباتے ہوئے ان خلاف ان قدامت پرستوں کا ساتھ دیا جو جاپانیوں کے معاون رہے تھے۔ نتیجاً شمالی اور جنوبی کوریا کو یکجا کرنے کے بہترین مواقع ضائع کر دیئے گئے۔ اس کے بعد جنوب میں بدیانت، رجعت پسند اور سنگدل حکومتوں کا دور شروع ہوا اور ۱۹۵۰۔۵۳ء کے دوران کوریائی جنگ میں بڑے پیمانے پر امریکی فوج کی مداخلت اور جنگی جرائم کا سلسلہ عمل میں آیا۔ شمالی کوریا کے جنوبی کوریا پر حملے کو تو محض بہانہ بنایا گیا تھا حلانکہ امریکی فوجوں نے یہاں جو کچھ کیا اس کا اس سارے معاملہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا جبکہ دنیا پر یہ ظاہر کیا جاتا رہا کہ مظلوم کی مدد کی جارہی ہے۔

۱۹۹۹ء میں یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ جنگ شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد امریکی سپاہیوں نے مشین گنوں سے فائرنگ کر کے سینکڑوں نہتے، بے گناہ اور بے یار و مدد گار شہریوں کو بلاوجہ ماڑ ڈالا۔ ایسے ہی بے شمار واقعات میں سے کچھ میں سینکڑوں معصوم شہری اس وقت مارے گئے۔ جب امریکہ نے قصداً وہ پل نذر آتش کر دیئے جن پر سے وہ گزر رہے تھے۔

البانیہ ۱۹۴۹۔۵۳ء

امریکہ اور برطانیہ نے البانیہ میں کیمونسٹ حکومت کا تختہ الٹ کر مغرب کی حامی حکومت کا قیام عمل میں لانے کے لیے بڑی تعداد میں غیر ملکی گوریلے ملک میں داخل کر دیئے حالانکہ یہاں اکثریت شاہ پرست، اٹلی کے فاشسٹ اور نازیوں کی مددگار تھی۔ سینکڑوں غیر ملکی گوریلے یا تو ہلاک ہو گئے یا پھر جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔

مشرقی یورپ ۱۹۴۸۔۵۶ء

سی آئی اے کے سربراہ ،،ایلن ڈیولس،، نے شطرنج کی ایک شاندار چال چلتے ہوئے پولینڈ کے ایک اعلیٰ افسر دفاع ''جوزف سوئیلو'' کو اُکسایا کہ وہ متنازعہ امریکی ''نوئیل

فیلڈ'' کو استعمال کرتے ہوئے مشرقی یورپ میں قومی سلامتی کی انتظامیہ کے اہلکاروں میں شدید احساس برتری، خود کو بہت کچھ سمجھنے کا جنون پیدا کر دے۔ اس کے نتیجہ میں بریت کے لیے بے شمار مقدمے ہوئے، ہزاروں گرفتاریاں اور قیود عمل میں آئیں اور کم از کم سینکڑوں افراد ہلاک ہوئے۔

جرمنی ۵۰ء کی دہائی

سی آئی اے نے مشرقی جرمنی میں وسیع پیمانے پر توڑ پھوڑ، دہشت گردی، اور آخری حد تک غلیظ کارروائیوں کا بازار گرم کرنے کے ساتھ ساتھ نفسیاتی جنگ کے ہر ممکن حربے آزمائے۔ ۱۹۶۱ء میں دیوار برلن کی تعمیر کی بہت سی وجوہات میں سے یہ ایک نہایت اہم سبب تھا۔

امریکہ نے جرمنی میں ایک خفیہ شہری فوج بھی تشکیل دی جس نے ان ۱۲۰۰ اہم سماجی جمہوریت پسندوں، ۱۵ اشتراکیوں اور بے شمار دیگر اہم افراد پر مشتمل ایک فہرست تیار کی جنہیں سوویت حملے کی صورت میں ''راستے سے ہٹانا'' تھا۔

اس خفیہ فوج کی طرح کی کئی تنظیمیں پورے یورپ میں موجود تھیں جو کہ ''آپریشن گلیڈیو'' سی آئی اے اور دیگر خفیہ اداروں کا تیار کردہ تھا جو کہ اپنی کارروائیوں کے بارے میں کسی ریاست کے قانون کے سامنے جوابدہ نہیں تھا۔ ۱۹۴۹ء میں نیٹو کے قیام کے بعد یہ اس کے زیر اثر آ گیا۔ ''گلیڈ یٹرز'' نے یورپ میں دہشت گردی کی بے شمار کارروائیاں کی جن میں سے ایک اہم بولوگنہ ریلوے سٹیشن پر بم دھماکہ کی کارروائی تھی جس میں ۸۶ افراد ہلاک ہوئے۔ دہشت گردی کی ان کارروائیوں کا مقصد یہ تھا کہ ان کا الزام بائیں بازو کی جماعت پر، دھر کے سوویت جارحیت کے خلاف عوامی اشتعال میں اضافہ کیا جائے اور اس کے ذریعے بائیں بازو کے انتخابی امیدواروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ نیٹو کو یہ خوف تھا کہ اگر اس کے کسی رُکن ملک میں بائیں بازو کی حکومت قائم ہو گئی تو وہ ایسی قانون سازی کر سکتی ہے جو اس کے ملک میں نیٹو کے اڈوں اور کارروائیوں کے لیے خطرہ ثابت ہو گی۔

ایران ۱۹۵۳ء

امریکہ اور برطانیہ کی مشترکہ کارروائی کے نتیجہ میں وزیر اعظم مصدق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ مصدق پارلیمنٹ میں بھاری اکثریت کے نتیجہ میں وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز ہوا تھا مگر بد قسمتی سے اس سے ایک ایسی غلطی ہوگئی جو اس کی حکومت کے خاتمے کا باعث بنی وہ غلطی یہ تھی کہ اس نے ایران میں کام کرنے والی ایک برطانوی ملکیتی تیل کمپنی کو قومیانے کی تحریک شروع کر دی تھی۔ مصدق حکومت کے خلاف انقلاب کے نتیجہ میں شاہ کو دوبارہ مکمل اختیارات سونپ دیئے گئے اور جبر و تشدد کے ۲۵ سالہ دور کا آغاز ہو گیا جبکہ تیل کی صنعت دوبارہ غیر ملکی ملکیت میں دے دی گئی جس میں سے برطانیہ اور امریکہ ہر ایک نے ۴۰ فیصد حصہ حاصل کیا۔

گوئٹے مالا ۱۹۵۳ء سے ۹۰ کی دہائی تک

مزاح نگار ڈیو بیری نے موثر نظریہ کو مندرجہ ذیل تین سادہ سے نکات میں سمیٹ دیا ہے:

ا۔ اس کرہ ارض پر دوسری قوموں کو کسی قوم کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۲۔ مگر ہمیں ہے۔

۳۔ ہاہاہا!!

جیک آربنیز کی جمہوری بنیادوں پر منتخب ترقی پسند حکومت کا تختہ 'سی آئی اے کے منظم شدہ انقلاب کے ذریعہ الٹا اور اس کے بعد ۴۰ سال پر مشتمل فوجی دور حکومت کا آغاز ہوا۔ قاتل ٹولے کے برسر اقتدار آتے ہی تشدد' اغوا' پھانسیوں اور نا قابل تصور ظلم و ستم کا بازار گرم ہو گیا جس میں ۲۰۰،۰۰۰ سے زائد افراد متاثر ہوئے۔ بغیر کسی اختلاف کے اسے بیسیوی صدی کا غیر انسانی دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ کئی سالوں بعد اس فوجی انقلاب کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ گوئٹے مالا سوویت یونین کے قبضہ میں جانے والا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ روسیوں کو اس ملک میں اتنی دلچسپی بھی نہیں تھی کہ اس کے ساتھ سفارتی تعلقات ہی رکھتے۔

اصل مسئلہ یہ تھا کہ آربینز نے امریکہ کی ایک فرم یونائیٹڈ فروٹ کمپنی جس کے امریکی ایوان اقتدار میں نہایت قریبی تعلقات تھے کی غیر کاشت شدہ اراضی حکومتی تحویل میں لے لی تھی ۔مزید برآں امریکہ کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں گوئٹے مالا کی سماجی جمہوریت کی طرز کی حکومت لاطینی امریکہ کے دیگر ممالک میں بھی نہ پھیل جائے۔

۱۹۹۶ء میں حکومت اور باغیوں کے درمیان ہونے والے ''امن'' معاہدہ کے باوجود گوئٹے مالا میں انسانی حقوق کے احترام کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے ۔ یونین کے اراکین اور دیگر مخالفین کی ہلاکتوں کا سلسلہ مستقل طور پر جاری ہے' تشدد کی کارروائیاں دن بدن شدت اختیار کرتی جارہی ہیں' نچلا طبقہ آج بھی ہمیشہ کی طرح پس رہا ہے' فوج کو آج بھی ایک بھیانک ادارہ کی حیثیت حاصل ہے' امریکہ مستقل طور پر گوئٹے مالا کی فوج کو مسلح کرنے اور تربیت دینے میں مصروف ہے اس کے ساتھ ساتھ فوجی مشقیں بھی جاری ہیں اور اس ''امن معاہدہ'' کی بنیادی شرط یعنی فوجی اصلاحات اب تک نہیں کی گئیں۔

کوسٹاریکا' ۵۰ء کی دہائی کا وسط اور ۷۱۔۱۹۷۰ء

آزاد خیال امریکی سیاسی رہنماوں کے نزدیک صدر جوز فگیورز ایک ہمہ صفت ''آزاد خیال جمہوریت پسند'' تھا۔ اس کا سیاستدانوں کی اس قسم سے تعلق تھا جنہیں نہ صرف یہ کہ امریکہ خود پسند کرتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ دُنیا بھی انہیں پسند کرے۔ سیاستدانوں کی یہ قسم فوجی آمروں سے بھی زیادہ امریکی خارجہ پالیسی کی فطری مقلد ہوتی ہے۔ اس کے باوجود امریکہ نے فگیورز کا ۵۰ء کی دہائی میں اور غالباً ۷۰ء کی میں بھی جب وہ دوسری بار صدر بنا تھا تختہ اُلٹنے کی اور دوبار اسکو خفیہ طور پر قتل کرانے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ ایک تو یہ کہ فگیورز بائیں بازو کے لیے سخت ثابت نہیں ہوا اسکے دور میں کوسٹاریکا' سوویت یونین اور مشرقی یورپ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے والا وسطی امریکہ کا پہلا ملک بن گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ مختلف مواقع پر امریکی خارجہ پالیسی پر کھلے عام اعتراضات کرنے لگا تھا جیسے کہ جنگلی سور بھونکتے ہیں

مشرقِ وسطی ۵۸۔۱۹۵۶ء

آئزن ہاور نظریہ کے مطابق ''اگر مشرق وسطی کا کوئی ملک کسی ایسے ملک کی مسلح

جارحیت کے خلاف جو بین الاقوامی اشتراکیت کے زیر اثر ہوا امریکہ سے مدد کی درخواست کرتا ہے تو امریکہ اسے مسلح فوجی امداد فراہم کرنے کیلئے تیار ہے'' آسان الفاظ میں اسے یوں کہہ لیجئے کہ امریکہ کے سوا کسی کو برتری کی یا مشرقی وسطی اور اس کے تیل کے ذخائر کی طرف دیکھنے کی بھی یا اس پر اثر انداز ہونے کی قطعی اجازت نہیں دی جائے گی اور اگر کسی نے ایسے کرنے کوشش کی تو اسے ''اشتراکی'' قرار دیا جائے گا۔ اس پالیسی کے عین مطابق امریکہ نے دوبار شام کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی' اردن اور لبنان میں امریکہ کی حمایت یافتہ حکومتوں کے خلاف اٹھنے والی تحریک کو کچلنے اور انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے بحیرہ روم میں طاقت کے کئی مظاہرے کیے لبنان میں ۱۴ ہزار فوجی دستے اتارے اور مصر کے صدر ناصر کی حکومت کا تختہ الٹنے اور ان کے خفیہ قتل کی سازش تیار کی گئیں کیونکہ ان کی عرب قوم پرستی امریکہ کے لیے مصیبت بن گئی۔

انڈونیشیا ۱۹۵۷ـ۵۸ء

صدر ناصر کی طرح سوئیکارنو بھی تیسری دنیا کے رہنماؤں کی اس قسم سے تعلق رکھتا تھا جو امریکہ کے لیے کسی طور قابل برداشت نہیں۔ ایک قوم پرست جو سرد جنگ کے دوران نہایت سنجیدگی سے غیر جانبدارانہ پالیسی پر عمل پیرا رہا۔ جس نے امریکہ کے ساتھ ساتھ چین اور سوویت یونین کے دورے بھی کیئے جس نے ایک سابقہ نوآبادیاتی طاقت ہالینڈ کی کئی نجی ملکتیں قومیالیں اور انڈونیشیا کی کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کرنے سے صاف انکار کر دیا جو قانونی دائرہ میں اپنے امور سرانجام دے رہی تھی اور انتخابی حلقوں میں قابل قدر حیثیت کی حامل تھی۔ سوئیکارنو کی یہ پالیسیاں امریکہ کے لیے شدید خطرہ کا باعث بن رہی تھیں کیونکہ یہ تیسری دنیا کے دیگر ممالک کو بھی ''غلط راہ'' پر ڈال سکتی تھیں یہی وجہ ہے اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے سی آئی اے نے انتخابات میں حسب منشاء نتائج کے لیے پیسہ پانی کی طرح بہانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سوئیکارنو کے خفیہ قتل کی سازشیں تیار کی گئیں' اسے جعلی فلم کے ذریعہ بلیک میل کرنے کی کوشش کی گئی اور حکومت کے خلاف پوری قوت کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے مخالف فوجی افسران کو ساتھ ملایا گیا اس میں امریکی

پائلٹوں کی طرف سے ہونے والی بمباری بھی شامل تھی مگر سوئیکارنو ان سب سے محفوظ رہا۔

ہیٹی ۱۹۵۹ء

ہیٹی کے بدنام زمانہ آمر فرینکوئس ڈویلئیر کے فوجی دستوں کی تربیت پر مامور امریکی فوجی مشن نے کیوبا اور دیگر لاطینی امریکیوں کے حمایت یافتہ ہیٹی کے چھوٹے سے گروپ کی جانب سے ڈویلئیر حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے اپنی فضائی، بحری اور بری طاقت کا بھرپور استعمال کیا۔

مغربی یورپ ۵۰ء سے ۶۰ کی دہائی

دو دہائیوں تک سی آئی اے نے امریکی فلاحی تنظیموں، خیراتی اداروں اور اسی طرح کے دیگر اداروں کے ذریعہ جن میں کچھ سی آئی اے کے اپنے منظم کردہ تھے پورے مغربی یورپ کی تنظیموں کو خفیہ طور پر رقم کی فراہمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس خفیہ امداد سے فائدہ اُٹھانے والی سیاسی جماعتیں، جرائد، خبر رساں ادارے، صحافی، مختلف النوع یونین، مزدور تنظیمیں، طلباء، نوجوانوں کی تنظیمیں، وکلاء ایسوسی ایشنز اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ادارے بظاہر آزاد تھے مگر حقیقت میں وہ امریکہ کے خدمت گار تھے جو سرد جنگ کے دوران اپنی اپنی سطح پر امریکہ کے اشتراکیت مخالف ایجنڈا پر نہ صرف عمل پیرا تھے بلکہ اس کے فروغ کے لیے نہایت تندہی سے مصروف عمل تھے۔ ایک ایسا ایجنڈا جس نے فوج کے زیر اثر اور متحدہ مغربی یورپ کو بھی شامل کو لیا تھا۔ پھر مغربی یورپ صرف امریکہ حلیف ہی نہیں بنا بلکہ اس کے زیر اثر آ گیا اور فرضی سوویت خطرے سے نمٹنے کے لیے مشترکہ منڈی اور نیٹو کو پناہ گاہ تسلیم کرتے ہوئے ان کی حمایت شروع کر دی۔

برطانوی ریگانا ۱۹۵۳-۵۴ء

امریکہ اور برطانیہ نے مل کر جمہوری طور پر منتخب رہنما چیڈی جگن کی زندگی اس حد تک اجیران کر دی کہ بالآخر اسے اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا۔ (تفصیلات کے لیے انتخابات والا باب ملاحظہ فرمائیے) جگن کا شمار بھی تیسری دُنیا کے ان رہنماؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے خود مختار اور غیر جانبدار رہنے کی پالیسی اپنا کر امریکہ کے لیے مستقل طور پر پریشانی اور خطرہ

کی صورتحال پیدا کر دی تھی۔ اس نے امریکہ کے غضب کو للکارنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ وہ بائیں بازو سے تعلق رکھتا تھا اور سوئیکارنو اور آرینیز سے بھی زیادہ نظریات کا مالک تھا مگر اس کی حکومتی پالیسیاں انقلابی نہیں تھیں۔ اس کے باوجود امریکہ کے لیے مستقل خطرہ تھا' ایک ایسا ہدف جو مستقبل میں خطرناک صورتحال پیدا کر سکتا تھا۔ وہ سامراجیت کے مقابلہ میں ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کر رہا تھا جو آنے والے وقت میں بہترین اور کامیاب ترین نظام ثابت ہو سکتا تھا اور حقیقتاً سامراجیت کے مقابلہ میں اس کے تشکیل کردہ نظام معاشرت کو ترجیح دی جاتی یہی وجہ ہے کہ جان ایف کینڈی نے بذات خود اس کی حکومت کے خاتمہ کا حکم دیا اس سے قبل صدر آئزن ہاور نے بھی ایسا ہی حکم صادر کیا تھا۔

گھیانا جوجگن کے دور میں اس علاقہ کے خوشحال ممالک میں سے ایک تھا۔ ۸۰ء کی دہائی تک غریب ترین ممالک کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور اس کی سب سے بڑی برآمد اس کے شہری بن گئے تھے۔

سوویت یونین ۴۰ء سے ۶۰ء کی دہائی

امریکہ نے بے شمار جلاوطن روسیوں کو ان مقاصد کے لیے سوویت یونین میں داخل کیا کہ وہ فوجی اور تکنیکی اڈوں کے بارے میں خفیہ معلومات اکٹھی کریں' خفیہ قتل کریں' شناختی دستاویزات کے جدید نمونے حاصل کریں' مغربی جاسوسوں کو بحفاظت نکالنے میں مددگار ثابت ہوں' دہشت گردی اور انتشار پھیلائیں مثال کے طور پر ریل گاڑیوں کو پٹریوں سے اتارنا' پل اڑانا' اسلحہ فیکٹریوں اور بجلی کے پلانٹ پر حملے وغیرہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اشتراکی حکومت کے خلاف مزاحمتی تحریک کی صورت میں مسلح سیاسی جدوجہد شروع کریں۔ اس سلسلہ میں سی آئی اے کی سوویت یونین کے خلاف پراپیگنڈہ مہم بھی پورے جوش وخروش سے جاری تھی۔ انگریزی میں معروف مصنفین سے سوویت یونین کے خلاف ہزاروں کتابیں لکھوا کر نہ صرف شائع کی گئیں بلکہ سینکڑوں غیر ملکی زبانوں میں ان کے تراجم کرا کے دنیا بھر میں تقسیم کی گئیں۔

ویتنام ۱۹۴۵ء-۷۳ء

ڈک گریگری کے الفاظ میں ''ہم ویتنام کیا کر رہے ہیں؟ پہلے کو ختم کرنے کے لیے سیاہ فام کو استعمال کر رہے ہیں تا کہ سفید فام اس زمین پر قابض رہ سکے جو سرخ سے حاصل کی تھی۔''

اس اکھاڑ پچھاڑ کا آغاز اس وقت ہوا جب امریکہ نے فرانس کا ساتھ دیا جو کہ سابقہ نو آبادکار جاپانیوں کا مددگار اور ہوچی منہ اور اس کے ساتھیوں کا بہت بڑا مخالف تھا۔ جنہوں نے جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیتے ہوئے امریکہ کے ہر اقدام کی حمایت کی تھی۔ مگر بہر حال ہوچی منہ کسی حد تک ''اشتراکی'' تھا۔ (ان میں سے ایک جو آپ کے لیے خطرہ تھے) اس نے صدر ٹرومین اور محکمہ خارجہ کو بے شمار خطوط لکھے جن میں ویتنام کو فرانس سے آزاد کرانے اور ملک کے لیے پرامن حل تلاش کرنے کے لیے امریکی امداد کی درخواست کی گئی تھی۔ مگر امریکہ نے اس کی التجاؤں کو درخود اعتناء نہ سمجھا۔ کیونکہ بہر حال وہ کسی حد تک ''اشتراکی'' تھا۔ ہوچی منہ نے امریکہ کے سامنے ویتنام کی آزادی کا نیا اعلامیہ پیش کر دیا جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا کہ ''سب انسان برابری کی بنیاد پر پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کے خالق نے انہیں ایک برابر حقوق دیئے ہیں ......'' مگر امریکہ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ بہر حال ہوچی منہ کسی حد تک ''اشتراکی'' تھا۔

بیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد اور دس لاکھ سے زائد ہلاکتیں ہو جانے کے بعد امریکہ کو ویتنام سے اپنی فوجیں نکالنی پڑیں۔ عام خیال یہ ہے کہ امریکہ کو اس جنگ میں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا مگر ویتنام کو مکمل طور پر تباہ کر کے اس کی زمین کی تہوں اور پانی میں زہر بھر کر اس کی نسلیں برباد کر کے امریکہ نے اپنا بنیادی مقصد حاصل کر لیا تھا وہ ایشیاء کی ترقی کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ بہر حال ہوچی منہ کسی حد تک ''اشتراکی'' تھا۔

کمبوڈیا ۱۹۵۵ء۔۷۳

پرنس سہانوک کا شمار بھی ان رہنماؤں میں ہوتا ہے جو کسی طور امریکہ کے لیے قابل قبول نہیں ہوتے۔ اس کی حکومت کے خلاف کئی سالوں پر محیط زیادتیوں کے بعد جن میں اس کے خفیہ قتل کے منصوبے اور ۱۹۶۹ء۔۷۰ کے دوران ہونے والی بدنام زمانہ نکسن رکسنجر

خفیہ کارپٹ بمباری جیسی کارروائیاں شامل تھی بالآخر ۱۹۷۰ء میں ایک انقلاب کے ذریعے امریکہ سہانوک حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سارا کھیل پالیوٹ اوراس کی خمیر روج کے لیے راہیں ہموار کرنے کے لیے کھیلا گیا تھا۔ آخرکار پانچ سال بعدوہ برسر اقتدار آگئے مگراس عرصہ میں امریکی بمباری سے کمبوڈیا کی معیشت بری طرح سے تباہ ہو چکی تھی۔ پرانا کمبوڈیا ہمیشہ کے لیے برباد ہوکے رہ گیا تھا۔

اس بدقسمت ملک کے لیے خمیر روج بہت بڑا عذاب ثابت ہوئی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ پالیوٹ اورخمیر روج کی ویتنامیوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کے بعد امریکہ نے ان کی مکمل حمایت اور ہر طرح سے امداد کی۔

لاؤس ۱۹۵۷ـ۷۳ء

لاؤس کی بائیں بازو کی جماعت نے ''پلتھیٹ لاؤ'' کی سربراہی میں ملک میں پرامن طریقے سے معاشرتی تبدیلی لانے کی سعی کرتے ہوئے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کے بعد مختلف جماعتوں کے اتحاد سے حکومت قائم کی۔ مگر امریکہ کواس سارے عمل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی تبھی تو سی آئی اے اور محکمہ خارجہ نے طاقت کے استعمال' رشوت اور مختلف النوع دباؤ کے ذریعہ ۱۹۵۸، ۱۹۵۹اور ۱۹۶۰ء میں انقلاب ترتیب دیئے۔ ایسے میں پلتھیٹ لاؤ پاس مسلح طاقت کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سی آئی اے نے اپنی مشہور فوج کلینڈ سٹائن'' منظم کی جس میں تیئں ہزار ایشیائی لڑائی میں حصہ لینے کے لیے اکٹھے کئے گئے تھے جبکہ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء کے دوران امریکی فضایہ نے لاؤس کے بے یارو مددگار شہریوں پر بیس لاکھ ٹن بم برسائے۔ لاؤس کے شہریوں کی اکثریت آسمان سے نازل ہونے والے اس عذاب سے بچنے کے لیے سالہا سال تک غاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی۔ ویتنام کے واقعات کو روشنی میں جب پلتھیٹ لاؤ نے ملک کا نظم ونسق سنبھالا تو لاکھوں ہلاکتیں اوراس سے زیادہ لوگ معذور ہو چکے تھے جبکہ بمباری سے متاثرہ بے شمار دیہاتوں کے صرف آثار ہی رہ گئے تھے۔

عراق ۱۹۵۸ـ ۶۳ء

جولائی ۱۹۵۸ء میں جنرل عبدالکریم قاسم نے بادشاہت کا تختہ اُلٹ کے عوامی حکومت قائم کر دی۔ گو کہ وہ اصلاحات کا حامی تھا مگر کسی لحاظ سے بھی انتہا پسند نہیں تھا۔ البتہ اس کے اقدامات نے عوام الناس میں انقلابی جوش و خروش پیدا کر دیا اور عراقی کمیونسٹ پارٹی کا زور بے حد بڑھ گیا۔ اسی سال اپریل میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر ایلین ڈیوس نے کانگریس کے سامنے حسب عادت بات کو بڑھا چڑھا کے بیان کرتے ہوئے کہا ''عراق کے اشتراکی بعث مکمل طور پر حکومت پر قابض ہونے ہی والے ہیں اور اس وقت عراق دُنیا بھر میں سب سے زیادہ خطرناک صورتحال سے دوچار ہے۔'' جبکہ حقیقت یہ تھی کہ قاسم سرد جنگ کے دوران غیر جانبدارانہ کردار ادا کر رہا تھا اور اشتراکیت مخالف پالیسیوں کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ انہیں نہ تو اس نے اپنی کابینہ میں نمائندگی دی تھی، نہ ہی مکمل قانونی حیثیت حالانکہ وہ ان دونوں اقدامات کے شدت سے خواہشمند تھے۔ وہ اشتراکیوں کو علیحدہ رکھتے ہوئے دیگر نظریاتی گروہوں کی مدد سے اقتدار کو قائم رکھے ہوئے تھا۔

۱۹۵۸ء کے انقلاب کے فوری بعد امریکہ کے جوائنٹ چیفس آف سٹاف نے امریکہ اور ترکی کے مشترکہ حملے کا ایک خفیہ منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے سوویت یونین کی جانب سے عراق کی حمایت کی دھمکی نے امریکہ کو اس منصوبہ پر عملدرآمد نہیں کرنے دیا۔ مگر دوسری چال چلتے ہوئے ۱۹۶۰ء میں امریکہ نے کرد گوریلوں کی مالی امداد شروع کر دی جو اختیارات کے حصول کی لڑائی میں مصروف تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ سی آئی اے نے قاسم کے خفیہ قتل کی کوشش بھی کی جو ناکام رہی۔

عراقی رہنما نے اس وقت تو خود کو بالکل ہی توپ کے دہانے پر بٹھا دیا جب اسی سال اس نے تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم (اوپیک) کی تشکیل میں مدد کی۔ یہ وہ تنظیم تھی جس نے عربوں کے تیل پر چلنے والی مغربی تیل کمپنیوں کی اجارہ داری کو چیلنج کیا تھا اور ۱۹۶۲ء میں تو قاسم نے قومی تیل سے استفادہ کرنے کے لیے قومی تیل کمپنی قائم کر کے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

فروری ۱۹۶۳ء میں قاسم نے فرانسیسی اخبار "لی مونڈے" کو بتلایا کہ امریکہ نے مجھے خاصے کھلے الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو عراق کے خلاف پابندیاں عائد کر دی جائیں گی ...... دراصل سامراجیوں (امریکہ اور برطانیہ) کے ساتھ ہماری مشکلات کا آغاز اسی روز سے ہو گیا تھا جب ہم نے کویت پر اپنے قانونی حق کا دعوی کیا تھا۔" (مشرقِ وسطی کے تیل کی دولت پر قابض ہونے کی امریکی و برطانوی خواہش کے سلسلہ میں کویت کو بنیادی حثیت حاصل تھی) قاسم کے اس بیان کے شائع ہونے کے محض چند دن بعد ایک انقلاب کے ذریعہ اس کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور نہایت مختصر کارروائی کے بعد اسے پھانسی دے دی گئی جبکہ ہزاروں کی تعداد میں اشتراکی ہلاک کر دیئے گئے۔ اس کارروائی کے فوری بعد وزرات خارجہ نے پریس کو بتایا کہ

"یہ نہایت خوش آئند بات ہے کہ نئی حکومت بین الاقوامی معاہدوں کی تعظیم کرے گی اور وہ عراق کے سب سے بڑی تیل کی کمپنی کو جس کا ایک بڑا حصہ امریکہ کی ملکیت ہے قومیانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔"

اس نئی حکومت نے کم از کم اس وقت تو کویت پر اپنے دعوے کے حوالے سے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ بعد ازاں برطانوی کابینہ کی ۱۹۶۳ء کی دستاویز کے ذریعہ انکشافات ہوئے کہ اس انقلاب کے پیچھے برطانیہ اور سی آئی اے تھے۔ (بشکریہ "روگ سٹیٹ" از ولیم بیلم)

یہ تو گزشتہ حقائق تھے جبکہ حال ہی میں امریکہ نے صدام حکومت کے خاتمہ کے لئے جو جنگی اقدام کیا، اس کی سنگینی اور وحشت نے امریکہ کی گزشتہ مکاریوں کو بھی مات کر دیا!

اس کے علاوہ بھی بے شمار ممالک میں امریکہ نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے ہمیشہ دہشت گردی کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ "دنیا کا شائد ہی کوئی ملک ہوگا جہاں امریکہ نے مداخلت نہ کی ہو"!! مزید تفصیل کے لئے دیکھئے امریکی صحافی "ولیم بیلم" کی کتاب "روگ سٹیٹ" جس کا اردو ترجمہ بھی "بدمعاش امریکہ" کے نام سے دستیاب ہے۔

باب 8

خدا کی مغضوب ترین قوم۔۔۔یہودی!

- دنیا پر قبضہ کے یہودی عزائم
- (یہودی پروٹوکولز کی روشنی میں)
- دنیا پر حکومت کے صہیونی عزائم
- فلسطین اور دہشت گرد یہودی!
- یہودیوں کا انجام۔۔۔ایک نبویؐ پیش گوئی!



دنیا پر قبضہ کے یہودی عزائم
(یہودی پروٹوکولز کی روشنی میں)

1918ء میں یہودیوں کی ایک سازش پکڑی گئی جس کے انکشاف پر پورے یورپ میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہ خفیہ دستاویزات Protocols of the Elders of Zions کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان میں یہود کے وہ منصوبے درج ہیں جو انہوں نے دنیا کو اپنا غلام بنانے کے سلسلہ میں تیار کر رکھے ہیں۔ سازش اس طرح پکڑی گئی کہ ان پروٹوکولز کی ایک کاپی یہود کی خفیہ تنظیم 'فری میسن' کی ایک اعلیٰ عہدہ دار خاتون کے گھر سے چوری ہوگئی، جو کسی طرح سے 1902ء میں دو روسی اخباروں نے شائع کردی۔ روسی پادری پروفیسر ساجائی، اے، نائلس نیاس کے دنیائے عیسائیت کے خلاف ایک عظیم سازش کو محسوس کیا اور اسے جذبۂ خدمت مذہب و انسانیت کے تحت 1905ء میں کتابی صورت میں شائع کردیا۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ اس کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سالہا سال سے یورپ بھر میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کا کسی نہ کسی طرح سے یہودیوں کے ساتھ رشتہ جُڑ رہا ہوتا اور انہی کے مفادات کو تقویت پہنچ رہی تھی۔

سازش طشت از بام ہو جائے یا ناکام ہو جائے، اس سے جان چھڑانے اور اس کے وجود سے انکار کیے بغیر کوئی راستہ نہیں ہوتا، چنانچہ یہود نے ان سے مسلسل اظہار لاتعلقی کیا۔ عالمی انصاف کو پکار پکار کر اپنی ''بے گناہی'' کا یقین دلایا لیکن شواہد کی جو کڑیاں یکے بعد دیگرے آپس میں ملتی رہیں، ممتاز شخصیات کے پراسرار قتل و اغوا کے جو واقعات منظر عام پر آتے رہے، وہ ان پروٹوکولز کے مقاصد سے اتنی گہری مناسبت رکھتے تھے کہ یہودیوں کی کذب بیانی کا پردہ مسلسل چاک ہوتا رہا۔

بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک بھی کہا کہ ''اگر بالفرض پروٹوکولز کی یہ ڈائری جعلی ہے تو بھی یہودیوں کے دماغ کو ٹھیک طور پر پڑھ کر بنائی گئی ہے کیونکہ اس میں کہی گئی ایک ایک بات درست ثابت ہو رہی ہے!!''

آئندہ سطور میں انہی پروٹوکولز میں سے چند ایک کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ خلاصہ روسی صحافی ''وکٹر ای مارسڈن'' کے انگریزی ترجمہ سے ماخوذ ہے۔

پروٹوکول: (1)

دنیا میں طاقت اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے کئی تصورات کے تحت کام ہو رہا ہے ۔تاہم اس ضمن میں ہمارے (یعنی ہم یہودیوں کے تصورات) غیر یہودی اقوام کے تصورات سے مختلف اور منفرد ہیں ۔ہم طاقت کو حق یا غلبہ کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں ۔اس لئے ہمارے نزدیک حق طاقت کے اندر ہی پوشیدہ ہے۔ بنابریں ان پروٹوکولز (دستاویزات) میں ہم مروجہ تصورات کے عمومی معنوں سے ہٹ کر اپنے مقاصد کے تحت ان کے معنی متعین کریں گے۔

اقتدار، حق اور طاقت!

یہ امر نوٹ کیا جانا چاہئے کہ دنیا میں اچھے لوگوں کی بہ نسبت برے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لئے ان پر کامیاب حکمرانی جبر وتشدد اور دہشت گردی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ علمی بحث مباحثوں سے نہیں ۔ ہر شخص اقتدار اور قوت حاصل کرنے کا متمنی ہے اور اسے حاصل کرنے کے بعد ڈکٹیٹر بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد واقعی بہت کم ہے جو سب کے اجتماعی مفادات کو اپنے ذاتی مفادات پر قربان کرنے کے لئے رضامند نہ ہوں۔

سیاسی آزادی!

سیاسی آزادی محض ایک تصور کا نام ہے، اس میں کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے، ہمیں اس تصور کو بوقت اشد ضرورت استعمال کر کے عوام کو اپنے گرد جمع کر لینا چاہئے تا کہ صاحبان اقتدار

کو ان کی مدد سے گرایا جائے اور گرا کر تباہ و برباد کیا جائے۔ اگر ہمارا حریف یعنی حکومت، سیاسی آزادیوں کے تصور سے سرشار ہو اور نام نہاد لبرل ازم کی حامی ہو تو اس کو گرانا اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی حکومت اپنے لبرل ازم کے عہد کو نبھانے کے لئے اپنے اقتدار کا کچھ حصہ قربان کرنے پر آمادہ رہتی ہے۔ بس اسی سے اس نظریہ کی کامیابی دکھائی دیتی ہے۔

قوتِ زر!

جو طاقت کسی زمانے میں لبرل حکمرانوں کو حاصل ہوتی تھی ہمارے دور میں آج وہ زر یا سونے کو حاصل ہے، یہ دو زمانے ہو کرتے تھے، جب عقیدے اور ایمان کی حکمرانی تھی (مگر یہ اب نہیں ہے) آزادی کے تصور کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا کیونکہ کسی کو اس کے صحیح اور اعتدال پسندانہ استعمال کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہے۔ کسی طبقے یا علاقے کے لوگوں کو کچھ عرصہ کے لیے محدود آزادی یا سیلف گورنمنٹ سونپ کر دیکھ لیجئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک غیر منظم گروہ ابھر آئے گا، ایک ہی نہیں کئی گروہ نمودار ہو جائیں گے جو ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں گے۔ ہر طرف جھڑپیں، اختلاف وانتشار، بدنظمی اور خانہ جنگی کی کیفیت دکھائی دینے لگے کی بالآخر سب کچھ مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔

اخلاقی اقدار! سیاست اور اخلاق میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی۔ اخلاقی قدروں کا علمبردار انسان کبھی ماہر سیاستدان کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا اقتدار کبھی پائیدار و مستحکم نہیں ہو سکتا۔ مضبوط حکمرانی کرنے کے لئے خواہش مند شخص کو مکر و فریب، چالاکی و عیاری، ظاہر داری اور بناوٹی و ریہ اختیار کرنے پر قدرت حاصل ہونی چاہیے۔ دیانت و امانت، قومی کردار اور حق گوئی وغیرہ قسم کی اخلاقی اقدار کا رازار سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ سیاست میں یہ چیزیں خوبیاں نہیں بلکہ عیب شمار ہوتی ہیں۔ ان اقدار کو اختیار کرنے والے حکمرانوں کا زوال ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ وہ ایسی تباہی کو دعوت دیتے ہیں جو کسی

طاقتور ترین دشمن کے ہاتھوں بھی ممکن نہیں ہوتی۔لہذا ان اوصاف کو غیر یہودی مملکتوں میں ہی پھلنے پھولنے دیجئے۔ان سے ہمارا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔

عوام کی کمزوری!

عوام میں چند فطری کمزوریاں ہوتی ہیں۔ہمیں اپنے پروگراموں پر عمل کرنے کے لئے عوام کی کمزوریوں پر پوری نظر رکھنی چاہیے۔عوام الناس اندھے،بے شعور،کم عقل اور بے سمجھ ہوتے ہیں۔ان کے اندر بدمعاشی،بدذاتی،پاپہ پن،کسی اصول پر کاربند نہ رہنے اور ہڑبونگ مچانے کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ان رجحانات کی وجہ سے وہ ہر کسی کی انگلیوں کے اشارے پر ناچ سکتے ہیں۔دراصل وہ کسی بھی طاقت کے غلام اور اس کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ایک اندھا دوسرے اندھے کی رہنمائی تو نہیں کرسکتا لیکن اس کو تباہی کی راہ پر ضرور ڈال سکتا ہے۔عوام میں سے جو شخصیت بھی ابھرے گی،عقل وخرد سے خواہ کتنی ہی ذہین ہو،سیاسی امور سے ناواقفیت کے باعث عوام کے قائد کی حیثیت سے سامنے نہیں آسکتی اس کا یہ کردار اختیار کرنا ساری قوم کے لئے تباہی کا باعث بے گا۔لہذا وہی افراد جن کو بچپن میں خودمختار حکمران بننے کی تربیت ملی ہو،ان اصطلاحوں کو سمجھ سکتے ہیں جو سیاست کی ابجد (اے بی سی) کے حروف سے مرتب کی گئی ہوں۔اگر کسی قوم کو من مانی کرنے کی اجازت مل جائے یعنی اس کی باگ ڈور نوآموز سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلی جائے تو شان وشوکت کے حصول کی دوڑ کی وجہ سے بدنظمی اور تباہی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔

عیاشی اور فحاشی!منشیات نے غیر یہود لوگوں کے ہوش وحواس چھین لئے ہیں۔ان کی نوخیز نسل کو یونانی ولاطینی علم وادب،فکر وفلسفہ اور ان کے مخصوص زاویہ نگاہ کی اندھی تقلید نے حماقت میں مبتلا کردیا ہے۔ان کو بے وقوف بنانے میں لڑکپن کی آوارہ مزاجی اور بدقماشی کا بھی بڑا دخل ہے اور ہم نے اپنے خاص ایجنٹوں کے ذریعہ انہیں اس طرف مائل کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

ذرائع اور وسائل!

ہم صرف ذرائع اور وسائل کی فراوانی پر ہی بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظریہ تشدد و بربریت کو بھی بروئے کار لا سکتے ہیں ہم تمام حکومتوں کو اعلیٰ حکومت (سپر گورنمنٹ) کے تحت لائیں گے۔ غیر یہودیوں پر اچھی طرح واضح کر دیا جانا چاہئے کہ ہم ہر گستاخی اور بے ادبی کا سر کچلنے کو روا سمجھتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم سخت بے رحم ثابت ہوں گے۔

اسباب نصرت!

آزادی، مساوات اور بھائی چارہ (fraternity liberty, equality) کا جو نعرہ ہم نے دیا ہے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا ہے۔ یہ الفاظ ہر دور میں دیمک کی طرح غیر یہود کی فلاح و بہبود کو چاٹتے رہے اور امن و سکون آشتی اور سالمیت کو ختم کر کے ان کی مملکتوں کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہے۔

پروٹوکول: (2)

ہمارا مفاد اس امر کا متقاضی ہے کہ جہاں کہیں بھی جنگیں ہوں، ان کے نتائج علاقائی فتوحات کی صورت میں سامنے نہ آئیں۔ ایسا ہوا تو جنگوں کی نوعیت محض اقتصادی بن جائے گی اور متحارب قوموں کو ہماری امداد کی ضرورت پڑے گی جس کی وجہ سے وہ ہمارے بین الاقوامی ایجنٹوں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ (ان ایجنٹوں میں یہودی اور غیر یہودی دونوں قسم کے ادارے شامل ہوں گے) جو عالمی واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان پر کسی خطے میں بھی پابندی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے بین الاقوامی روابط اور حقوق درحقیقت مقامی قومی حقوق کا صفایا کر دیں گے۔ ان قوموں پر صحیح معنوں میں ہماری حکمرانی ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے ریاستیں اپنے سول لاء کے ذریعے اپنے عوام پر حکمرانی کرتی

ہیں اور ان کے باہمی تعلقات کو مربوط کرتی ہیں۔

یہودی ماہرین اور مشیر!

کسی ملک پر حکمرانی کے لئے ہم عوام ہی میں سے چند افراد کو منتخب کریں گے، ان کی اہم ترین خوبی ہمارے تابع فرمان ہونا ہے۔ ان کے لئے چونکہ نظم ونسق کا تجربہ ضروری نہیں ہوگا اس لئے وہ آسانی سے ہمارے آلہ کار بنیں گے لیکن وہ ہمارے مقرر کردہ مشیروں اور ماہرین کے محتاج ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ماہرین ایسے افراد ہوں گے جنہیں بچپن سے ہی انتظامی اور مملکتی امور کی تربیت دی گئی ہوگی۔

سائنسی معلومات کا یہ ذخیرہ ہمارے ماہرین نے بڑی ہوشیاری سے اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ غیر یہودی ذہنوں کو ایک خاص رخ پر لگا دے اور وہ اسی کو اصل سائنس سمجھتے رہیں۔ آپ ایک لمحہ بھر کے لئے بھی ذہن میں یہ بات نہ لائیے کہ بیانات محض الفاظی ہیں بلکہ ان کامیابیوں پر نگاہ ڈالئے جو ڈارون، مارکس اور نیٹشے کے نظریات کے اثرات کا ہی تو کرشمہ ہے کہ آج غیر یہودیوں کے قلقب واذہان نفاق اور انتشار سے دوچار ہیں۔

پریس کی طاقت!

یہ پریس ہی تو ہے جس کے ذریعہ آزادی تقریر کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ غیر یہودی ریاستیں چونکہ اس طاقتور حربے کے استعمال سے ناآشنا اور بے بہرہ ہیں لہذا یہ طاقت کلی طور پر ہمارے ہاتھ آچکی ہے۔ پریس کی وجہ سے ہم خود پس پردہ رہ کر غیر یہود عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی کے ذریعے ہم سونے جیسی قیمتی دھات پر قابض ہوئے ہیں۔

پروٹوکول: (3)

علامتی سانپ اور اس کی اہمیت

ہماری منزل اب صرف چند قدم دور رہ گئی ہے۔ جس راہ پر ہم چل رہے ہیں۔ اس کا بہت ہی کم حصہ طے ہونا باقی رہ گیا ہے اور ہمارے اس علامتی سانپ کا حلقہ مکمل ہونے والا ہے، جس سے ہم اپنی قوم کے افراد کو تشبیہ دیتے ہیں۔ جس روز یہ حلقہ مکمل ہو جائے گا اس روز یورپ کی تمام مملکتیں ایک مضبوط ترین شکنجے کی لپیٹ میں آ جائیں گی۔

دستوری پیمانے!

غیر یہودی اقوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے اپنے دساتیر کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر لیا ہے۔ اس لئے وہ اب بالکل محفوظ ہو گئی ہیں لیکن ان کے یہ پیمانے عنقریب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے ان کی تدوین اس انداز میں کی ہے کہ ان میں توازن کی وہ شدید خامیاں موجود ہیں جو مملکتوں کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی ہیں اور وقت آنے پر ہم ان کو اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی محور پر گردش کرا سکتے ہیں جبکہ غیر یہود ہمیشہ سے اس امید پر جیتے رہے ہیں کہ ان کے میزانوں میں توازن وقت گزرنے پر خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ لیکن ان کی امید پر بہت جلد پانی پھر جائے گا۔

دساتیر میں شامل عوام کے بنیادی حقوق محض فرضی ہیں، ان نام نہاد حقوق کا اصل حقوق سے کوئی تعلق نہیں۔ غریب آدمی کے لئے جمہوریت اور جمہوری حقوق کی حقیقت ایک شدید طنز کے سوا کچھ نہیں کیونکہ وہ دن بھر محنت و مشقت کی چکی میں پستا رہتا ہے، اسے ان حقوق کے استعمال کے لئے فرصت کہاں ملتی ہے، وہ تو ساتھیوں کی ہڑتالوں اور مالوں کی تالہ بندیوں کے باعث ایک باقاعدہ اور یقینی اجرت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

ہم ان مظلوم طبقوں کو ان کے اصل حقوق دلانے کے لئے نجات دہندہ کے روپ میں آگے بڑھتے ہیں اور انہیں اپنی عسکری تنظیموں مثلا سوشلسٹوں، اتارکسٹوں اور کمیونسٹوں کی صفوں میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان تنظیموں کو اپنی اجتماعی تحریک، فری میسن کے ذریعہ ہر قسم کی مدد دیتے ہیذں۔ ہمارا مقصد عوام کو معاشی مشکلات سے نجات دلانا نہیں اور نہ ہی ہمیں ان سے کوئی دلچسپی ہے، ہمیں جس چیز سے دلچسپی ہے وہ اس کے قطعی متضاد ہے، ہمیں تو ان کی تحقیر و تذلیل سے غرض ہے کیونکہ ہم غیر یہود کا صرف خاتمہ چاہتے ہیں، جس کی واحد صورت انہیں ایک دوسرے کے خلاف گتھم گتھا کرانا ہے۔

اقتصادی بحران کے اثرات، ان طبقوں کی باہمی نفرت میں مزید شدت پیدا کریں گے۔ یہ بحران تبادلہ زر میں رکاوٹیں پیدا کرے گا اور صنعت کو جام کر دے گا۔ اس طرح ہم اپنے تمام زیرزمین حربوں کو بروئے کار لاسکیں گے۔ زر کی مدد سے جو کہ سب کا سب ہمارے ہاتھوں میں ہے، ہم ایک عالمی معاشی بحران پیدا کر دیں گے۔

موجودہ دور میں ہم ایک بین الاقوامی قوت وحیثیت کے باعث ناقابل تسخیر بن چکے ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی طاقت ہم پر حملہ آور ہونے کی جرات کرتی ہے تو ہمیں تمام دیگر مملکتوں کی حمایت حاصل ہو جاتی ہے۔

پروٹوکول: (4)

مذہب پر مادے کی فوقیت

ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ لازم ہے کہ تمام مذاہب کی اہمیت ختم کر کے غیر یہودی افراد کے ذہن سے الوہیت اور روحانیت کی بیخ کنی کر دیں اور انہیں مادی ضروریات اور حسابی اعداد وشمار کے چکر مین الجھا کر رکھ دیا جائے۔

غیر یہودیوں کو صنعت اور تجارت کے چکروں میں ایسا پھنسا دیا جائے کہ انہیں سوچ

وبچار اور غور وفکر کے لئے کوئی وقت نہ مل سکے۔اسا طرح تمام اقوام جلب رز اور منفعت اندوزی کے تعاقب میں یوں سر پٹ دوڑتی رہیں گی کہ اپنے مشترکہ دشمن کی طرف توجہ ہی نہ دے سکیں گی۔

اور پھر وہ وقت آئے گا جب نچلا طبقہ اس مراعات یافتہ ارز بردست طبقے کے خلاف بھڑک اٹھے گا کیونکہ انکے دلوں میں دولت کی خوعاہش کم لیکن نفرت وعناد اور بغض زیادہ بھرا ہوگا۔ یہ لوگ ہمارے حریفوں کے خلاف صف آرا ہوں گے اور ہمارے اشاروں پر چلیں گے۔ان میں بڑے بڑے دماغ والے لوگ، فلسفی اور داناھی شامل ہوں گے۔

پروٹوکول: (5)

آمریت اور جدید ترقی (یہودی طرز حکومت!)

تمام عوامی قوتوں کو ہاتھ میں رکھنے کے لئے ہم شدیدی مرکزیت پیدا کریں گے اور نئے قوانین وضوابط کے ذریعہ اپنے محکوموں کی تمام سیاسی سرگرمیوں کو میکانکی انداز میں ایک نئے موڑ پر ڈالیں گے۔ ہمارے قوانین یکے بعد دیگرے تمام آزادیوں، مراعات اور سہولتوں کو سلب کرلیں گے جو غیر یہودیوں نے فراہم کر رکھی ہیں۔اس طرح مطلق العنانی ہماری سلطنت کا طرہ امتیاز ہے گا۔ یہ مطلق العنانی ہر جگہ اور ہر لمحہ اس غیر یہود قوت کا خاتمہ کرنے پر قادر ہوگی جو ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرے گی۔

پروٹوکول: (6)

قرضے.... دنیا کو غلام بنانے کی تکنیک!

ہم بہت جلدی بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کریں گے۔ جو دولت اور زر کے بڑے بڑے ذخیرے ہوں گے۔ یہ وہ مراکز ہوں گے جن پر یہود کی قسمتوں کا اس حد تک

انحصار ہوگا کہ سیاسی تصادم مول لینے کی صورت میں وہ اگلے ہی روز تمام ملکی قرضوں سمیت غرق ہو جائیں گے۔

غیر یہود کا طبقہ شرفاء سیاسی قوت کی حیثیت سے ختم ہو چکا ہے اسے اہمیت دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن بحیثیت زمیندار یہ لوگ اب بھی ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ذرائع کی آمدنی کیلحاظ سے خود کفیل ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہا نہیں انکیذ رائع آمدنی یعنی اراضی سے محروم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے زرعی املاک پر زیادہ بوجھ ڈالنے اور اراضی قرضوں کے بوجھ تلے دبانے کی ضرورت ہوگی۔ ان اقدامات سے اراضی پر اجارہ داری کے رجحانات کا خاتمہ ہو سکے گا اور زمینداروں کیاندر عجز وانکسار اور غیر مشروط اطاعت اور فرمانبرداری بھی پیدا ہو جائے گی۔

صنعت اور سٹے بازی!

اس کے ساتھ ساتھ ہم صنعت اور تجارت کی بھی بھرپور سرپرستی کریں گے اور اس میں سٹہ بازی کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے کیونکہ سٹہ صنعت کے لئے ایک حریف ثابت ہوتا ہے جبکہ اس کی عدم موجودگی میں صنعتی اور تجارتی سرگرمیاں بڑھتی رہتی ہیں اور یہاں جمع ہونے والا زر، زراعت کو ترقی دینے میں صرف ہونے لگتا ہے۔ اس طرح کاشت کی تمام اراضی قرضوں وغیرہ کی ادئیگی کے بعد نجی ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی جو ہم نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سٹہ بازی کے ذریعہ سرمایہ ہمارے پاس آجائے۔ اس طرح سے غیر یہود محض بھکاری محنت کش طبقے میں تبدیل ہو جائیں گے۔

غیر یہود کی صنعت کی مکمل تباہی کا سامان ہوتے ہوتے ہم سٹہ بازی کی مدد سے تعیشات کو فروغ دیں گے۔ عیش پرستی کی ہوس ہر چیز کو نگلتی رہے گی۔ ہم مزدوروں کی شرح افرت کو بڑھائیں گے لیکن ساتھ ساتھ بنیادی ضروریات زندگی اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ کر دیں گے۔ اس طرح اجرتوں کی شرح بڑھنے سے حقیقتاً انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

پروٹوکول:(7)

عالمی جنگیں

ہمیں پولیس کے ذریعہ یورپ کی وساطت سے دوسرے براعظموں میں بھی فسادات ،انتشار اور جنگ وجدل کی آگ بھڑکانی ہے۔اس سے ہمیں دوہرا فائدہ ہوگا۔اول یہ کہ ہم تمام ملکوں اور قوموں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں گے کیونکہ انہیں یہ خوف ہوگا کہ ہمارے پاس طاقت ہے،ہم جب چاہیں کسی کو بھی سزا دے سکتے ہیں اور جہاں چاہیں نظم ونسق قائم کر سکتے ہیں۔اس طرح تمام ممالک ہمیں ایک ناگزیر اور مطلق العنان قوت کے طور پر دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔دوم،ہم ان تمام ڈوروں کو جو سیاسی نظاموں،معاشی معاہدوں اور قرضہ جات کے وسیلوں سے مختلف ملکوں کی وزارتوں میں پھیلی ہوئی ہیں،الجھا کر رکھ دیں گے۔

پروٹوکول:(8)

عبوری حکومت(فری میسنز کے معاونین!)

ہماری انتظامیہ کو اپنے گردوپیش کی ان تمام قوتوں کو مجتمع کرنا ہوگا جن کے درمیان رہ کر ہمیں اپنے فرائض انجام دینا ہیں۔ہمارے ملازمین ومعاونین کے گرد ماہرین قانون بھی ہوں گے،مشتہرین بھی اور ماہر منتظمین بھی ہوں گے۔ان میں سفارت کاری کے ماہرین کے علاوہ خصوصی سکولوں کے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کے افسران بھی شامل ہوں گے۔یہ افراد سماجی ڈھانچے کی تمام اسرار ورموز کے شناور ہوتے ہیں اور ان تمام زبانوں سے بھی واقف ہوں گے جو سیاسی سوچ کے اظہار کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔لہذا یہ ہر تفویض کردہ کام کو اچھی طرح انجام دے سکیں گے۔

یہودی معیشت!

ہماری انتظامیہ کو ماہرین معیشت کی بہت بڑی تعداد کی خدمات میسر ہوں گی یا یہ کہہ لیجئے کہ وہ ماہرین اقتصادیات سے گھری ہوئی ہوگی۔ وہ وقت بہت قریب ہے جب ہماری مملکتوں کے کلیدی عہدوں پر ہمارے یہودی بھائی تعینات ہوں گے۔ ان کے تقرریوں میں نہ کوئی رکاوٹ ہوگی اور نہ کوئی خطرہ ہوگا۔

پروٹوکول:(9)

دوبارہ تعلیم کی ضرورت

عوام کو جب تک ازسرنو ہمارے نصاب کے مطابق زیور تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائے گا، ان قواعد وضوابط کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہ ہوگا۔

قتل عام! ہم قتل عام کریں گے اور کسی کو نہیں بخشیں گے۔ اپنی فوجوں کے سالار کی حیثیت سے قیادت ہمارے ہی ہاتھ میں ہوگی۔

طریق کار! ہم نے غیر یہود نوجوان نسل کو احمق، لاابالی، بدچلن اور اخلاقی طور پر دیوالیہ بنادیا ہے اور ان کی تربیت ایسے نظریات اور عقائد کی روشنی میں کی ہے جو ہمارے ہی پیش کردہ ہیں اور جن کے بارے میں ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ قطعاً بے بنیاد اور غلط ہیں۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر غیر یہودیوں کو وقت آنے سے قبل ہماری سرگرمیوں اور منصوبوں کا اندازہ ہوجائے تو وہ مسلح ہوکر ہم پر ہلہ بول دیں گے۔ لیکن مغربی ممالک میں ہم نے انتہائی دور بینی اور حکمت عملی کے ساتھ اس امکان کے خلاف دہشت گردی کا منصوبہ تیار کرلیا ہے کہ اس کی تفصیل جاننے سے مضبوط دل والے انسان بھی لرز اٹھیں گے۔ اس منصوبے کے تحت وہ براوقت آنے سے پہلے ہی ہم تمام دارالحکومتوں کے زیرزمین بڑے بڑے شہر تعمیر کرلیں گے اور بارودی سرنگوں کا جال بچھادیں گے جہاں سے ان دارالسلطنتوں کو ان کے تمام دفاتر اور اداروں سمیت بھک سے اڑادیا جائے گا۔

پروٹوکول:(10)

اقتدار کے لئے تیاری

ہم اپنے سرگرم کارکنوں کی وجہ سے راہ میں آنے والی تمام رکاوٹیں اور مزاحمتیں دور کرسکتے ہیں جب ہم نے اپنے انقلابی پروگرام کو مکمل کرلیا تو ان اقوام کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ "ہر معاملہ خراب ہو چکا ہے" آلام ومصائب نے سب کو بدحال کردیا ہے۔ ہم آپ کے مصائب اور مسائل کے تمام اسباب یعنی قومیتوں، سرحدوں اور کرنسیوں سے پیدا ہونے والے تنازعات کو ختم کردیں گے۔ آپ کو اختیار ہے کہ ہمیں بے شک قصوروار ٹھہرائیں لیکن ہم جو کچھ آپ کے سامنے پیش کررہے ہیں، پہلے اسے پرکھ تو لیں۔ ایک موقع تو دیں۔

اس کے بعد عوام ہمارے گن گانا شروع کردیں گے اور متفقہ طور پر امیدوں اور توقعات کا جشن مناتے ہوئے ہمیں اپنے کندھوں پر اٹھالیں گے۔ جب عوام نے ہمیں اپنا نجات دہندہ سمجھنا شروع کردیا اور ہمیں اپنی مشکلات ومصائب کا حل سمجھنے لگ گئے تو انتخابات میں ہمارے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکے گا۔ انتخابات ہمارا اعلیٰ ترین ہتھیار بن جائیں گے، انہی کے ذریعہ ہمیں دنیا کی تاجداری بخشیں گے۔ اس طریقہ پر ہم ایک اندھی قوت پیدا کردیں گے جو ہمارے ایجنٹوں اور کارندوں کی رہنمائی کے بغیر کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گی اور ان کارندوں کو ہم عوام کا رہنما بنا کر پیش کریں گے۔

کٹھ پتلی صدر!

مستقبل قریب میں ہم صدر کے اختیارات کا بھی تعین کردیں گے، اس وقت تک ہم اس قابل ہوجائیں گے کہ جن امور کے لئے ہمارا یہ آلہ کار نام نہاد حکمران ذمہ دار ہوگا، ہم قانون کی ظاہری صورتوں کی پرواکئے بغیر انہیں خود پایہ تکمیل کو پہنچادیں گے۔ ہمیں اس کی ہرگز کوئی پرواہ نہ ہوگی کہ اقتدار کے بھوکوں کی صف میں کوئی رخنہ پڑ جائے یا صدارتی امیدواروں کا حصول ناممکن ہوجائے اور اس عمل میں رکاوٹ پڑنے سے بحران پیدا ہوجائے اور بالآخر وہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔

دنیا پر حکومت کرنے کے صہیونی عزائم

.......ایک تنقیدی جائزہ!

اس موضوع کو جانچنے اور اس کا تجزیہ کرنے کے کئی انداز ہو سکتے ہیں۔تاریخی، واقعاتی، فکری اور درسی اور ظاہر ہے کہ ایک مدرس تدریسی انداز سے ہی تجزیہ کر سکتا ہے۔ صہیونی سازشوں اور عزائم کی بات اتنی عام ہے کہ ہمارے ہاں ہونے والی معمولی بات بھی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے۔کوئی ناگوار حادثہ ہے تو آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں کوئی صہیونی سازش نظر آتی ہے۔یہ انداز اتنا عام ہوا ہے کہ اب ایک مذاق کی بات بن گئی ہے، غالباً ایسا اس لیے ہے کہ صہیونی سازشیں ایک بدیہی حقیقت بن گئی ہیں اور اس کے لیے کسی بڑے استدلال کی ضرورت باقی نہیں۔اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جسے عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وہ ہے اپنی کم احتسابی کا رویہ۔بدقسمتی سے ہم ایسے گروہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں جو اپنے اعمال اور اپنی حرکتوں کا تجزیہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ہم جان بوجھ کر اس امر سے بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ہم خود کیا کر رہے ہیں؟ یہ ایک بہت آسان معاملہ ہے کہ ہم کہہ دیں کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ کی وجہ سے ہمارے ساتھ یہ ہو رہا ہے لیکن اگر ہم اپنا احتساب کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ درست ہے یا غلط، یا جو کچھ ہو رہا ہے اس کا جائزہ لے لیں کہ اس میں کوئی حقیقت بھی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں امریکی صہیونی

[کچھ لوگوں کو اپنی ہر ناکامی کے پیچھے 'صہیونی' سازش نظر آتی ہے، کچھ لوگ اس غیر صحت مند طرز فکر کا مذاق اڑاتے ہیں۔''دعوۃ اکیڈمی''(اسلام آباد) کے ڈائریکٹر جنرل، پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی کا زیر نظر مضمون دونوں مکاتب فکر کے لئے ایک معلومات افزا چیز ہے۔بشکریہ ''دعوۃ''(اسلام آباد) فروری ۲۰۰۲ء]

عزائم ہیں۔ ہمارے خلاف یا مسلمانوں کے خلاف کوئی منصوبہ بندی ہے۔ کیا حرج ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ امریکہ کیا ہے؟ اور وہ کیا چاہتا ہے؟ صیہونیت کیا ہے؟ اور وہ کیا چاہتی ہے؟

اردو میں صیہونیت پر مبنی بہت سی کتابیں میسر ہیں۔ انگریزی میں اس پر جو لٹریچر ہے اس کی تو کوئی حد نہیں Protocols of the Elders of Zoin کے نام سے ایک ڈائری چھپی ہے جس کے بارے میں یہودیوں کا کہنا ہے کہ وہ جعلی ہے اور ان کے مخالفوں نے اسے لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جن لوگوں نے اس ڈائری کو پڑھا اور پھر ان حالات کا جائزہ لیا ہے جو علمی سطح پر ہیں یا مسلم ممالک میں جو ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں تو وہ یقیناً کہیں گے کہ ان حالات سے تو ایسے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ ڈائری جعلی ہے تو بھی یہودیوں کے دماغ کو ٹھیک طور پر پڑھ کر بنائی گئی ہے کیونکہ اس میں کہی گئی ایک ایک بات درست ثابت ہو رہی ہے۔

صیہونیت کے بارے میں ایک بنیادی نقطہ ذہن میں رہنا چاہیے تاکہ اس کے متعلق ہونے والی تمام باتیں صاف صاف سمجھ آ ئیں۔ وہ یہ کہ صیہونیت بنیادی طور پر ایک قومی اور نسلی تحریک (Nationalist Racist Movement) ہے۔ صیہونی یہودیوں کا نعرہ تھا ''صیہون کو واپس جاؤ'' (Back to Zoin) صیہون جو یروشلم میں 'جیبوسائٹ' (Jebusite) ایک مضبوط دفاعی مرکز تھا جس پر حضرت داؤد نے قبضہ کیا تھا۔ یہ غالبا مشرقی پہاڑی کے جنوبی حصے میں تھا اس پر ایک عبادت گاہ بنائی گئی تھی اور بعد میں پوری پہاڑی کو از وہن کا نام دیا گیا تھا۔ بعد کی تاریخ مین یروشلم کے شہر کو اس کے ہم معنی سمجھا گیا جس کے شہریوں کو صیہون کی بیٹیاں (Daughters of Zoin) کہا گیا۔ یہودیوں کے نسلی اور قومی مزاج میں یروشلم کی واپسی ایک آرزو اور ایک امنگ کے طور پر قائم رہی۔ سولہویں صدی میں نبوت کے مدعی داؤد روبنی (David Ruben) نے یورپ میں یہودیوں کی آزادی کا نعرہ لگایا اور اس شخص کو اٹلی، سپین اور ترکی میں بڑی پذیرائی ہوئی۔

سترھویں صدی میں انگریز ملنیئرز (Millanaiars) نے یہودیوں کی قومی امنگوں کو تقویت پہنچائی اور یہودیوں کو انگلستان میں رہائش کی سہولتیں میسر آئیں۔ یہ ایک طرح کی بنیاد تھی جہاں سے انہوں نے اپنے قومی وطن فلسطین میں جا کر آباد ہونا تھا 1666ء میں ایک یہودی شخص سباتائی سیبی (27-1626) (Sabbatai sebi) نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور سمرنا (Samyrna) سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اثرات پورے مغربی یورپ میں پھیل گئے اور ہر علاقے کے یہودی فلسطین کی طرف ہجرت کو تیار ہو گئے۔ اگرچہ یہودیوں نے اسے مسیح ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن فلسطین جانے کا جذبہ قوی تر ہو گیا۔

انگریزوں کے رواداری رویے اور یہودیوں کی مجموعی سرگرمیوں کے باعث فلسطین کے بارے میں ایک مشترک دلچسپی فروغ پانے لگی۔ انگریز ملنیئرز (Millanaiars) خصوصی طور پر معاون رہے۔ فلسطین کے امریکی اور برطانوی قونصلر لارڈ ایشلی (Lord ashley) وغیرہ نے ایسی سکیموں کی حوصلہ افزائی کی جن کے ذریعے فلسطین کے یہودیوں کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا۔ یورپی طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ میں مداخلت کے لیے (Estern question) کے عنوان سے ایک پالیسی وضع کر رکھی تھی جس کا بظاہر مقصد ان علاقوں کی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ تھا لیکن حقیقت میں سلطنت کو تباہ کرنا مقصود تھا۔

سیاسی مصنفین اس امر پر زور دے رہے تھے کہ فلسطین میں برطانیہ کے زیر انتداب ایک یہودی ریاست قائم کی جائے جو ہندوستان تک پہنچنے کے رستہ کو محفوظ بنانے میں معاون ثابت ہو گی۔ ہولنگز ورتھ (Holings worth) نے 1852ء میں "Palestine jew in" کے عنوان سے کتاب لکھی۔ جب لارنس اولیفنٹ (Laurance oliphant) عثمانی خلیفہ سے آزاد یہودی ریاست کے لیے مذاکرات کر رہا تھا تو اسے لارڈ بیکن فیلڈ (Lord beaconfield) اور لارڈ سالسبری (Lord salisbary) کی پرزور حمایت حاصل تھی۔

انیسویں صدی کے وسط میں Mosas hess (1874-1895ء) مغربی یورپ میں Hireschkalish (1795-1874ء) اور مشرقی یورپ میں صیہونیت کی تبلیغ اور فروغ میں سرگرم تھے۔ اسی دوران یورپ میں یہودیوں کے خلاف ان کے رویہ کی وجہ سے جذبات ابھرے تو لائی لشکر (1821-1891ء) نے یہودیوں کی آزادی کے لیے ایک ریاست کا مطالبہ کیا۔ اور 1892ء میں تھیوڈر ہرزل نے ''یہودی ریاست'' کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں اس ریاست کی تفصیلات تھیں۔ سکیم کو پورے یورپ میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور 1897ء جیوئش کانگریس منعقد ہوئی جس میں صیہونی تنظیم قائم کی گئی جس کے ذمہ ان مقاصد کا حصول تھا جسے کانگریس نے پاس کیا۔

ڈاکٹر ہرزل 1901ء اور 1902ء میں سلطان عبدالمجید سے ملا اور یہودیوں کے لیے مراعات حاصل کرنے کی خاطر مذاکرات کیے لیکن ناکام رہا۔ تاہم یہودیوں کی آبادکاری کے لیے برطانوی وامریکی امداد مسلسل حاصل رہی۔ 1892ء سے 1914ء تک 45000 یہودی فلسطین میں آباد ہوئے۔ 1914ء میں پہلی جنگ عظیم سے پہلے ان کی تعداد 90000 تھی۔ برطانوی دلچسپی کا اندازہ بالفورڈ کلیریشن سے ہو سکتا ہے جس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

His majesty,s government view with favour the establishment in palistine of a national home for the jewish people,and will use their best endeavours to facilitate the achievement of this object.

اس اشتراک کو سمجھنے کے لیے ایک اور پہلو کی جانب توجہ دینی ضروری ہے اور وہ ہے ازمنہ وسطیٰ میں یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کا سلوک۔ اگر اس دور کی یورپی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو گا کہ یہودیوں پر سب سے زیادہ مظالم عیسائیوں نے کیے اور اس

دوران یہ لوگ بھاگ بھاگ کر مسلمانوں کے ہاں پناہ لیتے تھے۔انہوں نے مسلم سپین میں پناہ حاصل کی۔عثمانی ترکوں کے ہاں پناہ حاصل کی اور شمالی افریقہ کی مسلمان ریاستوں میں پناہ حاصل کی لیکن یہ عجیب قوم ہے جواس کا مستحسن ہوتا ہے اسی کو کاٹ کھاتی ہے۔مسلمانوں کے ہاں اسے پناہ ملی اور یہیں ان کی فکر اور ان کا فلسفہ پروان چڑھا۔ان کا اہم فلسفی اور مفکر جو مسلمانوں کی تاریخ میں میمون اور یورپی مورخین کے ہاں Mlmonides کے نام سے مشہور ہے اور جسے یہودیوں کے ہاں بڑے مقام کا حامل تصور کیا جاتا ہے، یہ شخص غزالی ہی کی طرح بڑا مفکر مانا جاتا ہے، یہودی فکر کے ارتقاء میں اس کا بڑا رول ہے۔لیکن وہ کہاں پران چڑھا ؟مسلمانوں کے ہاں۔۔۔!اسے لکھنے کا موقع کہاں میسر آیا؟مسلمانوں کے ہاں۔۔۔۔!اس نے اپنی تاریخ، اپنی فقہ اور آئیڈیالوجی کی تعبیر مسلمانوں کے ہاں رہ کر لکھی۔۔۔۔!

عیسائیوں اور یہودیوں میں مفاہمت کیسے پیدا ہوئی؟

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس دشمنی کے باوجود عیسائیوں اور یہودیوں میں مفاہمت کیسے پیدا ہوئی؟ یہ تو ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ان کے درمیان مقاصد کا اشتراک کیسے پیدا ہوا؟اس کو سمجھنے کے لیے عیسائیت کا جائزہ لینا ہوگا۔

جن لوگوں نے عیسائیت کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ عیسائیوں کے دو بڑے فرقے ہیں، ایک کیتھولک اور دوسرا پرٹسٹنٹ۔کیتھولک عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے والے یہودی تھے۔لہٰذا یہودی مسیح کے قاتل اور مسیح کا خون یہودیوں کے سر ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہودیوں سے دشمنی عیسائی عقیدہ کا بنیادی پتھر ہے۔گو اب یورپ نے ان کو اس جرم سے بری کر دیا ہے۔اس نے کہا، یہ ٹھیک ہے کہ مسیح کی مصلوبیت کا واقعہ ہماری تاریخ میں ہے لیکن میں معاف کرتا ہوں اور یہودیوں کو مسیح کے قتل سے بری کرتا ہوں۔ویٹی کن ثانی کے حکم نامہ Nostra ectate 28 اکتوبر 1965ء اور Gentes

divintus مجریہ 7 دسمبر 1965ء کے مطابق یہودیوں کے قاتل قوم ہونے کا یہ عقیدہ ختم کر دیا گیا۔

دوسرا فرقہ پروٹسٹنٹ کا ہے جو لوگ اس کی تاریخ اور اس کے ارتقاء پر نظر رکھتے ہیں وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے اثر و رسوخ نے عیسائیوں کو اپنے عقیدے کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا اور پروٹسٹنٹ رہنماؤں پر اسلام کے تنقیدی نظریات کا اثر انداز ہونا بعید از امکان نہیں۔ ممکن ہے انہیں اثرات کے تحت اصلاح عقیدہ کی بحث چلی ہو لیکن اس کے اور اسباب بھی تھے اور ان میں ایک اور اہم عنصر یہودیوں کی سرگرمیاں تھیں۔

یہودیوں نے عیسائیت میں داخل ہو کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سکیم تیار کی اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ پروٹسٹنٹ گروہ یہودیوں کے حامی ہیں لیکن عیسائیوں کے بعض فرقے ایسے ہیں جو صہیونیوں کے کھلے حمایتی ہیں۔ ایسے گروہ Zoinist christian کہلائے ہیں۔ کچھ گروہ ایسے ہیں جنہیں Christian jew کہنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بباطن یہودی ہیں لیکن ظاہری طور پر عیسائی ہو گئے ہیں تا کہ عیسائیوں میں پھوٹ ڈالنے کا کام کریں۔ اس مشن کی تکمیل میں وہ کسی قسم کا کام بھی کر سکتے ہیں۔

برطانیہ جسے صہیونیوں کی سرپرستی اور حمایت کا شرف حاصل ہے جنگ عظیم اول میں صہیونیوں نے جس کی کھلی حمایت کی تھی اس کا کلیسا جو ''انگلوسیکسن چرچ'' کہلاتا ہے، روم کے خلاف بغاوت پر مبنی ہے۔ چرچ آف انگلینڈ کے تمام فرقے مثلاً Baptist میتھوڈسٹ (Mthodist) ایونجلیکل (Evenglical) اور کانگری گیشنلسٹ (Congregationalist) وغیرہ صہیونیوں کے حمایتی ہیں۔ یہودیوں نے عیسائیوں کے اندر داخل ہو کر ایسا کام کر کیا ہے کہ عیسائی نہ صرف ان کے مقاصد کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہوئے بلکہ انہوں نے یہودیوں کے دفاع کا کام بھی اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ کیتھولک فرقہ میں جو تھوڑی مزاحمت تھی اس کو بھی انہوں نے توڑ دیا ہے۔

اینگلو سیکسن حمایت

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب کے چار عناصر ترکیبی ہیں

۱۔عیسائیت ۲۔رومی قانون اور رومی عسکریت ۳۔یونانی فلسفہ ۴۔جاہلی رسوم ورواج یعنی (Costoms pagan) جو یورپ کے وحشی قبائل نے اپنا رکھے تھے۔

ان عناصر میں رومی عسکریت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔رومن ایمپائر مغربی ذہن سے محو نہیں ہوئی۔تہذیبی غلبے میں عسکری غلبے کو خاص مقام حاصل ہے۔ایک وقت تھا جب برطانیہ اپنے آپ کو رومن ایمپائر کا جانشین سمجھتا تھا اور اب امریکہ اس کی جانشینی کا دعویدار ہے۔اگر غور کریں تو یہ اینگلو سیکسن پالیسی ہے۔امریکہ اور برطانیہ اینگلو سیکسن گروپ ہے۔عملاً صورتحال یہ ہے کہ برطانوی دانشور کھل کر کہتے ہیں کہ برطانیہ امریکہ کا سیٹلائٹ ہے لیکن اگر ذرا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اب بھی جو بین الاقوامی پالیسی بنی ہے اس کے تجزیہ میں اور اس کی تنقید میں برطانوی فکر،برطانوی سازش اور برطانوی ذہن کارفرما نظر آتا ہے۔امریکہ اور برطانیہ میں گہرا اشتراک موجود ہے اور اسے قائم رکھنے اور مضبوط بنانے کی شعوری کوشش ہوتی رہتی ہے۔

اب ہم اس پر غور کریں کہ اینگلو سیکسن گروپ اور صیہونیت میں کتنا اشتراک ہے؟ یہ اشتراک اتنا واضح ہے کہ اس کے لیے کسی گہرے تجزیے کی ضرورت نہیں۔یہ اشتراک ایک دوسرے کی مدد کے اصول پر مبنی ہے۔اینگلو سیکسن گروپ عالمی غلبہ چاہتا ہے اور صیہونی گروپ اس کے مددگار ہیں۔آگے چل کر پتہ چلے گا کہ اصل غلبہ کس کا ہو رہا ہے؟لیکن سردست ہم اس اصول پر چل رہے ہیں کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کی مدد کر رہا ہے اور مدد حاصل کر رہا ہے۔یہ برطانیہ ہی تھا جس نے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لیے عملاً مدد کی۔یہ برطانیہ ہی تھا جس نے بالفور ڈیکلیریشن کے ذریعے صیہونی ریاست کی راہ

ہمورا کی۔ جدید تاریخ پر نظر رکھنے والا انسان حیران ہوتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ 1923ء میں مینڈیٹ پر عمل درآمد شروع ہوا اور 1925ء میں یروشلم میں ہبرو یو (Hebrew) یونیورسٹی کا آغاز ہوا اور اس کا سنگ بنیاد لارڈ بالفور نے رکھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کیا تھا۔

جس وقت فلسطین برطانوی کنٹرول میں تھا اس وقت یہودیوں کے لیے سہولتیں پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ جدید تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ اس سے پہلے بھی فلسطین سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا اور صہیونیوں نے سلطان عبدالحمید سے جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ برطانوی اور امریکی کوششوں سے صہیونیوں جو سہولتیں میسر آتی رہی تھیں اور 1913۔1932ء کے درمیان 2 لاکھ 80 یہودیوں نے فلسطین میں رہائش اختیار کی۔ یہ انہی ہی کی سازش تھی جس کے نتیجے میں ہر یہودی اپنے لیے جگہ خریدنے اور دیگر عالمی معاملات کا فیصلہ کرتا۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ صہیونیوں اور اینگلوسیکسن گروپ کے درمیان ایک اشتراک ہے۔ یہ اشتراک مفادات کا ہے۔ اینگلوسیکسن گروپ نے یودیوں کو ایک ریاست مہیا کی اور یہودیوں نے ان کے لیے بطور کارکن کام کیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہودی ایک ایسی قوم ہے جو بہت دور تک سوچتی ہے۔ جب اینگلوسیکسن کی سرگرمیوں کا جائزہ لیں تو ان کی منصوبہ بندی میں بھی یہودیوں کا بنیادی کردار نظر آتا ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے صرف امریکہ و برطانیہ ہی کا تسلط نہیں بلکہ درپردہ یہودیوں کا ہی تسلط ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں کوئی ایسا ادارہ نہیں اور کوئی ایسا نظام نہیں جس کے تحت ہم اپنے مخالفوں کی زبان پڑھیں، ان کے لٹریچر کا جائزہ لیں اور اس کے بعد اپنی حکمت عملی مرتب کریں۔ جہاں تک یہودیوں اور عیسائیوں کا تعلق ہے تو ان کے کئی ادارے ہیں جو مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کی حکمت عملیوں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ یورپ میں ایک

اہم ادارہ ہے جہاں اسلام پڑھایا جاتا ہے ایم۔اے اور پی۔ایچ،ڈی کرنے کے لیے مسلمان اور غیر مسلم طلبہ داخلہ لیتے ہیں اور ایک بڑی تعداد یہاں آ کر ڈگریاں حاصل کرتی ہے اس ادارے میں ایک سیکشن افریقہ پر ہے،کوئی کاغذ،کوئی پمفلٹ اور کوئی اشتہار ایسا نہیں جو وہاں نہیں پہنچتا۔یہ سیکشن مقفل رہتا ہے۔کوئی عیسائی طالب علم یا سکالر استفادہ کرنا چاہے تو درست لیکن کسی مسلمان کے لیے وہاں رسائی ممکن نہیں۔

ادارے کا ایک مسلمان رکن وہاں چلا گیا تو وہاں موجود کارکن لرزہ براندام تھا ،معذرت سے کہا کہ میرے لیے مشکلات پیدا ہوں گی اس لیے آپ منتظم اعلیٰ سے اجازت لے کر آئیں۔وہ شخص انتظامیہ کا حصہ تھا اور عام علمی منصوبہ بندی میں شریک ہونا چاہتا تھا لیکن جہاں تک عیسائیت کے بارے میں حکمت عملی کا تعلق ہے اس سلسلے میں وہ کسی کو ہوا تک نہیں لگنے دیتے۔یہ عجیب بات ہے کہ ہماری جامعات اور ہمارے کالجوں میں اسلام کے حوالے سے جو بات ہوتی ہے اس میں ان ہی لوگوں کو اتھارٹی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو غیر مسلم ہیں۔حدیث کے بارے میں ان کی رائے،فقہ پر ان کا ریفرنس،تاریخ حتیٰ کہ قرآن پر بھی ان کا ریفرنس قابل استناد ہوتا ہے۔سید مودودیؒ نے بہت پہلے کہا تھا کہ اب معاملہ الٹا ہو گیا ہے مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب حتیٰ کہ عربی زبان بھی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے۔مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ وہ لکھتے ہیں،نہ صرف اسے پڑھا جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے۔حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرہ برابر دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے۔(ماہنامہ ترجمان القرآن ۱۹۶۱ء)

آج تک کسی مسلمان نے سوائے سر سید کے،بائبل کی تفسیر نہیں لکھی اور سر سید نے بھی انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے بائبل کی تفسیر لکھنی شروع کی تھی تا کہ یہ بتائیں کہ وہ بائبل

بھی قرآن کے برابر سمجھتے ہیں۔ کسی مسلمان نے ان کے فلسفے، ان کی تاریخ اور ان کے مذاہب پر اظہار خیال کیا ہو اور اسے انہیں سمجھانے کی کوشش کی ہو؟ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کوئی انہیں بائبل پڑھانے کے لیے آئے لیکن وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ان کی یونیورسٹیوں میں اسلام پڑھایا جائے گا اور اسے یہودی اور عیسائی پڑھائیں گے۔ سید مودودیؒ نے کہا تھا کہ یہودی کبھی کسی غیر یہودی کو اپنی تاریخ پڑھانے کی اجازت نہیں دیں گے لیکن مسلمان اپنی تاریخ کے لیے بھی اور اپنے معاملات کے تجزیے کے لیے بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی تشریحات پر اعتماد کریں گے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے اس طرح کے ادارے نہیں بنائے جن میں ہم اپنے دشمن کے بارے میں تجزیہ کر سکیں۔ ہمارے قریب ہی ہندو بیٹھا ہے۔ ان کے ہاں بہت کچھ ہندی میں لکھا جارہا ہے لیکن ہمارے ہاں اس زبان کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کچھ نہیں ہورہا۔ پنجاب یونیورسٹی میں ہندی کا ایک شعبہ ہے جس میں غیر مؤثر انداز سے کام ہورہا ہے۔ نہ جامعہ کے ذمے داران کو اور نہ نظامت تعلیم کو اس کا احساس ہے کہ اس شعبہ کو تعلیم وتدریس کے علاوہ تجزیہ وتجاویز کا کام بھی کرنا چاہیے۔ ہم حیرت سے دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں کیا ہورہا ہے لیکن ہمارے دشمنوں نے ہماری تاریخ، ہماری ثقافت، ہمارے دین اور ہمارے بنیادی ماخذ (Sources) کے بارے میں ادارے قائم کر رکھے ہیں اور ہم ان اداروں سے استفادہ کرتے ہیں۔

برطانیہ میں ایک بڑے پادری نے کہا کہ اگر قرآن تمام انسانوں کے لیے ہے تو مجھے اس کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی کہ میں اس کی تفسیر لکھوں؟ اس سے کہا گیا کہ بے شک آپ لکھیں آپ کو کون روکے گا؟ لیکن بڑی منافقت کی بات ہوگی کہ جس کتاب کو آپ خدا کا کلام ہی نہیں مانتے، جس کے بارے میں آپ کہتے ہیں کہ یہ شعر ہوسکتا ہے اور جس کو آپ محمد ﷺ کی لکھی ہوئی کتاب سمجھتے ہیں اس کی تشریح کیسے کریں گے؟ آپ مجھے

بتائیں کہ جس کو آپ اللہ کی کتاب نہیں مانتے اس کی تفسیر کس لیے کریں گے؟ آپ کو ایسی کتاب کی تفسیر کا کیا حق ہے؟ اگر آپ اس کے مفہوم میں من مانی کرنے چلے ہیں تو یہ تحریف ہے اس کی کون اجازت دے گا؟ اور اگر آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ آپ اسے سمجھیں اور سمجھائیں تو اس پر ایمان لائے بغیر کیسے سمجھیں گے اور کیسے سمجھائیں گے؟ اس کا کوئی جواب اس کے پاس نہ تھا۔

اسلام، یہودیت، عیسائیت کے درمیان ایک رشتہ ہے۔ مسلمانوں کو وہ رشتہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اس رشتے اور اس تعلق کی وضاحت کے لیے ہمارے سامنے سورہ المائدہ کی آیت رہنی چاہیے:

"اہل ایمان کی عداوت میں سے سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان لانے والوں کی دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار اور عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں۔" (المائدہ۔۸۲)

لیکن دوسری آیت میں ان کے باہمی تعلق کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا:

"اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔" (المائدہ۔۵۱)

یہودیوں کو اسلام اور مسلمانوں سے جو عداوت ہے اس کی دو بنیادیں ہیں:

۱۔ پہلی بنیاد پر سید مودودیؒ نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اسراء کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آمد سے انسانیت کی روحانی قیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں منتقل ہوگئی ہے۔ اب دینی و روحانی رہنمائی محمد کریم ﷺ کے ذریعے ہوگی، اسرائیلی حوالوں سے نہیں ہوگی۔

(اسی طرح آپ نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کے واقعہ پر "سانحہ اقصیٰ" لکھا۔ اس پمفلٹ میں واقعات اور تجزیہ کے علاوہ اس کی تاریخی حیثیت متعین کی ہے۔)

۲۔ دوسری اہم بات وہ واقعات ہیں جن کا تعلق یہودیوں کے اخراج سے ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں یہودیوں کو ان کی دشمنی، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مدینہ، خیبر اور فدک سے نکالا گیا تھا۔ اس اخراج کو وہ نہیں بھولے۔ حضور اکرم کی ذات اور اسلام سے ان کی دشمنی اتنی گہری ہے کہ اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جس وقت انہیں موقع ملے گا وہ وار کریں گے۔

صیہونیت ایک قومی و نسلی تحریک ہے اور اس کا ہدف عظیم تر اسرائیل ہے۔ اگر اینگلو سیکسن گروپ کے تعاون سے وہ فلسطین پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں تو ان کی آئندہ نسلیں اسی الائنس کے ذریعے عظیم تر اسرائیل بھی حاصل کریں گی۔ اس وقت شرق اوسط میں جو کھیل کھیلا جا رہا ہے اس کے انجام سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ بظاہر تو آثار ایسے نظر آتے ہیں کہ انکے عزائم کی تکمیل میں کوئی بڑی رکاوٹیں نہیں لیکن مشیت کے اپنے معاملات ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی تاریخ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہیں نکالا گیا تھا اور پھر واپسی کا سامان کیا گیا۔ دوبارہ نکالا گیا اور تیسری بار وہیں لوٹ کر آرہے ہیں۔ قیامت کی علامات میں جو کچھ احادیث میں آیا ہے، اس کے مطابق یہودیوں کا سمٹ کر آنا آخری تصادم کی تیاری ہے جب پتھر بھی آواز دے گا کہ یہاں یہودی چھپا ہوا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ مسلمانوں کی آزمائش کے لیے کیا باقی ہے؟ مسلمانوں کو تیسرے مرحلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

صیہونیوں نے اینگلو سیکسن گروپ کے اشتراک سے سیاسی و عسکری اور فکری و معاشی غلبے کے لیے جو منصوبہ بندی کی ہے اور اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا ہے اس سلسلے میں چند ایک باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ ان کے طریقہ کار میں پہلی تدبیر دشمن کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کرنا ہیں۔ وہ متعلقہ قوم یا گروہ کے اندر ایسے داخل ہوتے ہیں کہ اس کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور اس کے لیے انہیں جو ذرائع بھی اختیار کرنا پڑیں اختیار کرتے ہیں۔ ہر ایک پہلو کا اندازہ کرتے ہیں اور جائزہ لیتے ہیں۔ علم کے ذریعہ، تجارت کے واسطہ، ذاتی تعلقات کی بنا پر، رشوت ولالچ کی بنا پر، مسلمانوں کے اندر Infitrate کرتے ہیں۔ ان کی سٹریجی ہے کہ مسلمان معاشروں اور حکومت کی تہہ تک پہنچ جائیں اور ان کا کوئی پہلو بھی ان سے پوشیدہ اور ان کی دسترس سے محفوظ نہ ہو۔

۲۔ دوسری تدبیر یہ ہے کہ وہ قوموں کے اندر فکری الحاد اور کجروی پیدا کرتے ہیں۔ قوموں کی تاریخ، ان کے عقائد، ان کی ثقافت اور ان کے فکر وعمل میں تحریف پیدا کرتے ہیں۔ قومی وحدت اور ملی یگانگت کو مجروح کرتے ہیں، یوں قومیں جب انتشار کا شکار ہوتی ہیں تو ان کے مقاصد کی تکمیل میں ممد ومعاون بن جاتی ہیں۔ ہماری تاریخ میں عبداللہ بن سبا انتشار والحاد کا نقطہ آغاز ہے۔ اس کے زیر اثر کئی باطنی تحریکیں پروان چڑھی ہیں اور ان کے علاوہ قادیانی ہیں۔ عام طور پر ایسی خفیہ تحریکوں اور تنظیموں کے ذریعے Defection Anti Body کی ہے۔

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

۳۔ تیسری چیز جو Global domination کے لیے راہ ہموار کرتی ہے وہ مسلمان معاشروں کی فکری ومعاشی پسماندگی ہے۔ مسلمان معاشرے ان کی فکری اطاعت اور عملی پیروی کرتے ہیں۔ مغرب نے پوری دنیا کو کنٹرول کرنے کے لیے تین سبق پڑھائے ہیں۔ ان کی حیثیت مسلمات کی ہوگئی ہے کوئی شخص انہیں چیلنج نہیں کر سکتا اور کوئی ان سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ جو اختلاف کرے گا اس کے لیے انہوں نے الزامات گھڑ رکھے ہیں۔ انتہا پسند، بنیاد پرست، دہشت گرد، تنگ نظر، رجعت

پسند، ادھر اختلافات کی جرأت ادھر الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کے اندر ہی ان کے ایجنٹ کا دیا ہوا فریضہ انجام دینے لگیں گے۔ ان مسلمات میں سے تین کی حیثیت عقیدہ کی ہے۔

۱۔ سیکولرائزیشن

۲۔ ڈیموکریٹائزیشن

۳۔ کمرشلائزیشن

سیکولرائزیشن:

سیکولرائزیشن وہ اصل طریق کار ہے جس کے ذریعے پوری دنیا کو مغربی طرز فکر و عمل سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ یہودیوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ غیرہ یہودی مذاہب ہیں لہذا ان کا اولین ہدف مذہبی اثرات کو ختم کرنا ہے۔ اولین طور پر یورپ میں سیاسی و معاشی دائروں میں عیسائیت کو بے اثر کیا اور پھر یورپی دنیا میں مذہب کے خلاف مہم چلائی۔ سیکولرائزیشن میں تین اہداف پیش نظر رکھے گئے۔

۱۔ مابعد الطبعیاتی ماخذ کی تحقیر کی گئی۔ چونکہ الہامی مذاہب کی بنیاد اللہ کے تصور پر ہے اس لیے اس غیر عقلی اور غیر سائنسی نظریہ قرار دیا گیا ہے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ دنیا میں حقیقت ہے، اس سے ماوراء کوئی شے نہیں۔ ایک مرتبہ خدائی حوالہ بے اعتبار ہو جائے تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔

۲۔ مستقل نظام اقدار کی نفی کی گئی تاکہ ہر قدر کی حیثیت اضافی ہو جائے اور وقت کے ساتھ ساتھ اقدار بھی بدلتی جائیں۔ مذہب چونکہ ایک Value Sustem رکھتا ہے لہذا نظام اقدار کے عارضی ثابت ہونے سے مذہب کی گرفت از خود ختم ہو جائے گی اور معاشرے میں اخلاق بھی باقی نہیں رہے گا اور یوں انسانوں کو انفرادی طور پر اور

معاشروں کو اجتماعی طور پر اخلاق باختہ، بے حیا اور بدکردار بنایا جا سکے گا۔ مغرب میں جنسی صنعت، ذرائع ابلاغ اور تفریحی ادارے یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ انہوں نے تفریح کے نام پر عریانی، فحاشی اور بے راہ روی کو فروغ دیا ہے۔ امریکہ و یورپ میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں اور اسلامی دنیا میں بھی راہیں پیدا کر لی ہیں۔

۳۔ سیاست کو مذہبی اخلاق سے غیر متعلق کرایا گیا ریاست اور اس کے تمام ادارے مذہب و اخلاق سے غیر متعلق کر دیئے گئے۔ سیاست اہل ثروت کا کھیل ہے جس میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو ایک مالی پوزیشن کے حامل ہیں۔ پارٹی سسٹم بھی ایک خاص نہج پر منظم ہے مغربی ممالک کے پارٹی سسٹم میں یہودی پوری طرح دخیل ہیں۔ سیاست کو مذہب سے الگ رکھنے کا نظریہ یورپ میں اپنا لیا گیا ہے اور اسلامی دنیا میں اسے نافذ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ سیاست پوری قوت کے ساتھ مذہب و اخلاق کے حوالے کو سیاست سے دور رکھتی ہے۔

ان تینوں معیارات کے لحاظ سے مغربی معاشرہ ایک سیکولر معاشرہ ہے لیکن یہودیوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہوا ہے۔ امریکہ و یورپ میں یہودیوں کے خلاف بات کرنا ایک امر محال ہے۔

ڈیموکریٹائزیشن:

جمہوری عمل بظاہر پرکشش ہے کہ عوام کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں لیکن عملاً وہ رائے کا اظہار صرف ایک مرتبہ کرتے ہیں اور وہ بھی کسی دوسرے کو ووٹ دینے کی حد تک اور اس کے بعد وہ حکومت کے رحم و کرم پر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انہیں یہ حق ہے کہ وہ مظاہرے کریں اور اگر کوئی پریشر گروپ ہے تو اپنی رائے کے بارے میں لابنگ کرے اور اہل اختیار کو آمادہ کرلے۔ جمہوری عمل کا اصل ہدف مذہبی فریم ورک

ہے۔ چونکہ دینی علم رکھنے والے دین کے حوالے سے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی بات کرتے ہیں جو مستقل نظام اقتدار کے دائرہ میں آتی ہے اس لیے انہیں بے اثر کرنے کے لیے رائے عامہ کی بات کی جائے۔ عامتہ الناس کی ایسی تنظیم کی جائے جو دینی حوالوں سے بات کرنے والوں کی مدمقابل کھڑی ہو، ان کی تحقیر کرے اور انہیں بے تاثیر کردے۔

جمہوری عمل کے نام پر ایسی ہلڑ بازی، ایسی دھونس اور دھاندلی کی جائے کہ شرفاء کے لیے تو کوئی اقدام کرنا ناممکن ہو جاءے۔ ایک مرتبہ اصحاب الرای غیرہ مؤثر ہو گئے تو عوام کو بے راہ رو کرنا آسان ہو جائے گا۔ یہی وہ پالیسی ہے جس پر یہودی ایجنسیاں مصروف عمل ہیں۔ ہر مغربی حکومت اس جمہوری عمل کو تعلقات کے لیے اولین شرط قرار دیتی ہے۔ اسلام کا شورائی نظام عوامی جمہوریت سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع بخش ہے سید مودودی مرحوم نے اس کے لیے Theodemocracy کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن بدقسمتی سے مسلم جماعتیں اس کا صحیح ادراک نہیں کرسکیں اور عوامی ہڑبونگ میں شریک ہو گئیں۔

کمرشلائزیشن:

یہودیوں نے اپنے ہاں سے آخرت کا تصور نکال دیا ہے وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے دنیا کے لیے کئی فلسفے گڑھ لیے ہیں۔ خدا کو بے دخل کرنے، اخلاقی قدروں کو پامال کرنے، اور دینی حوالوں کو بے اثر بنانے میں انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا ہے ان کے نزدیک ہر شے خریدنی و فروختنی ہے۔ سودی نظام انہی کی کارستانی ہے۔ مادہ پرستی انہی کا نظریہ ہے۔ انسانی زندگی کو ایک مادی مشین بنادینے کے بعد ہر چیز کو قابل خرید و فروخت کرنا ہے۔ ایک وقت تھا جب اشتراء کی فلسفے کے تحت نیشنلائزیشن منفعت بخش نعرہ تھا اور اب Privatization عالمی نعرہ ہے۔ انہوں نے پوری دنیا کو مجبور کیا ہے کہ اپنے وسائل ملٹی نیشنلز کے سامنے رکھ دیں۔ مزدور، طریقِ محنت، وسائل پیداوار، صنعت کاری وزراعت تنظیم و تنقید سب پر ان کا کنٹرول ہے یا ان کی ہدایات نافذ ہوتی ہیں۔ تمام بین

الاقوامی ادارے ان کے زیر تصرف ہیں ۔عالمی فنڈ ،عالمی بینک ،تخفیف اسلحہ ،خاندانی منصوبہ بندی، ماحولیاتی تحریکیں، آزادی نسواں تحریکیں، حقوق انسانی تنظیمیں، سب ان کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں ۔مغرب میں ایسی تنظیمیں موجود ہیں ۔جو لوگوں کو خودکشی کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں اور رہنمائی کرتی ہیں یوتھینیز Euthanasial یعنی خود پسند موت ایک اہم مسئلہ ہے جس کے اخلاقی و قانونی پہلوؤں پر مغرب میں بحثیں ہو رہی ہیں یہودیوں کا کہنا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی تعداد محدود ہے اس کی حفاظت کرنا ان کا فرض ہے رہے غیر یہودی تو ان کی ہلاکت، ان کی نسلوں کی تباہی اور فصلوں کی بربادی ان کا مقصد حیات ہے اس کے لیے وہ نت نئے طریقے ایجاد کر رہتے ہیں۔

یہ ہے وہ طریقہ جس کے ذریعے وہ مسلمان معاشروں میں مداخلت کرتے ہیں۔ان ہی طریقوں سے انہوں نے مسلم امہ میں راہیں Inroads پیدا کی ہیں اور اسے غیر مستحکم منتشر بلکہ حواس باختہ کر دیا ہے صہونیوں کا اپنا مفاد اس میں ہے کہ مغربی ملکوں کی وحدت قائم ہو۔امریکہ کی مختلف ریاستوں کی وحدت میں صہونیوں کو Infiltarate کرنے کی آسانی تھی لیکن یورپ کے مختلف ملکوں دارالسلطنتوں کی وجہ سے دقتیں پیش آ رہی تھیں لہذا انہوں نے سارے یورپ کو متحد ہونے کا نعرہ دیا۔یورپ ایک ہو جائے گا، ایک پارلیمنٹ ہوگی، ایک مالیاتی نظام ہوگا اور ایک انتظامی پالیسی ہوگی تو یورپ کو کنٹرول کرنا آسان ہوگا۔

دوسری طرف ان کی پالیسی کا یہ حصہ کہ عالم اسلام مزید ٹکڑوں میں بٹے، صنعتی ترقی نہ ہو، زراعت تباہ ہو، وسائل پر یورپ اور امریکہ کا قبضہ ہو، حکمران دست نگر ہوں، پالیسیاں مغربی ادارے تشکیل دیں ۔عالم اسلام ایک ہجوم اور ایک بھیڑ ہو جسے ہانکنے والے مقامی حکمران ہوں، ہدایات دینے والے بین الاقوامی ادارے ۔ہمارے اہل اختیار اس کام کے لیے ابھی سے تیار بیٹھے ہیں۔قومی وسائل کی نیلامی، کثیر القومی کمپنیوں کا نفوذ بالآخر استعماری قوتوں کے کنٹرول پر منتج ہوگا اور مسلمان معاشرے اپنے سیاسی رہنماؤں کے مرثیے پڑھتے ہوئے اور اپنی غلامی کا ماتم کرتے ہوئے اتنا کہہ سکیں گے۔

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند!

فلسطین اور دہشت گرد یہود!

مختصر تاریخ

❑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے (تیرھویں بارھویں صدی قبل مسیح) سے لے کر یہود فلسطین میں آباد رہے اور یہاں انہیں اقتدار بھی حاصل رہا جس کا نقطہ عروج حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد (۲۶۔۹۶۵ ق۔م) تھا۔ پھر یہودیوں کی مملکت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی: شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل (پایہ تخت سامریہ) اور جنوبی فلسطین اور ادوم میں سلطنت یہودیہ (پایہ تخت یروشلم) دو صدیاں بعد ۷۲۱ ق م میں شاہ اشور سارگون نے سامریہ فتح کر کے دولت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا، ہزاروں اسرائیلی تہ تیغ کیے اور ۲۷ ہزار سے زائد یہودی اشوری سلطنت کے مشرقی حصوں میں تتر بتر کر دیئے۔

❑ سلطنت یہودیہ کو شاہ بابل (عراق) بخت نصر نے ۵۹۸ ق م میں مسخر کر لیا۔ پھر ۵۸۷ ق م میں اس نے یروشلم اور ''ہیکل سلیمانی'' کو پیوند خاک کر دیا اور دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا جنھیں ۵۳۹ ق م میں شاہ فارس خورس (خسرو یا سائرس) نے بابل فتح کر کے رہائی دلائی تو یہودی پھر فلسطین جا آباد ہوئے اور ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔

❑ ۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم (بت پرست یونانی) نے فلسطین پر قبضہ جمایا۔ پھر ۶۳ ق م میں اسے بت پرست رومیوں نے فتح کر لیا۔ اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۴ ق م تا ۲۹ء) یہودیوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے مگر یہودی ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ۷۰ء میں یہودیوں نے بغاوت کی تو رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم کو تاخت و تاراج کیا اور ''ہیکل سلیمانی'' دوسری بار مسمار کر دیا گیا۔ ۱۳۵ء کی یہودی بغاوت کے بعد رومی شہنشاہ ہیڈریان نے یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کر دیا اور یروشلم کو 'ایلیا' کا

نام دیا۔۳۱۳ء میں اگرچہ رومی شہنشاہ قسطنطین اعظم کے عیسائیت قبول کرنے سے تمام رومی سلطنت میں عیسائیت پھیلتی چلی گئی، پھر بھی یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہ ملی۔۱۴ھ/۶۳۶ء میں فاروق اعظمؓ کے عہد میں فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور ایلیا اب بیت المقدس کہلانے لگا۔۱۳۷ء میں فلسطین سے جلاوطنی کے بعد ۱۷۰۰ برس تک یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی۔اس دوران ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء تک بیت المقدس پر مسیحی صلیبیوں کا قبضہ رہا۔

❑ صدیوں کی جہاں گردی کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کرنے کی غرض سے باَقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام کیا، اس کا آغاز ۱۸۸۰ء میں کئی یہودی خاندانوں کی فلسطین کی طرف ہجرت سے ہوا۔

❑ پھر ۱۸۹۷ء میں ''صیہونی تحریک'' معرض وجود میں آئی، جس کا بنیادی نصب العین فلسطین پر قبضہ کرنا اور ''ہیکل سلیمانی'' کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لیے عملی جدوجہد کرنا تھا، بڑے بڑے یہودی مالداروں نے اس تحریک کی پشت پناہی کی، اور فلسطین کی زمینیں خریدنے اور وہاں یہودی بستیاں تعمیر کرنے کی غرض سے ان کی مدد کی۔

❑ اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں ہرٹزل نے ترکی خلیفہ سلطان عبدالحمید کو لالچ دینا چاہا کہ اگر وہ سرزمین فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کی اجازت دے دیں تو یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں۔لیکن سلطان نے اس پیشکش کو انتہائی حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا اور کہا: اس وطن کی سرزمین جسے ہمارے آباؤاجداد نے خون دے کر حاصل کیا تھا، چند درہموں کے بدلے نہیں بیچی جائے گی ہم اس وطن کی ایک بالشت برابر زمین بھی اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک اس پر ہمارا خون نہ بہہ جائے۔اس پر یہودی سلطان کے خلاف سرگرم عمل ہوگئے اور بالآخر ۱۹۰۸ء میں انھیں خلافت سے معزول اور ترکی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

❑ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو برطانیوں کی سازش سے ترک اور عرب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے۔ ترک جرمنی کے اور عرب برطانیہ کے حلیف تھے۔ اس دوران میں ''وائز مین'' نامی ایک یہودی نے انگریزوں کو پیش کش کی تھی کہ اگر وہ جرمنی پر فتح حاصل کرنے کے بعد فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کا قومی وطن قائم کر دیں تو اس جنگ میں یہودیوں کے سارے خزانے ان کے قدموں تلے قربان کر دیے جائیں گے۔ ''وائز مین'' اس یہودی تحریک کا لیڈر تھا جو فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کے لیے سرگرم تھی۔ آخر کار وہ ۱۹۱۷ء میں انگریزوں سے یہ وعدہ لینے میں کامیاب ہو گیا کہ فتح کی صورت میں وہ فلسطین کو ایک آزاد یہودی وطن بنائیں گے۔ یہ وعدہ ''اعلان بالفور'' کے نام سے مشہور اور انگریزوں کے ماتھے پر بدنما داغ ہے جسے وہ کبھی دھو نہیں سکتے، کیونکہ فلسطین کی سرزمین عربوں کی تھی نہ انگریزوں کی، اس لیے انھیں اس کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا۔ یاد رہے کہ بالفور برطانوی وزیر خارجہ تھا۔

❑ معاہدہ بالفور کے مطابق انگریزوں نے ولد الزنا لارنس آف عریبیا کی قیادت میں سازش کا جال پھیلایا۔ گورنر مکہ شریف حسین لارنس کے فریب میں آ کر ترکوں سے غداری پر آمادہ ہو گیا جس سے سلطنت عثمانیہ کی فوجی قوت کو بڑا ضعف پہنچا اور اس کے نتیجے میں فلسطین اور عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی جرنیل ایلن بی فاتحانہ طور پر بیت المقدس میں داخل ہوا اور تب اس نے بڑے فخر سے کہا: ''میں آخری صلیبی ہوں''۔ اس جملے کا مفہوم یہ تھا کہ بیت المقدس پر قبضے کے لیے یورپی مسیحیوں نے ۱۰۹۶ء میں صلیبی جنگوں کے جس سلسلے کا آغاز کیا تھا، اس کا اختتام اب ہوا ہے۔

❑ ۱۹۱۷ء میں فلسطین کی یہودی آبادی محض چھپن ہزار تھی، لیکن پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کی فتح کے ساتھ ہی ''اعلان بالفور'' پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا، اور یہودیوں نے فلسطین کی جانب دھڑا دھڑ ہجرت شروع کر دی، چنانچہ ۱۹۲۲ء تک فلسطین میں یہودیوں کی آبادی ۸۳ ہزار تک جا پہنچی۔

❏ ۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) نے فلسطین پر حکومت کرنے کا عارضی اختیار برطانیہ کو سونپ دیا، اور پوری بے شرمیکے ساتھ اسے ہدایت کی کہ فلسطین کے حکومتی نظم ونسق میں یہودی تنظیموں کو با قاعدہ طور پر شریک کیا جائے! حالانکہ یہ لوگ فلسطین کے اصل باشندے نہ تھے، باہر سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے، (فلسطین کے اصل باشندے تو فلستی وغیرہ تھے جو بنی اسرائیل کے فلسطین میں داخل ہونے سے بھی پہلے یہاں آباد تھے یا یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد یہاں آباد ہونے والے عرب تھے، اور وہی لوگ پہلے عیسائی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور انھی کے نام پر یہ سرزمین فلسطین کہلاتی ہے) اور جہاں تک فلسطین کے اصل باشندوں کا تعلق ہے تو ان کے متعلق مجلس اقوام کے مینڈیٹ میں محض اتنا کہا گیا کہ ان کے مذہبی اور شہری حقوق کا تحفظ کیا جائے، باقی سیاسی حقوق میں ان کی شرکت کا مطلق ذکر نہیں تھا!

❏ برطانوی انتداب کے زمانے میں یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا کام منظم انداز میں کیا گیا، چنانچہ فلسطین کی زمینیں حاصل کرنے کے لیے یہودیوں نے خزانوں کے منہ کھول دیے، عربوں پر ٹیکس لگائے گئے، اور ٹیکسوں کے بقایا کا بہانہ بنا کر ان کی زمینیں ضبط کو کے انھیں یہودیوں کی جھولی میں ڈال دیا گیا، پھر دوسری جنگ عظیم کے دوران بھی یہودی، فوج در فوج، فلسطین میں داخل ہوئے اور انگریزوں نے انہیں تمام سہولتیں مہیا کیں، اور یوں ۱۹۴۷ء تک یہودیوں کی تعداد تراسی ہزار سے بڑھ کر ساڑھے چار لاکھ تک جا پہنچی!

❏ ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں پیش کر دیا، چنانچہ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کیا، اس فیصلے کے مطابق فلسطین کا پچپن فیصد رقبہ یہودیوں کو اور پینتالیس فیصد رقبہ عربوں کو دیا گیا! یہ تقسیم انتہائی ظالمانہ اور بدنیتی پر مبنی تھی، کیونکہ اس وقت فلسطین میں عرب آبادی سڑسٹھ فیصد اور یہودی آبادی تینتیس فیصد تھی، لیکن یہودی اس ظالمانہ تقسیم پر بھی راضی نہ ہوئے اور مار دھاڑ کر کے عربوں کو ان کی زمینوں سے نکالنا شروع کر دیا۔

❑ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے اپنے قومی وطن 'اسرائیل' قیام کا اعلان کر دیا، جسے امریکہ، روس اور برطانیہ نے سب سے پہلے تسلیم کیا، اس وقت پڑوسی عرب ممالک نے فلسطینی مسلمانوں کی مدد کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کیں، لیکن ''اسرائیل'' زبردست جنگی طاقت حاصل کر چکا تھا، سو عرب ممالک اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے، بلکہ نومبر ۱۹۴۸ء میں جب اقوام متحدہ نے جنگ بندی کا اعلان کیا تو اس وقت تک اسرائیل فلسطین کے اٹھہتر فیصد رقبے پر قبضہ کر چکا تھا۔ اردن نے مشرقی بیت المقدس کو یہودیوں کے قبضے میں جانے سے بچالیا جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔

❑ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ مین اسرئیل نے باقی ماندہ بیت المقدس کے علاوہ مصری صحرائے سینا اور شام کی جولان کی پہاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ یوں مسلمانوں کے قبلہ اول کا شہر بیت المقدس انیس برس بعد پھر غیر مسلموں کے تسلط میں چلا گیا۔

بیت المقدس اور یہود

بیت المقدس کو یہودی شہر قرار دینے کی کوششیں:

جب سے یہودیوں نے ''بیت المقدس'' پر قبضہ کیا ہے تب سے اسے ''یہودی شہر'' باور کرانے کی غرض سے ان کی طرف سے متعدد اقدامات کیے گئے ہیں، ان اقدامات کی کچھ تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں، اور دیگر تفاصیل کچھ یوں ہیں:

❑ کسی بھی جگہ کے اسلامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل 'مسجد' ہوتی ہے جہاں سے دن اور رات میں پانچ مرتبہ صدائے تکبیر بلند ہوتی ہے اور مسلمان بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں مسجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے اب تک بیت المقدس کی بیسیوں اور پورے فلسطین کی سینکڑوں مساجد کو زمین بوس کر دیا ہے، بلکہ ان میں سے کئی مساجد کو یہودی عبادت خانوں، شراب خانوں، کلبوں اور ہوٹلوں میں تبدیل کر لیا ہے، یہ سب کچھ اس بات کو مد نظر رکھ کر کیا جا رہا ہے کہ یہودیوں کی آئندہ نسلیں جب

سن شعور کو پہنچیں تو وہ بیت المقدس کے اسلامی شہر ہونے کا تصور ہی نہ کر سکیں اور انھیں بس اتنا معلوم ہو کہ یہ شہر یہودیوں ہی کا شہر ہے، مسلمانوں کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

❑ بیت المقدس کے اندر مسلمانوں کے کئی قبرستان واقع ہیں، یہودیوں نے ان کی اسلامی شکل کو مٹانا شروع کر دیا ہے، چنانچہ کئی قبروں پر عبرانی زبان میں جو کہ یہودیوں کی سرکاری زبان ہے، کتبے لکھ کر لگا دیئے گئے ہیں، اور کئی قبروں کو یہودیوں کی روحانی شخصیات کی قبریں قرار دے کر انھیں مزارات میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اس سے بھی یہودیوں کی آئندہ نسلوں کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ اس شہر میں محض یہودی آباد رہے ہیں، کیونکہ اگر اس میں مسلمان رہے ہوتے تو اس میں ان کی قبریں موجود ہوتیں!

❑ کئی جگہوں پر کچھ بھی نہ تھا، محض جھوٹا دعویٰ کر کے یہودیوں نے یہ باور کرایا کہ یہ جگہیں یہودیوں کی تاریخی، روحانی اور قابل احترام جگہیں ہیں، اور مسلمانوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پھر اسی دعوے کی بناء پر ان جگہوں کے مسلمان مالکان کو نکال باہر کیا گیا، وہاں اچھی اچھی عمارات بنادی گئیں، بلکہ آس پاس کے گھروں کو بھی منہدم کر کے وہاں کھلے میدان بنا دیے گئے، پھر ان کی طرف جانے والے راستوں کو پختہ کر کے سجا دیا گیا اور ان پر عبرانی زبان میں تختیاں لگا دی گئیں تا کہ یہ ثابت ہو کہ یہ جگہیں واقعتاً یہودیوں کی تاریخی اور روحانی جگہیں ہیں۔ انہی جگہوں میں سے ایک جگہ (حی المغاربہ) بھی ہے جسے یہودیوں نے ۱۹۶۷ء میں یہ دعوی کرتے ہوئے مکمل طور پر گرا دیا تھا کہ اس کے پڑوس میں واقع دیوار گریہ (حائط المبکی یا Wailing Wall) ہیکل سلیمانی کا بقیہ حصہ ہے، لہذا اس پر یہودیوں کا حق ہے نہ کہ مسلمانوں کا، یاد رہے کہ (حی المغاربہ) نامی اس پورے محلے کو اہل مغرب (مراکشیوں) نے تعمیر کیا تھا اور اسے ان مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا، جو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے یا طلب علم کی خاطر بیت المقدس آتے تھے تا کہ وہ اس محلے میں قیام کریں اور جب یہودیوں نے اسے گرایا تھا اس وقت اس میں مسلمانوں کے ایک سو پینتیس خاندان آباد تھے، جو بعد میں بے گھر ہو گئے، اس کے علاوہ اس میں چار عدد مسجدیں بھی تھیں، جنھیں نیست

ونابود کر دیا گیا، اور ایک عدد مدرسہ، مدرسہ افضیلۃ کے نام سے بھی تھا جسے مملکوک سلطان الملک الافضل نے چھٹی صدی میں تعمیر کر کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

❑ اور جہاں تک دیوار گریہ پر یہودیوں کے حق کا تعلق ہے تو یہ محض ایک دعوی ہے جس کی بنیاد جھوٹ کے سوا کچھ نہیں، بلکہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ برطانوی انتداب کے دور میں جب یہودیوں نے اس دیور کی ملکیت کا دعوی کیا تھا اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے ایک تحریک ''ثورۃ البرق'' کے نام سے شروع کی تھی، تو یہ مسئلہ لیگ آف نیشنز میں پیش ہوا تھا، اور یہودی چونکہ اپنے اس دعوے کا کوئی دستاویز پیش نہیں کر سکے تھے اس لیے مجلس اقوام نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں فیصلہ سنایا تھا کہ یہ دیوار صرف مسلمانوں کی ملکیت ہے اور مسجد اقصیٰ کا حصہ ہے۔

❑ کچھ عرصہ پہلے ''اسرائیل'' میں شراب کی ایسی بوتلیں منظر عام پر آئی تھیں جن پر مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، اور عبرانی زبان میں ان پر کوئی عبارت بھی لکھی ہوئی تھی، اس حرکت کے پیچھے یہودیوں کی مکارانہ سوچ تھی اور اس کا یہ مقصد باور کرانا تھا کہ مسجد اقصیٰ کی یہودیوں کے ہاں قطعا کوئی حیثیت نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کے بچے بچے کو یہ سبق پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمان ظالم قوم ہیں، کیونکہ انھوں نے ہیکل سلیمانی کی جگہ پر مسجد تعمیر کر دیا ہے۔ اس لئے اسے گرانا اور اس کی جگہ پر ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنا ہر یہودی پر فرض ہے۔ ان تمام واقعات کے علاوہ ایک اور اہم قدم یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ بیت المقدس میں مسلمانوں کی زمینیں یہودیوں کے نام الاٹ کی جا رہی ہیں، مسلمانوں کو ان سے بے دخل کر کے وہاں یہودی آباد کاری کی ایک زبردست مہم جاری ہے، یہودیوں کی رہائش کے لیے نئی نئی بستیاں مسلمانوں کی زمینوں پر تعمیر کی جا رہی ہیں، اور جو ہزاروں مسلمانوں یہودیوں کے مظالم سے تنگ آ کر وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے ہیں نہ صرف یہ کہ ان کی زمینوں، جائیدادوں اور تمام املاک کو ضبط کر لیا گیا ہے، بلکہ ان سے حق واپسی بھی چھین لیا گیا ہے۔

❑ بیت المقدس کی سڑکوں کے اسلامی نام یہودی ناموں میں تبدیل کر دیے گئے ہیں اور اسرائیل نے بیت المقدس کو اپنا دار الحکومت قرار دے کر بڑے بڑے سرکاری محکموں کو بیت المقدس میں منتقل کر دیا ہے۔

بیت المقدس میں یہودی آبادی

﴿تاریخ کے آئینے میں﴾

سال	تعداد
۶۳۶ء	ایک یہودی بھی نہ تھا
۱۲۶۷ء	دو یہودی خاندان
۱۵۶۰ء	۱۱۵ یہودی
۱۶۷۰ء	۱۵۰ یہودی
۱۸۳۸ء	۳۰۰۰ یہودی
۱۸۴۴ء	۷۱۲۰ یہودی
۱۸۷۶ء	۱۲۰۰۰ یہودی
۱۸۹۶ء	۲۸۱۲۲ یہودی
۱۹۲۲ء	۳۳۹۷۰ یہودی
۱۹۳۱ء	۵۱۲۲۲ یہودی
۱۹۴۴ء	۹۷۰۰۰ یہودی
۱۹۶۷ء	۱۹۷۷۰۵ یہودی
۱۹۷۵ء	۲۵۹۴۰۰ یہودی
۱۹۸۵ء	۲۷۷۰۰۰ یہودی
۱۹۹۳ء	۴۰۶۴۰۰ یہودی
۱۹۹۸ء	۴۲۰۰۰۰ یہودی

مسجد اقصیٰ کو گرانے کی یہودی کوششیں:

اس دعوے کے پیش نظر کہ چونکہ مسجد اقصیٰ کی عمارت ہیکل سلیمانی پر قائم ہے اس لئے اسے گرا کر ہیکل کی دوبارہ تعمیر یہودیوں کا دینی فریضہ ہے، یہودی اسے نیست و نابود کر دینے پر تلے ہوئے ہیں، بلکہ اس سنگین جرم کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، اب صرف تنفید باقی ہے، چنانچہ انہدام کے ضروری آلات اور اس کی مشینیں تیار ہیں، جھوٹے ہیکل کا ڈھانچہ اور اس میں جن جن چیزوں کو نصب کیا جائے گا، وہ سب تیار کی جا چکی ہیں۔ اب صرف وقت'' کا انتظار ہے!

یہودی اس مقصد کے حصول کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کر رہے ہیں، ذیل میں ہم انھیں قدرے اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

- اسرائیلی یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں میں نوجوان طالب علموں کو مسجد اقصیٰ کے خلاف آخری قدم اٹھانے پر ابھارنے کے لیے ان کے ذہنوں میں ہیکل کی اہمیت کو خوب اچھی طرح سے بٹھایا جا رہا ہے۔ جگہ جگہ ایسے اسٹکر ز لگائے جا رہے ہیں جن پر ہیکل کا نقشہ بنا ہوا ہے، اور ان عبرانی زبان میں لکھا ہوا ہے: اے یہودی! اس کی تعمیر کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔
- شدت پسند یہودیوں نے ریڈیو اسرائیل کے متعدد پرائیویٹ چینل قائم کر رکھے ہیں جن کے ذریعے مسجد اقصیٰ کے انہدام اور ہیکل کی تعمیر کے لیے زبردست اور انتہائی زہر آلود مہم چلائی جا رہی ہے۔
- بیت المقدس میں کچھ عرصہ پہلے ایک کنونشن منعقد کیا گیا جس مین یہودی قبیلہ (لیفی) کے کئی لوگوں کو ہیکل کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد اس کی نگرانی کے لیے تربیت دی گئی، اور انھیں اس ''عظیم'' خدمت کے لیے تیار کیا گیا۔
- بیت المقدس میں یہودیوں نے متعدد چھوٹے چھوٹے ہیکل تعمیر کر رکھے ہیں، اور

دنیا بھر کے یہودیوں کو اسرائیل آنے کی دعوت دے کر انھیں یہ چھوٹے چھوٹے ہیکل دکھائے جاتے ہیں اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے انہدام کے بعد انھی کی طرح کا ایک بڑا ہیکل اس کی جگہ پر تعمیر کیا جائے گا، اور اس کے لیے اتنا سرمایہ درکار ہوگا، چنانچہ زیارت کے لیے آئے ہوئے یہ یہودی ''دینی کام'' کے لیے حسب توفیق چندے دیتے ہیں۔

- ❑ بیت المقدس کی سڑکوں پر ہر روز ایسی گاڑیاں گردش کرتی رہتی ہیں جن سے یہودیوں کے جذبات کو نغموں اور اشعار سے بھڑکایا جاتا ہے اور انھیں تعمیر ہیکل کے فریضے کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔
- ❑ انتہا پسند یہودیوں کو اسرائیلی ''عدالت انصاف'' کی طرف سے اجازت دی گئی ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں جب چاہیں اور جیسے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں، اس میں گھوم پھر سکتے ہیں اور یہودی طریقے کے مطابق اس میں ''عبادت'' بھی کر سکتے ہیں۔
- ❑ ہیکل کی تزئین اور سجاوٹ کے لیے متعدد فانوس بنا دیے گئے ہیں، جن میں اب تک بیالیس کلو سونا لگایا جا چکا ہے۔
- ❑ یہودیوں کی متعدد انتہا پسند تنظیموں نے مل کر ایک ''معہد'' بنایا ہے جس میں ہیکل کی تعمیر و تزئین کے لیے مطلوب کئی آلات اور مشینوں کی بناوٹ کے لیے دن رات کام ہو رہا ہے۔
- ❑ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے اسرائیل میں جو یہودی جماعتیں مصروف عمل ہیں ان کے دنیا بھر میں دفاتر قائم ہیں، جن کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو اس مقصد کے لیے ہموار کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں یہودی سرمایہ داروں سے بھاری رقوم جمع کی جا رہی ہیں۔
- ❑ مسجد اقصیٰ میں آئے دن سر پھرے اور مسلح یہودی داخل ہو جاتے ہیں اور اس کے تقدس کو پامال کرنے کے علاوہ نمازیوں کو دھمکیاں دیتے ہیں، بلکہ اس میں غیر اخلاقی

حرکتیں اور شراب نوشی بھی کرتے ہیں، تاکہ مسلمان مشتعل ہوں اور انھیں ان کو قتل کرنے اور مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچانے کے مواقع میسر آئیں۔

ایک خطرناک اقدام:

مسجد اقصیٰ گرا کر اس کی جگہ ہیکل کی تعمیر کے لیے مندرجہ بالا اقدامات کے علاوہ یہودیوں نے اب تک جو سب سے زیادہ خطرناک اقدام کیا ہے وہ ہے اس کے نیچے سرنگیں اور گڑھے کھودنے کا اقدام، چنانچہ ۱۹۶۷ء میں پورے بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضے کے بعد مسجد اقصیٰ کے نیچے متعدد سرنگیں کھودی گئیں۔ اگرچہ یہودیوں کا دعوی یہ ہے کہ اس کے پیچھے ان کا مقصد ہیکل کے قدیم آثار کو ڈھونڈنا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصل مقصد مسجد اقصیٰ کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا ہے تاکہ اگر زلزلہ آئے، یا اس کے قریب کوئی زور دار دھماکہ ہو، یا طوفان وغیرہ آئے تو مسجد خود بخود منہدم ہو جائے، اور یوں ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے'' کے محاورے کے مطابق مسجد بھی ختم ہو جائے اور یہودیوں پر الزام بھی نہ آئے!

سرنگیں کھودنے کا یہ کام اس وقت شروع ہوا جب یہودیوں نے ''حائط البراق'' کے سامنے والے محلے (حی المغاربہ) مکمل طور پر زمین بوس کر کے اسے خالی میدان میں تبدیل کر دیا تھا، پھر اس میدان کے نیچے سرنگیں کھودنے کی خطرناک مہم کا آغاز ہوا۔ اسی طرح مسجد اقصیٰ کی چاروں جانب مسلمانوں کے گھروں کو گرا کر اس جگہ یہودی دینی مدارس، سکول اور ہوٹل وغیرہ تعمیر کیے گئے اور پھر ان کے نیچے سرنگیں کھود کر انہیں مسجد اقصیٰ کی بنیادوں تک پہنچا دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں یہ سرنگیں مسجد اقصیٰ کے صحن کے نیچے تک اور ۱۹۷۶ء میں اس کی مغربی دیوار تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کے بعد ان میں مزید توسیع کی گئی، اور ۱۹۸۸ء میں انھیں ''قبۃ الصخرۃ'' کی بنیادوں کے قریب قریب پہنچا دیا گیا، یوں یہ ساری کاروائی یقینی طور پر مسجد اقصیٰ کو خطۂ زمین سے مٹا دینے کے لیے کی جا رہی ہے۔

چند شبہات اور ان کے جوابات

حضرات انبیاء کے ورثا کون؟

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرات انبیاء (ابراہیم، اسحاق، یعقوب، داؤد، سلیمان، علیہ السلام) کے ورثا ہیں جو کہ سرزمین فلسطین پر مبعوث ہوئے، اس لیے فلسطین میں اقامت اور اس پر حکومت کرنے کا اختیار صرف انہی کا ہے، حالانکہ یہودی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے سے انکار کیا، اور اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا، فرمان الٰہی ہے:

”وقالت الیھود عزیز ابن الله “(التوبة۔۳۰)

”یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں“

لہٰذا اللہ کو وحدہ لاشریک نہ ماننے والے لوگ انبیاء کے ورثا کس طرح ہو سکتے ہیں!

اور جہاں تک خود انبیاء کا تعلق ہے تو یہودی انھیں انتہائی برے اوصاف سے یاد کرتے ہیں بلکہ ان پر تہمتیں اور بہتان بھی لگاتے ہیں، چنانچہ:

- یہودیوں کے نزدیک نوح علیہ السلام ایک نشہ باز اور مست آدمی تھے، اپنے گھر میں ننگے ہو جاتے تھے اور ان کے بیٹے انھیں دیکھ کر مذاق اڑایا کرتے تھے۔ (سفر التکوین الاصحاح ۹)
- اور لوط علیہ السلام کے متعلق یہود کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا تھا، جس سے وہ حاملہ ہو گئیں تھیں! (سفر التکوین: ۱۹۔۳۰)
- اور جد الانبیاء علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ایک طمع پرست انسان تھے، اور سوائے مال و دولت جمع کرنے کے انھیں کوئی فکر نہیں تھی، اور مال ہی کے لالچ

مین وہ اپنی خوبصورت بیوی تک بادشاہوں کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے!(ایضا)

- اور داوٗد علیہ السلام کے بارے مین ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی فوج کے ایک شخص کی بیوی سے زنا کیا تھا اور اپنے اس جرم کو چھپانے کے لیے انھوں نے الٹا اس عورت کے خاوند پر قتل کی تہمت لگادی تھی!
- اور سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ آپ اسی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جس سے داوٗد علیہ السلام نے زنا کیا تھا!

تو یہودیوں نے ان انبیاء کرام علیہ السلام پر مذکورہ گھناوٗنے الزامات لگائے ،جن سے یقینی طور پر وہ بری ہیں اور ان کے متعلق ان جرائم کا تصور کرنا بھی درست نہیں ہے۔

پھر تیسری بات یہ کہ یہودی ان ابنیاء کے دین کو بھی تسلیم نہیں کرتے ،کیونکہ سب کے سب نبیوں کا دین اسلام تھا،اور وہ دین اسلام ہی کی طرف اپنی امتوں کو دعوت دیتے رہے۔

خلاصۂ کلام :یہودیوں کا یہ دعوی کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں ،کس طرح درست ہوسکتا ہے جبکہ وہ نہ اللہ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں ،اور نہ انبیاء کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں اور انہ ان کے دین پر ایمان لاتے ہیں !اور حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کے سچے ورثا تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کو تمام عیوب ونقائص سے پاک اور انبیاء کو معصوم مانتے ہیں اور اسلام ہی کو اللہ کا دین تصور کرتے ہیں۔

کیا یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں؟

یہودیوں کا ایک دعوی یہ بھی ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے اور انھی کے پیروکار ہیں ،اور چونکہ انکا لقب ''اسرائیل'' تھا اس لیے انہوں نے بھی اپنی ملکیت کا نام ''اسرائیل'' رکھا ہے!

ان کا یہ دعوی جھوٹا ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام مسلمان بنی تھے،اور انہوں نے

اپنے بیٹوں کو بھی دین اسلام پر ہی قائم رہنے اور اسی پر مرنے کا حکم دیا تھا، فرمان الٰہی ہے:

"ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب یبنیّ ان اللہ اصطفی لکم الدین فلاتموتن الا وانتم مسلمون "(البقرۃ۔۲/۱۳۲)

"اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا ہے، خبردار تم مسلمان ہی مرنا"

تو کیا یہودی مسلمان ہیں؟ جب وہ مسلمان نہیں تو وہ اپنے اس دعوے میں کیونکر حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ ہو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے اور ان کی پیروکار ہیں؟

اور جہاں تک یہودی مملکت کے نام کا تعلق ہے تو یہ محض رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ جس سرزمین پر ان کی یہ مملکت قائم کی گئی ہے وہ فلسطینی مسلمانوں سے چھینی گئی ہے، ان کی اپنی نہیں، اس لیے چھینی ہوئی زمین پر "اسرائیل" جیسے خوشنما نام کا اطلاق محض دھوکہ اور فراڈ ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

کیا سرزمین فلسطین کی وراثت کا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا؟

یہودیوں کا دعوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے فلسطین اور اس کے اردگرد کی زمین کا، جس کی سرحدیں نیل سے فرات تک پھیلی ہوئی ہیں، مالک ووارث بنائے گا تاکہ یہاں پر وہ اپنا وطن قائم کر سکیں، چنانچہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے:

"لنسلك اعطیی ھذہ الارض من نھر مصرالی النھر الکبیر نھر فرات"

"دریائے مصر (نیل) سے لے کر دریائے فرات تک کی سرزمین تیری نسل کو دے دی گئی ہے" (سفر یوشع الاصحاح ۱۵ فقرہ: ۱۸)

اور یہ دعوی بھی دوسری دعووں کی طرح جھوٹا ہے کیونکہ:

❑ حضرت ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی تھے، بلکہ وہ تو مسلمان تھے،فرمان الٰہی ہے:

"ماكان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما وماكان من المشركين ٥ان اولى الناس بابراهيم للذين اتبعوه وهذا النبى والذين امنو والله ولى المؤمنين "(آل عمران۔۳/ ۶۷، ۶۸)

''ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو مخلص مسلمان تھے۔اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔تمام لوگوں میں ابرہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہین جنہوں نے ان کا کہامانا اور(اسی طرح قربت میں)یہ نبی (محمد ﷺ)اور(یہ)مومن ہیں،ان مومنوں کا سہارااللہ ہی ہے۔''

❑ اگر ہم یہود کا یہ دعوی بالفرض درست بھی تسلیم کرلیں تو تورات کے مطابق یہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت کیا گیا تھا جب آپ کی اولاد میں صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے،تو گویا یہ وعدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کے لیے تھا نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے کیونکہ وہ تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے،پس اس سے ثابت ہوا کہ اس وعدے کے اصل مستحق عرب ہیں نہ کہ یہودی!

❑ تورات میں اس وعدے کے متعلق یہ بھی موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ وعدہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے،پھر ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے،اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام سے کیا گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ یہودیوں کا اپنا گھڑا ہوا ہے،جس کا مقصد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کو سرزمین فلسطین سے لاتعلق ثابت کرنا اور یہ جتانا کہ اس کے حقدار صرف یہودی ہیں۔

❑ پوری دنیا میں اب جتنے یہودی موجود ہیں یہ سرے سے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں ہی نہیں بلکہ تاریخی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان کی بنیاد مختلف النسل اقوام ہیں اور ان میں ۹۲ فیصد لوگ وہ ہیں جو مشرقی یورپ میں رہائش پذیر تھے

،انہوں نے ۲۰ے ء میں اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کر دیا تھا،اور خود ان کی کتاب ''العہد القدیم''(Old Testament) کے مطابق ان کے آباؤاجداد سرزمین فلسطین پر کبھی آئے ہی نہ تھے۔

❑ موجودہ دور کے یہودیون کا دعوی ہے کہ ان کا تعلق پرانے بنواسرائیل سے ہے،یہ بھی ایک جھوٹا دعوی ہے کہ کیونکہ پہلی دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے بنواسرائیل کی نسل کشی کی مہم میں انہیں نیست ونابود کر دیا تھا،اور ان میں جو باقی بچے تھے انہوں نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا،یا وہ بچ بچا کر سوریا،مصر اور شمالی افریقہ میں جا کر اباد ہو گئے تھے۔اسلام کے آنے کے بعد ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا،اور عرب لوگوں میں گھل مل گئے تھے،اور ان میں جو لوگ یورپ وغیرہ میں چلے گئے تھے وہ بھی وہاں رہنے والی مختلف النسل قومون میں مختلط ہو گئے تھے،اس لیے کہ کہنا کہ ان کا خون بنواسرائیل کا اصلی خون ہے۔

❑ ہم مسلمانوں کا دعوی ہے کہ بیت المقدس اور فلسطین کی سرزمین ہماری ہے، کیونکہ یہاں انبیاء کرام مبعوث ہوئے تھے جن کا دین اسلام تھا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سرزمین انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے۔

❑ قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ کے واقعۂ معراج کا ذکر کیا گیا ہے،اور یہ کہ آپ ﷺ کو مسجد اقصی کی سیر کرائی گئی ،تو بیت المقدس میں آپ کی آمد اور اسے ''اقصی'' کے نام سے موسوم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سرزمین آنحضور ﷺ کے متبعین کی ہے کیونکہ مسجد کا تصور صرف مسلمانون کے ہاں ہے یہودیوں کے ہاں نہیں ہے۔

کیا مسجد اقصی ''ہیکل سلیمانی'' کی جگہ پر بنائی گئی ہے؟

یہودیوں کا ایک دعوی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے مسجد اقصی کو''ہیکل سلیمانی'' کی جگہ پر تعمیر کیا ہے،اس لئے اسے گرا کر دوبارہ ہیکل کی تعمیر ضروری ہے!

ان کا یہ دعوی بھی جھوٹ اور من گھڑت کہانیوں پر مبنی ہے کیونکہ مسجد اقصیٰ جس جگہ پر واقع ہے اس کا تقدس تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے، یعنی حضرت سلیمانؑ کی آمد سے بھی پہلے یہ جگہ مقدس سمجھی جاتی تھی، اس لیے اس کے متعلق یہ باور کرانا کہ اس جگہ کا تقدس ہیکل کی وجہ سے ہے بالکل غلط ہے۔ اور قرآن مجید نے بھی اسے ''مسجد'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ''ہیکل'' کے لفظ سے نہیں۔ نیز خود حضرت سلیمانؑ نے بھی ''مسجد'' ہی کی تجدید کی تھی، ہیکل نام کی کوئی چیز نہیں بنائی تھی، جیسا کہ صحیح روایات میں یہ بات موجود ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ''ہیکل'' کے متعلق تمام اخرافات تحریف شدہ تورات سے آئی ہیں جن کی قطعاً کوئی سند نہیں۔

کیا یہودی اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں؟

یہودی ایک دعوی یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم ہیں، اس لیے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا حق صرف انہی کا ہے، نیز ان کے علاوہ جتنی قومیں موجود ہیں وہ سب کی سب یہودیوں کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں!

اس دعوے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر کسی قوم کو دوسری قوم پر فضیلت نہیں دی، بلکہ تمام اقوام اپنی اصل کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں، فرمان الٰہی ہے:

"ولقد خلقنا الانسٰن من سلٰلة من طين ○ ثم جعلنٰه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظم لحما ثم انشاء نه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخلقين"

''یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔ پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا، پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، پھر دوسری

بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔" (المؤمنون۔١٢ تا ١٤)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نے تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے، ایسا نہیں کہ کسی کو مٹی سے، کسی کو پیتل سے، کسی کو چاندی سے اور کسی کو سونے سے پیدا کیا ہو، اور اللہ کے ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہے تو وہ محض تقوی کی بنیاد پر ہے، فرمان الٰہی ہے:

"یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم" (الحجرات۔١٣)

"اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دیے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔"

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اس نے بنو اسرائیل کو ان کے زمانے میں دوسروں پر فضیلت اس لئے دی تھی کہ وہ اللہ کے احکامات کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں اور اس کے فرمانبردار بندے بن جائیں، چنانچہ یہ فضیلت کسی خاص نسل یا خاص رنگ کی بنا پر ہرگز نہ تھی یہ ان کے لیے ایک آزمائش تھی کہ کیا وہ اس نعمت پر اللہ کے شکر گزار بندے بنتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں! فرمان الٰہی ہے:

"ولقد اخترنھم علی علم علی العلمین ○ و اٰتینھم من الایت مافیہ بلؤ مبین"

"اور ہم نے دانستہ طور پر بنو اسرائیل کو دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی، اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں واضح آزمائش تھی۔" (الدخان۔٣٢، ٣٣)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے "فضیلت اور" "آزمائش دونوں کو جمع کر دیا ہے، جس کا مقصد بالکل واضح ہے کہ اگر انہیں ان کے زمانے کے لوگوں پر فوقیت دی گئی تھی تو وہ محض ان کی آزمائش کے لیے تھی، تو کیا وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے تھے؟

قرآن مجید کے علاوہ خود ان کی اپنی کتابیں بھی شاہد ہیں کہ یہ لوگ اس آزمائش میں بری طرح ناکام ہوئے ، انہوں نے اللہ کے دین کو تبدیل کر ڈالا ، وحی الٰہی میں جھوٹ اور خرافات کو شامل کر دیا اور اللہ کے ہر حکم کی نافرنی کی ، اس کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور یہ اس کی لعنت کے مستحق ٹھہرے ، فرمان الٰہی ہے:

"وضربت عليهم الذلة والمسكنة وبآئو بغضب من الله ذلك بانهم كانو يكفرون بايت الله ويقتلون النبين بغير الحق ذلك بماعصوا و كانو يعتدون "

''اور ان پر ذلت اور مسکنت کو مسلط کر دیا گیا ، اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے ، اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے ، یہ محض ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔'' (البقرۃ ۔۶۱)

اور قرآن مجید نے ان کے اس دعوے کا جواب دو طرح سے دیا ہے:

ایک یہ اگر یہ لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو انہیں موت کی تمنا کرنی چاہئے ، تاکہ یہ اس بہترین انجام کو پہنچ جائیں جو اللہ نے اپنے پسندیدہ لوگوں کے لیے لکھ رکھا ہے ، فرمان الٰہی ہے:

"قل يايها الذين هادو ان زعمتم انكم اوليا الله من دون الناس فتمنو الموت ان كنتم صدقين ٥ولا يتمنونه ابدا بماقدمت ايديهم الله اعلم بالظلمين " (الجمعۃ ۶۲/۶ ۔ ۷)

''کہہ دیجئے: اے یہودیو! اگر تمہارا دعوی ہے کہ دوسرے لوگون کے سوا تم ہی اللہ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ یہ تو موت کی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو انہوں نے اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں ، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

دوسرا یہ کہ اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ذرا یہ بتائیں کہ ان کے کرتوتوں کی

پاداش میں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے؟ فرمان الٰہی ہے:

"وقالت الیھود والنصری نحن ابناؤ اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" (المائدۃ ۱۸/)

"یہود و نصاری کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تمہیں تمھارے گناہوں کے سبب اللہ عذاب کیوں دیتا ہے؟ نہیں، بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک قوم ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے"

اور جہاں تک اللہ کا یہ فرمان ہے:

"ینبی اسرائیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العلمین"

"اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی، اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی" (البقرۃ ۲/۴۷)

تو اس میں فضیلت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون اور اس کی فوج پر فوقیت دی تھی، کیونکہ وہ ظالم تھے اور یہ مظلوم، تو اللہ نے مظلوموں کی مدد کی اور ان پر نعمتوں کی بارش کی لیکن جب انہوں نے انعامات الٰہیہ پر ناشکری بلکہ سرکشی کا مظاہرہ کیا تو ان سے یہ فضیلت بھی چھن گئی، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔

قضیہء فلسطین کا اصولی فیصلہ!

اس سلسلہ میں مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں کہ

"اصل مسئلہ محض مسجد اقصیٰ کی حفاظت کا نہیں ہے۔ مسجد اقصیٰ محفوظ نہیں ہو سکتی، جب تک بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے اور خود بیت المقدس بھی محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک فلسطین پر یہودی قابض ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے فلسطین کو آزاد کرانے کا ہے اور اس کا سیدھا اور صاف حل یہ ہے کہ اعلان بالفور سے پہلے

جو یہودی فلسطین میں آباد تھے صرف وہی وہاں رہنے کا حق رکھتے ہیں، باقی جتنے یہودی ۱۹۱۷ء کے بعد سے اب تک وہاں باہر سے آئے اور لائے گئے ہیں انہیں واپس جانا چاہیے۔ ان لوگوں نے سازش اور جبر وظلم کے ذریعے سے ایک دوسری قوم کے وطن کو زبردستی اپنا قومی وطن بنایا، پھر اسے قومی ریاست میں تبدیل کیا اور اس کے توسیع کے جارحانہ منصوبے بنا کر آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا نہ صرف عملاً ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا بلکہ اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر علانیہ یہ لکھ دیا کہ کس کس ملک کو وہ اپنی اس جارحیت کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایسی ایک کھلی کھلی جارح ریاست کا وجود بجائے خود ایک جرم اور بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ ہے، اور عالم اسلامی کے لیے اس بھی بڑھ کر وہ اس بنا پر خطرہ ہے کہ اس کے ان جارحانہ ارادوں کا ہدف مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ہیں اب اس ریاست کا وجود برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو ختم ہونا چاہیے۔ فلسطین کے اصل باشندوں کی ایک جمہوری ریاست بنی چاہیے جس میں ملک کے پرانے یہودی باشندوں کو بھی عرب مسلمانوں کی طرح اور عیسائیوں کی طرح شہری حقوق حاصل ہوں، اور رباہر سے آئے ہوئے ان غاصبوں کو نکل جانا چاہیے جو زبردستی اس ملک کو اپنا قومی وطن اور پھر قومی ریاست بنانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اس کے سوا فلسطین کے مسئلے کا حل کوئی نہیں ہے۔ رہا امریکہ جو اپنا ضمیر یہودیوں کے ہاتھ رہن رکھ کر اور تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ان غاصبوں کی حمایت کر رہا ہے تو اب وقت آ گیا ہے کہ اب تمام مسلمان اس کو صاف صاف خبردار کریں کہ اگر اس کی یہ روش اسی طرح جاری رہی تو روئے زمین پر ایک مسلمان بھی وہ ایسا نہ پائے گا جس کے دل میں اس کے لیے کوئی ادنیٰ درجہ کا بھی جذبہ خیر سگالی باقی رہ جائے۔ اب وہ خود فیصلہ کر لے اسے یہودیوں کی حمایت میں کہاں تک جانا ہے۔

[ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۶۹ء بحوالہ ''فضیلت بیت المقدس اور فلسطین وشام'']

آخری جنگ عظیم اور یہودیوں کا انجام
۔۔۔ایک نبویؐ پیش گوئی!

کتب احادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قرب قیامت کے حوالہ سے بعض ایسی پیش گوئیاں موجود ہیں، جن میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نامی ایک شخص ظاہر ہوگا جو نہ صرف یہ کہ خدائی کا دعویٰ کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اسے اور اس وقت موجود لوگوں کی آخری سب سے بڑی آزمائش کے لئے، اسے کچھ ایسی طاقت عطا کر دیں گے کہ یہ بڑی بڑی ناممکن باتوں کو ممکن بنا دکھائے گا۔ یہ زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال، اور زمین فوراً اپنے خزانے نکال باہر کرے گی۔۔۔! یہ آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ بارش برسا اور اور فوراً بارش شروع ہو جائے گی۔۔۔!!

یہ سب کچھ اگرچہ اللہ تعالیٰ کر رہے ہوں گے مگر بظاہر یہی دکھائی دے گا کہ جیسے اصولی طور پر سارے اختیار اسی کے پاس آ گئے ہیں حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوگا۔ ورنہ تو لامحالہ اس کا خدائی کا دعویٰ درست قرار پائے گا۔ (نعوذ باللہ) لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے کہنے پر اللہ تعالیٰ آخر ایسا کیوں کریں گے؟۔۔۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بڑے بڑے سرکش ایسے پیدا کئے جنہوں نے خدائی کے دعوے کئے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ وسائل بھی دے تاکہ ایک طرف تو انہیں پوری ڈھیل دی جائے اور دوسری طرف ان کے ادوار میں موجود لوگوں کا امتحان بھی پوری طرح لے لیا جائے۔ بہر صورت یہ الگ تفصیل طلب موضوع ہے جس پر راقم الحروف نے بحمد اللہ دو مستقل کتابیں (یعنی ''قیامت کی نشانیاں'' اور ''پیش گوئیوں کی حقیقت'') تالیف کی ہیں، شائقین تفصیل انہیں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

جب دجال خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اپنے شعبدے دکھائے گا تو لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے ساتھ مل جائے گی حتی کہ بہت سے مسلمان بھی مرتد ہو کر اس کے ساتھ جا ملیں گے۔ان حالات میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جنہیں ان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا) کو نازل کریں گے جو آ کر مسلمانوں کی راہنمائی کرتے ہوئے دجال ملعون کا خاتمہ کریں گے۔اس طرح دنیا آخری مرتبہ ایک عالمی جنگ کا شکار ہوگی ۔جس میں ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف دنیا بھر کے غیر مسلم شریک ہوں گے۔یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں اور سینہ بسینہ روایتوں میں بھی ''آرمیگاڈان'' کے نام سے اس آخری جنگ کا مذکرہ موجود ہے۔یہ آخری جنگ کس خطہ ارضی پر ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ،دجال کو کہاں قتل کریں گے،ان سوالوں کے جواب میں احادیث میں جس علاقے کا تذکرہ خصوصی طور پر آتا ہے وہ یہ فلسطین اور اس کے مضافات ہیں۔اس سلسلہ میں کتب احادیث کی پیش گوئیوں کو آئندہ سطور میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دجال بیت اللہ اور بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکتا

① "عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَاللّٰهِ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ آخِرُهُمُ الْأَعْوَرُ الدَّجَّالُ مَمْسُوْحُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى ......إِنَّهُ سَيَظْهَرُ عَلَى الْأَرْضِ كُلِّهَا إِلَّا الْحَرَمَ وَبَيْتَ الْمَقْدَسِ وَإِنَّهُ يَحْصُرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيُزَلْزَلُوْنَ زِلْزَالًا شَدِيْدًا ثُمَّ يُهْلِكُهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَجُنُوْدَهُ"

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو

گی حتیٰ کہ تیس (30) جھوٹے ظاہر ہوں گے جن میں سب سے آخری 'کانا دجال' ہوگا جس کی بائیں آنکھ کانی ہوگی ......وہ ساری زمین پر قبضہ جمالے گا مگر بیت اللہ اور بیت المقدس تک رسائی نہ پاسکے گا۔ بیت المقدس میں (موجود) مسلمانوں کا محاصرہ کرے گا تو ان (مسلمانوں) کو شدید زلزلوں کا سامنا ہوگا بالآخر اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے لشکروں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔"

[احمد (۲۲/۵)، السنن الکبری (۳۳۹/۲)، الاصابہ (۲۶/۴) قال ابن حجر: حدیث صحیح اخرجہ ابویعلی وابن خزیمہ (۳۲۵/۲) وغیرھما مجمع الزوائد (۳۴۸/۲) المعجم الکبیر (۲۲۷/۷) فتح الباری (۶/۷۰۶)]

② "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَنْزِلُ الدَّجَّالُ فِي هٰذِهِ السَّبْخَةِ بِمَرقَنَاة فَيَكُوْنُ أَكْثَرَ مَنْ يَخْرُجُ إِلَيْهِ النِّسَاءُ حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَرْجِعُ إِلٰى حَمِيْمِهٖ وَإِلٰى أُمِّهٖ وَابْنَتِهٖ وَأُخْتِهٖ وَعَمَّتِهٖ فَيُوثِقُهَا رِبَاطًا مَخَافَةَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّطُ اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَيْهِ فَيَقْتُلُوْنَهٗ وَيَقْتُلُوْنَ شِيْعَتَهٗ حَتّٰى إِنَّ الْيَهُوْدِيَّ لَيَخْتَبِئُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ أَوِ الْحَجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرَةُ لِلْمُسْلِمِ: هٰذَا يَهُوْدِيٌّ تَحْتِيْ فَاقْتُلْهُ"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

"اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: دجال، مرقناۃ (مدینے کے قریب ایک وادی) کی دلدلی زمین پر پڑاؤ کرے گا تو اس کی طرف سب سے زیادہ عورتیں جائیں گی حتیٰ کہ آدمی اپنی بیوی، ماں، بیٹی، بہن، چچی (پھوپھی وغیرہ) کے پاس جائے گا اور انہیں رسی کے ساتھ باندھ دے گا مبادا کہ وہ دجال کے پاس جا پہنچیں، پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں

کو دجال پر مسلط کر دیں گے اور مسلمان دجال اور اس کے لشکر کو قتل کریں گے یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپے گا تو وہ شجر و حجر پکار کر مسلمان سے کہے گا کہ یہ یہودی میری اوٹ میں ہے، اس قتل کرو۔"

[احمد (۲/۹۱، ۱۶۳) وقال احمد شاکر، اسنادہ صحیح (۷/۱۹۰) واصلہ فی البخاری (۲۹۲۵) ومسلم (۲۹۲۲)، المعجم الکبیر (۲/۳۰۷)، مجمع الزوائد (۷/۶۶۴)]

③ "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْيَهُوْدَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتَّى يَخْتَبِئُ الْيَهُوْدِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ أَوِ الشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَا مُسْلِمِ! يَا عَبْدَ اللّٰهِ! هٰذَا يَهُوْدِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ اِلَّا الْغَرْقَدَ فَاِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ مسلمان یہودیوں سے قتال کریں گے اور انہیں (چن چن کر) قتل کریں حتی کہ کوئی یہودی شجر و حجر درے چھپے گا تو وہ پکار اٹھے گا اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! ادھر آ یہ یہودی میری اوٹ میں ہے اسے قتل کر دے۔"

[بخاری؛ کتاب الجہاد والسیر، باب قتال الیہود (۲۹۲۵)، مسلم؛ کتاب الفتن، باب لاتقوم الساعۃ حتی..... (۲۹۲۲) احمد (۲/۹۱، ۱۶۳، ۱۷۵) المعجم الکبیر (۲/۳۰۷)، مجمع الزوائد (۷/۶۶۴)]

④ "عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَقِيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى، قَالَ: فَتَذَاكَرُوْا أَمْرَ السَّاعَةِ فَرَدُّوْا أَمْرَهُمْ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِي

بِهَا ، فَرَدُّوا الْأَمْرَ إِلَى مُوسَىٰ فَقَالَ : لَا عِلْمَ لِيَ بِهَا فَرَدُّوا الْأَمْرَ إِلَى عِيسَىٰ فَقَالَ : أَمَّا وَجْبَتُهَا فَلَا يَعْلَمُهَا أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ ، ذٰلِكَ فِيمَا عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ ، أَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ ، قَالَ : وَمَعِي قَضِيبَانِ فَإِذَا رَآنِي ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الرَّصَاصُ قَالَ : فَيُهْلِكُهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حَتَّى إِنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ لَيَقُولُ : يَا مُسْلِمُ ! إِنَّ تَحْتِي كَافِرًا فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ قَالَ : فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ "

[احمد (۱/۳۷۵) قال احمد شاکر اسنادہ صحیح (۵/۱۹۰) ابن ماجہ؛ کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال (۴۱۳۲) ،حاکم (۵۴۵/۴)، طبری (۸۶/۹)]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی تو قیامت کی بات چل نکلی سب نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف معاملہ کر دیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس (قیامت کے وقوع) کا علم نہیں، پھر بات موسیٰؑ کی طرف پہنچی تو انہوں نے بھی لاعلمی کا مظاہرہ کیا، پھر عیسیٰؑ پر بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ قیامت کے وقوع کا حتمی علم اللہ تعالیٰ کے سوا (ہم میں سے) کسی کو نہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے جو میرے ساتھ (دنیا میں دوبارہ بھیجنے کا) وعدہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے پاس دو چھڑیاں ہوں گی تو جب وہ مجھے دیکھے گا تو اس طرح پگھلے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک فرما دیں گے یہاں تک کہ شجر و حجر پکار اٹھیں گے کہ میرے نیچے کافر ہے ادھر آؤ اور اسے مار ڈالو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان (سب) کو ہلاک کر دیں گے۔"

⑤ "عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ : إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ، عليه السّلام، فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمِشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَه قَطَرَ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْه جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ رِيحَ نَفْسِهِ إِلَّا مَاتَ وَ نَفْسُه يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ فَيَطْلُبُه حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلَهُ "

حضرت نواس بن سمعان ﷛ سے مروی ہے کہ

"اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حضرت (عیسیٰ ؑ) مسیح ابن مریم کو بھیج دیں گے اور وہ دمشق (شام) کے مشرقی حصے میں، سفید مینار کے پاس، زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس، دو فرشتوں کے بازوں (پروں) پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ زندہ نہ بچے گا جب کہ ان کی سانس حد نگاہ تک پہنچے گی پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور 'لُد' (ایک مقام فلسطین میں) کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔"

[مسلم؛ کتاب الفتن، باب ذکر الدجال (۲۹۳۷) احمد (۲۲۸/۴)، ابوداود (۴۳۲۱)، ترمذی (۲۲۴۰)، ابن ماجہ (۴۱۲۶)، حاکم (۵۳۷/۴)، طبری (۹۵/۹)]

یہودیوں کے انجامِ بد کے حوالہ سے مولانا مودودیؒ کا نقطہ نظر

مولانا مودودی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ "بنی اسرائیل کو ان کے انبیاء اور مقدس کتابوں کے ذریعے جس آخری مسیحا (Promised Messiah) کی خوشخبری دی گئی تھی اس سے مراد مسیح الہدی (عیسیٰ) ہے مسیح الضلالۃ (دجال) نہیں جب کہ بنی اسرائیل دجال کو اپنا مسیح موعود سمجھ کر اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ اس بات کی تاریخی حقیقت یہ

ہے کہ حضرت سلیمان ؑ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل تنزل وانحطاط کا شکار ہوتے چلے گئے اور ذلت ومسکنت ان کا مقدر ٹھہرا دی گئی تو انبیائے بنی اسرائیل نے انہیں یہ خوشخبری دینا شروع کی کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ایک 'مسیح' آنے والا ہے جو انہیں اس ذلت ومسکنت سے نجات دلائے گا۔

ان پیشنگوئیوں کی بناء پر یہودی ایک مسیح کی آمد کے متوقع تھے جو بادشاہ ہو، لڑ کر ملک فتح کرے، بنی اسرائیل کو در در کی ٹھوکریں کھانے کی بجائے 'فلسطین' میں جمع کر کے ایک زبردست سلطنت قائم کردے لیکن ان کی توقعات کے خلاف جب حضرت عیسی ابن مریم اللہ تعالی کی طرف سے مسیح بن کر آئے مگر کوئی لشکر ساتھ نہ لائے تو یہودیوں نے ان کی مسیحیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ انہیں ہلاک کرنے کے درپے ہوگئے (وہ اپنے زعم باطل میں انہیں قتل کر چکے ہیں) اس وقت سے آج تک دنیا بھر کے یہودی اس 'مسیح موعود' کے منتظر ہیں جس کے آنے کی خوشخبریاں انہیں دی گئی تھیں، ان کا مذہبی لٹریچر بھی اس آنے والے دور کے سہانے خوابوں سے بھرا پڑا ہے اور وہ یہی امید لیے بیٹھے ہیں کہ مسیح موعود ایک زبردست جنگی لیڈر ہوگا جو نیل سے فرات تک کا علاقہ جسے یہودی اپنی میراث کا ملک سمجھتے ہیں، انہیں واپس دلائے گا اور دنیا کے گوشے گوشے سے یہودیوں کو جمع کر کے وہاں لا بسائے گا۔

مشرق وسطی کے حالات اور نبی ﷺ کی پیشنگوئیوں کے پس منظر میں صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس دجال اکبر کے ظہور کے لیے سٹیج بالکل تیار ہو چکا ہے جو حضور ﷺ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق یہودیوں کا مسیح موعود بن کر اٹھے گا۔ فلسطین کے بڑے حصہ سے مسلمان بے دخل کیے جا چکے ہیں اور وہاں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی گئی ہے۔ اس ریاست میں دنیا بھر کے یہودی کھچ کھچ کر چلے آرہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے اس کو ایک زبردست جنگی طاقت بنا دیا ہے۔ یہودی سرمائے کی بے پایاں امداد سے یہودی سائنس دان اور ماہرین فنون اس کو روز افزوں ترقی دیتے چلے جارہے ہیں اور اس کی یہ طاقت گردوپیش کی مسلمان قوموں کے لیے ایک خطرۂ عظیم بن گئی ہے۔''

[ملاحظہ ہو تفہیم القرآن از علامہ مودودی (جلد ۴ رصفحہ ۱۶۴)]



باب 9

خدا کا سب سے بڑا مشرک ۔۔۔ ہندو!

❑ عالمی بالادستی کے ہندوانہ عزائم ونظریات

(کوتلیہ چانکیا کے افکار کی روشنی میں)

❑ ہندو کی دہشت گرد تنظیم ۔۔۔ آر ایس ایس

کے نظریات اور طریقہ واردات

❑ گجرات میں مسلم بیٹیوں پر کیا قیامت گزری؟

(ہندوؤں کے مظالم کی جگر پاش رپورٹ)



عالمی بالا دستی کے ہندووانہ عزائم ونظریات

(کوتلیہ چانکیا کے افکار کی روشنی میں!)

کسی زمانے میں چندر گپت موریہ ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔اس کا ایک درباری ،ایک ہندو پنڈت چانکیا بھی تھا جس سے موریہ کبھی کبھی صلاح مشورہ کیا کرتا تھا۔ایک روز بادشاہ، چند درباریوں کے ہمراہ شکار کے لئے نکلا ۔رات ہوگئی تو ایک جنگل میں پڑاؤ کیا۔سپاہی خیمے لگانے اور کھانے پینے کے بندوبست میں مصروف ہوگئے۔چانکیا بھی ادھر ادھر آ جارہا تھا کہ اسے ایک جھاڑی سے کانٹا چبھ گیا۔کانٹے کا لگنا ہی تھا کہ چانکیا غصے میں آپے سے باہر ہوگیا۔ملازم سے کہا کہ فوراً ایک گلاس شربت لے آؤ۔وہ جلدی سے شربت کا گلاس لے آیا۔چانکیا نے شربت کا ایک گھونٹ چکھا اور باقی شربت جھاڑی پر اور اس کی جڑوں میں انڈیل دیا۔ملازم نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا ''حضور کیا اس شربت میں کوئی خرابی یا مجھ سے کوئی خطا ہوئی کہ آپ نے شربت گرادیا؟'' چانکیا بولا ''اس کا جواب صبح دوں گا''۔دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کے کیڑے ہزاروں کی تعداد میں آئے اور صبح تک اس جھاڑی کو چٹ کر گئے۔

صبح چندر موریہ (بادشاہ) نے حیرانی سے پوچھا کہ ''رات یہاں اچھی خاصی جھاڑی تھی ،اسے کیا ہوا؟'' چانکیا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی ''حضور!اس نے میرے ساتھ دشمنی کی تھی اور میں نے اس کا ایسا بندوبست کیا کہ اس کا نام ونشان ہی مٹادیا۔'' اور پھر اسے بتایا کہ میں نے جھاڑی کو کیسے تباہ کیا۔چندر گپت اس کی سکیم سن کر بہت خوش ہوا اور اسے اپنا مشیر خاص بنالیا۔

چونکہ ہندو دھرم میں کسی صحیفے یا آسمانی کتاب کا کوئی تصور نہیں (یا دوسرے لفظوں میں ان کا مذہب کسی نبی اور رسول کی تعلیمات پر مبنی نہیں) اس لئے ہندو قوم، چانکیا کے بتائے ہوئے اصولوں پر آج تک عمل کرتے آئے ہیں۔ چانکیا نے اپنی مشہور تصنیف ''ارتھ (آرتھا) شاستر'' میں ہندوؤں کے لئے سیاسی فلسفے کے بنیادی انتہائی تفصیل سے بیان کئے ہیں اور آج بھی بھارت کے پورے سیاسی نظام کا ڈھانچہ، جنگ اور امن دونوں حالتوں میں انہی اصولوں پر استوار ہے۔ (حساس ادارے: ص ۱۱۳)

چانکیا کا نظریہ حکومت میکاولی سے چنداں مختلف نہیں، وہ بھی اپنے پیروکاروں کو چالاک، سازشی، کمینگی کی حد تک بدلہ لینے کے خواہش مند، ہر لحہ اوچھے ہتھکنڈوں اور بد دیانتی سے دشمن کو مات دینے پر تیار اور اس ہنر میں تاک دیکھنا چاہتا ہے۔ بھارت نے بھی چانکیا کی معاندانہ سوچ کی روشنی میں اپنا ریاستی نظام وضع کر رکھا ہے۔ چانکیا ہی کی تعلیمات کا حصہ ہے کہ اپنے ہمسایہ کو کبھی اپنا دوست نہ سمجھو بلکہ اسے ہمیشہ اپنے دشمن کی نظر سے دیکھو۔ پاکستان، بھارت کا ہمسایہ ہے، چنانچہ چانکیا کے اقوال کی روشنی میں ہم کبھی بھارت کے دوست نہیں ہو سکتے یا دوسرے لفظوں میں بھارت کبھی ہمارا دوست نہیں بن سکتا، خواہ اس مقصد کے لئے ہم کتنے پاپڑ بیلیں!!

آئندہ سطور میں چانکیا ہی کی اس کتاب ''ارتھ شاستر'' سے ہندوؤں کے ان عزائم اور چانکیا کے فلسفہ حکومت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

ایک کے ساتھ صلح دوسرے کے ساتھ لڑائی

ریاستوں کا حلقہ اصول شش گانہ مرکز ہے۔ میرے استاد کہتے ہیں کہ امن، جنگ، غیر جانبداری، سرگرمی، اتحاد اور ایک کے ساتھ صلح اور دوسرے کے ساتھ لڑائی۔ یہ ہیں ریاستی حکمت عملی کی چھ ممکنہ صورتیں۔

دورویہ پالیسی

اتحاد اور دورویہ پالیسی میں سے آخر الذکر کو تو ترجیح حاصل ہے کیونکہ جو کوئی یہ (دورویہ) پالیسی اختیار کرے، وہ اپنے آپ کو مالا مال کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنے تعمیری یا پیداواری کاموں پر توجہ مبذول کر سکتا ہے۔

کمزور بادشاہ ایسا رویہ رکھے جیسا کہ مغلوب غالب کے ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن جب محسوس کرے کہ اس کے برتری حاصل کرنے کا موقع آ گیا ہے یعنی کسی وبا کے پھیلنے ،اندرونی خلفشار، دشمنوں کے بڑھنے یا دوست کے مصائب کی بناء پر اس کا حریف مشکلات کا شکار ہے تو وہ کسی بہانے مثلاً اسی دشمن کے خطرات کو دور کرنے کے لئے کفارے کی پوجا، وہ اس کے دوبار سے نکل آئے یا اگر اپنی عملداری میں ہو تو ان مشکلات میں گرفتار بادشاہ سے ملنے نہ دیا جائے یا اگر موقع پائے تو اس کو مار ڈالے۔

جو بادشاہ وطاقت والے بادشاہوں کے بیچ ہو، وہ اس کی پناہ مانگے گا جو دونوں میں سے زیادہ طاقت والا ہوگا یا جس پر وہ اعتماد کر سکے یا پھر دونوں سے برابر شرائط پر صلح کرے۔ پھر وہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاۓ اور ایک سے کہے کہ دوسرا جابر ہے اور اسے تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح دونوں میں پھوٹ ڈلوا دے۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے کٹ جائیں تو خفیہ طریقے سے دونوں کو کیفر کردار تک پہنچا دے۔

جب کسی بادشاہ کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ ایک سے صلح کر کے اور دوسرے سے لڑائی کا آغاز کر کے اپنا مطلب نکال سکتا ہے تو اس کو دورویہ حکمت علمی پر کاربند ہونا چاہیے۔ جب کسی کمزور بادشاہ پر کوئی طاقت ور بادشاہ حملہ کر رہا ہو جو کسی ریاستوں کے حلقے کا حاکم ہو تو اسے انتہائی عاجزی سے صلح کی درخواستکرنا چاہیے اور صلح کی شرائط میں اگر اسے خزانہ' فوج' خود اس کی اپنی ذات اور زمین بھی پیش کرنا پڑے تو بلا پس وپیش کر دے۔

جب کوئی بادشاہ دیکھے کہ اس کا دشمن مشکلات میں گھرا ہوا ہے اور اس کی رعیت کے مصائب دور ہونے کے امکانات دور دور تک نہیں اور زبردستی اور زیادتی سے سخت پریشان ہیں، ان میں حوصلہ نہیں رہا اور وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں تو ان کو اپنے آقا سے پھیر کر اپنے ساتھ ملایا جاسکتا ہے یا اگر دشمن ملک آگ، سیلاب، وبا یا قحط وغیرہ کی ناگہانی مصیبتوں میں گرفتار ہے، اس کے جوان لقمہ اجل بن رہے ہیں، دفاع کی طاقت ختم ہوچکی ہے تو وہ جنگ کے اعلان کے بعد حملہ کردے۔

زمین کا حصول حلیف سے اہم ہے

اتحادی افواج کی یلغار سے حاصل ہونے والے فوائد مثلاً دوسرے ممالک کی دوستی، دوست اور زمین میں سے، زمین کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ حلیف ملک اور دولت تو علاقہ حاصل کرنے کے بعد بھی دسترس میں آسکتے ہیں اور یہ دونوں ہی ایک دوسرے کے حصول میں معاون بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔

مخالف حکمرانوں کو دولت، زمین یا بیٹی بیوی وغیرہ پیش کر کے ساتھ ملالیں!

کسی کے خلاف بہت سے حکمران فوجی اتحاد قائم کر کے حملہ کی تیاریوں میں ہوں مگر کسی کو اتحاد کو مشترکہ سربراہ بنایا گیا ہو تو اسے چاہیے کہ مندرجہ ذیل قسم کے اتحادی حکمرانوں کو کسی نہ کسی طرح اپنے شاطرانہ لائحہ عمل کا شکار بنائے۔

۱۔ جو پرعزم ہوں

۲۔ جو اتحاد کے بنیادی متحرک ہوں

۳ جو ہردلعزیز اور مقبول ہوں

۴۔ جو لالچ یا خوف کی وجہ سے اتحاد میں شامل ہوئے ہوں

۵۔ جن کے ساتھ کوئی خونی رشتہ ہو

۶۔ جو دوست (رہے) ہوں

۷۔ جو بے قرار اور چلتے پھرتے دشمن ہوں

۸۔ جو اس راجہ سے باطنی طور پر خوفزدہ ہوں جس کی سرکوبی کے لیے اتحاد بنایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے خصائص وفضائل کے حوالہ سے درج ذیل اقسام کی مفید ترغیبات دی جائیں۔

۱۔ پرعزم حکمران کو اپنی بیٹی پیش کر دی جائے یا اس کے کسی جوان کے نطفہ سے اپنی بیوی کے ہاں اولاد پیدا کر دی جائے۔

۲۔ ہر دلعزیز حکمران کو بیٹی پیش کی جائے یا حملے کی نسبت دگنے مالی مفادات کی پیشکش کر دی جائے۔

۳۔ لالچی کو دولت اور افرادی قوت سے خرایدا جائے اور جو دباؤ کے تحت اتحاد میں شامل ہوا ہو، اسے یرغمال بنا کر تحفظ کی پیشکش کی جائے۔ ایسا شخص فطری طور پر بزدل ہوگا۔

۴۔ اتحاد کے محرک کو خوشامد، حسن سلوک اور مصالحت کے ذریعے پھانسا جائے۔

۵۔ جس کے ساتھ خون کا رشتہ ہو، اس سے مزید قرابت پیدا کی جائے۔

۶۔ یہ حکمت عملی اختیار کرنے والا حکمران ایسے حاکموں کو جو اس سے خوفزدہ ہونے کے باوجود اس مخالفت میں بننے والے اتحاد میں شامل ہوں، اطمینان اور حوصلہ دلا کر اپنی مٹھی میں کرے۔

۷۔ دوست حکمران کے ساتھ مل کر دوطرفہ مفادات کے حصول میں معاون منصوبہ جات شروع کیے جائیں اور تمام جھگڑے فوری طور پر چھوڑ دیے جائیں۔

۸۔ بے قرار دشمن کے خلاف عملی کارروائیاں روک کر اسے امداد کی پیشکش کی جائے۔

مخالفوں کے خلاف تحائف سے لے کر دھمکی تک ہر حربہ استعمال کریں

ان کے علاوہ کسی بھی حکمران کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ (یعنی تحائف اور تفرقہ اندازی سے دھمکی تک) اختیار کیا جائے۔

چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں کو لالچ دے کر اپنا وفادار بنایا جاسکتا ہے اور ان کے اندرونی حالات بگاڑے جاسکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں ڈرادھمکا کر اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا جائے۔حملہ آور حکمران اپنے دشمنوں کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے حالات کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جولائحہ عمل مناسب سمجھے اختیار کرے۔

وہ اس کے دیہاتوں، جنگلوں کے مکینوں، مویشیوں کے گلوں، سڑکوں اور آمدورفت کے راستوں کے تحفظ کا عہد کر کے مصالحت کی راہ ہموار کرے اور جوان مقامات سے نکال دیئے گئے ہیں یا فرار ہوگئے ہوں، ان کی واپسی کی ذمہ داری قبول کرے۔اراضی کے عطیات، تحائف اور کنیادان (لڑکی دینا) جیسے اعلان کر کے خوف وہراس کی فضا ختم کرنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی ہمسایہ حکمران کو بھڑکا کر یا قبائلی سردار، شاہی خاندان کے کسی فرد یا مقید شاہزادے کو اپنا ہمنوا بنا کر فسادات شروع کروادے۔جس حکمران کی قوت بڑھتی ہی چلی جارہی ہو، وہ عہد نامہ توڑ سکتا ہے۔

حلیفوں کو استعمال کرنے کے طریقے

فاتح (حکمران) کسی بھی طریقہ سے ایسی صورتحال مستقل پیدا کیے رکھے کہ اس کا تابعدار دوست مزید امداد کی خواہش میں اس کا فرمانبردار بنا رہے۔لیکن اگر اس کے حالات ازخود خراب ہورہے ہوں تو مدد نہ کی جائے کیونکہ سیاست کا تقاضا یہ ہے کہ حلیف کو نہ بہت زیادہ کمزور ہونے دیا جائے اور نہ انتہائی طاقتور بننے کا موقع دیا جائے۔

جب مصیبت دو حلیفوں میں سے کسی ایک پر ہو تو دوسرے کے وسائل سے مدد لے کر بھی کام چلایا جاسکتا ہے۔لیکن جب دونوں مصائب سے پہلے کون نکلے گا یا مزید پریشانیوں کا شکار کون ہوگا۔

حریف کے ساتھ برابر تعلقات رکھنے والے کو پہلے حریف سے الگ کر کے ختم کیا جائے اور پھر حریف سے نبرد آزما ہو کر اسے شکست دی جائے۔اگر کوئی حلیف غیر جانبدار رہنا چاہے تو اسے اس کے پڑوسی حریف سے لڑوا دیا جائے۔پھر جب وہ اس کے ہاتھوں خوب تنگ آجائے تو اس کی مدد کر کے اس پر احسان جتایا جائے۔اس طرح وہ وفاداری کا مظاہرہ کرے گا۔

کمزور حلیف اگر فاتح اور اس کے حریف دونوں سے مدد کا طالب ہو تو فاتح کو چاہیے کہ اس کی فوجی مدد کرے تاکہ وہ اس کے حریف سے مدد نہ مانگے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے سزا دینے کا بندوبست کر کے اپنے علاقے سے نکال کر کسی اور علاقے میں پھنسا دیا جائے۔ اگر ایسا حلیف طاقتور بن جائے اور خطرات کے وقت فاتح کی مدد نہ کرے تو فاتح کو چاہیے کہ اسے اچھی طرح اعتماد میں لیکر بعد ازاں عدم تعاون کی پاداش میں تباہ کر ڈالے۔

سیاست سے آگاہی رکھنے والے کو چاہیے کہ تخفیف ترقی، زوال، جمود اور تباہی کے آثار پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ان جملہ سیاسی حربوں سے بھی آشنا ہو جو مندرجہ بالا مختلف حالات میں اسے اختیار کرنے چاہییں۔جو حکمران اس حکمت عملی سے آگاہ اور اسکے برموقع استعمال پر قادر ہوگا، وہ دیگر حاکموں کو اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے جیسے چاہے گا استعمال کرے گا۔

برہمن اور عالی نسب جرم بھی کریں تو انہیں کچھ نہ کہیں

گھٹیا اور کمتر افراد کی خاطر عالی نسب لوگوں کو نہیں مرنا چاہیے کیونکہ کثرت میں ہونے کی وجہ سے چھوٹے طبقے کے لوگ تو بھرتی کیے جا سکتے ہیں۔عالی نسب آدمی گھٹیا ذات کے لوگوں کا سہارا ہوتے ہیں۔بڑے لوگوں کے خلاف تشدد نہیں کیا جا سکتا اور اگر کیا بھی جائے تو مفید ثابت ہونے کی بجائے مضر اور خطرناک ہوتا ہے۔

لوگوں میں سے جس کسی کو بڑے گروہ کا تحفظ حاصل ہو اسے کچھ نہ کہا جائے لیکن جس کو اس قسم کا تحفظ حاصل نہیں اسے معاف نہ کیا جائے۔ کسی آریہ کو ہرگز غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن ملیچھ لوگ اگر اپنے بچوں کو فروخت کریں یا گروی رکھیں تو مجرم تصور نہیں ہوں گے۔

جرم کی نوعیت کچھ بھی ہو لیکن کسی برہمن کو اذیتیں نہیں دی جائیں گی۔

فائدوں کے حصول کے لئے اچھی باتوں کو زیادہ خاطر میں نہ لائیں

فوائد کے حصول میں ہمیشہ مندرجہ ذیل باتیں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مقاصد کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے:

۱۔ جذبات ۲۔ غصہ ۳۔ بزدلی ۴۔ نرم دلی ۵۔ شرم ولحاظ یا وضع داری ۶۔ غیر آریائی رویئے ۷۔ غرور ۸۔ رحم ۹۔ عاقبت سنوارنے کی فکر ۱۰۔ نیکی ہی کی دھن میں رہنے کا میلان

شہری اور مضافاتی لوگوں کا رابطہ ختم کرنے کے لئے تشدد کے علاوہ حکمران ہر طریقہ استعمال کر سکتا ہے۔ دنیاوی فوائد، مذہبی بھلائی اور نفسیاتی حظ کو مفاد یا تسکین کی تین صورتیں کہتے ہیں۔ پہلی کو دوسری اور دوسری کو تیسری پر فوقیت حاصل ہے۔

حکمرانوں کو قابو میں کرنے اور عظیم تر فتوحات کے گر

دو حکمران ایک دوسرے سے ڈرتے ہوں تو ان میں نفاق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جو نسبتا زیادہ بزدل ہو، اس کو تباہی و بربادی سے خائف کر کے کہا جائے: "یہ حکمران کسی دوسرے سے اتحاد بنا کر تم کو نیست و نابود کر دے گا کیونکہ ایک دوست کے توسط سے صلح کے مذاکرات جاری ہیں جن میں تمہیں شریک نہیں کیا گیا۔"

اچھے اور نیک اطوار حکمران کو اپنی طرف سے صلح کا یقین دلا کر دوستی کے فوائد بیان کر کے اس کے خاندانی پس منظر کی تعریف کر کے اس کے بڑوں سے اپنے قدیم تعلقات کا اظہار کر کے قابو کرنا چاہیے۔

حلیفوں اور حریفوں کو ان کی اوقات میں رکھنے کے لئے ہمیشہ گنجلک اور مشکل کارروائیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔

دشمن جب سخت دباؤ اور مشکلات کا شکار ہو یا نامساعد خطہ میں ہو تب اس پر بھرپور حملہ کیا جائے۔حریف کے باغیوں ،وحشی قبائل یا دشمنوں کے ذریعے اپنی شکست کی افواہ پھیلادی جائے اور خود کو کسی موزوں اور محفوظ مقام پر مورچہ بند کرلیا جائے ،اس حکمت عملی کے نتیجے میں دشمن اپنا محفوظ مقام چھوڑ کر باہر آجائے گا جسے شکست دینا آسان ہوگا۔

جب حریف لشکر پریشان ،خستہ حال اور بوکھلایا ہوا ہو تو اچانک اس پر حملہ کردیا جائے۔ حریف دھوپ سے جلس رہا ہو تو سایہ دار مقامات سے اس کی طرف اچانک پیش قدمی مفید ثابت ہوگی۔اپنے ہاتھیوں کو روئی اور کھال کی جھولوں سے ڈھانپ کر شب خون مارنا بھی مطلوبہ نتائج کے حصول میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

اگر حملہ آور صلح کے عوض بھاری رقم کا مطالبہ کرے تو اسے مطلوبہ رقم کا کچھ حصہ ادا کردیا جائے اور بقیہ رقم چھوٹی چھوٹی اقساط میں فراہم کی جاتی رہے۔اس دوران دشمن کا لشکر بہت کاہل اور لاپرواہ ہوجائے گا۔موقع مناسب دیکھ کر ان پر زہر،آگ اور ہتھیاروں سے حملہ کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ہمسایہ حکمران کی سرکوبی کے بعد فاتح کو وسطی حکمران کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔یہ عظیم تر فتوحات کا تدریجی مرحلہ ہے۔

ممالک کا حلقہ فتح کرنے کے بعد فاتح مفتوحین میں سے اپنے دشمنوں اور دوستوں کا انتخاب کرے اور ان میں سے دشمنوں کو مختلف اوقات میں مختلف قسم کی مشکلات کا شکار کر کے اطاعت گزار بنالیا جائے۔توسیع پسندی کی خواہش کی تسکین کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

خفیہ جوڑ توڑ ،آلہ کاروں کے ذریعے معلومات کا حصول ،حریف کی افرادی قوت کو تباہ کرنا ،محاصرہ کرنا اور پیش قدمی ....یہی وہ پانچ بنیادی اصول ہیں جن پر عمل کر کے ناقابل تسخیر قلعہ جات تک کا حصول بھی ممکن ہے۔

سفارتی پیغام پہنچانا، معاہدوں پر عمل درآمد، الٹی میٹم دینا، راہ مراسم پیدا کرنا، ساز باز کرنا، تفریق پیدا کرنا، دشمن کے عزیزوں کو اغوا کرنا، خفیہ کارندوں کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنا، امن کے معاہدوں کی خلاف ورزی، دشمن کے ایلچیوں اور عہدہ داروں کو اپنے ساتھ ملانا، یہ سب ایلچی کے فرائض ہیں۔

تماشہ گروں اور دیگر فنکار لوگوں کو عورتوں میں سے جو متعدد زبانیں اور پیغام رسانی کے خفیہ اشارے جانتی ہوں گی، انہیں اور ان کے دوسرے عزیز واقارب کو بھی دوسرے ملکوں کے جاسوسوں کو قتل کروانے، دھوکا دینے اور سلطنت یا بادشاہ کے دشمنوں کا سراغ لگانے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

خزانہ بھرنے کے مختلف طریقے

محصول، اعلیٰ شہریوں اور دیہاتیوں سے کسی ضروری کارروائی کے بہانے وصول کرے گا۔ اعتماد میں لئے گئے لوگ عوام کے سامنے بھاری چندہ دیں۔ پھر ان کی مثال دے کر دوسرے لوگوں سے مانگا جائے۔

جاسوس عام لوگوں کے بھیس میں ان لوگوں پر طعنہ زنی کریں جو کافی مقدار میں چندہ نہ دیں۔ امیروں سے خاص طور پر کہا جائے کہ وہ اپنی دولت میں سے زیادہ سے زیادہ چندہ دیں۔ جو رضا مندی سے اور نیک کام جان کر بادشاہ کو اپنی دولت پیش کریں، دربار میں ان کا رتبہ بڑھا دیا جائے اور ان کو دولت کے بدلے پگڑی اور قوم پیش کی جائیں۔

ادھرمیوں (ملحدوں) کی، نیز مندروں کے خزانے جاسوسا حر بن کر اڑا لے جائیں۔ اسی طرح مرے ہوئے لوگوں کی دولت یا ان آدمیوں کی بھی جن کا گھر جل گیا ہو، البتہ وہ برہمنوں کے کام نہ آتی ہو....

کسی علاقے میں کسی دیوتا کا بت کھڑا کرکے، قربان گاہ بنوا کے کوئی آشرم کھول کر یا کسی بدشگونی کے ازالے کی خاطر میلہ منعقد کرانے کے بہانے رقم اکٹھی کی جائے۔

بادشاہ کے باغ کے کسی ایسے پیڑ کے متعلق جس پر بے موسم پھل پھول لگے ہوں، یہ

افواہ اڑادی جائے کہ یہ دیوتا کا معجزہ ہے یا لوگوں میں اس طرح خوف وہراس پیدا کیا جائے کہ فلاں درخت پر بھوت کا بسیرا ہے ۔اس درخت پر ایک آدمی چھپ چھپ کر مختلف آوازیں نکالتا رہے اور بادشاہ کے کارندے مہنت بن کر روپیہ بٹورتے رہیں .... یا کسی کنویں میں کئی سروں والے ناگ کو دکھا کر لوگوں سے پیسے بٹورے جائیں۔

بادشاہ کا ایجنٹ کسی کاروباری سے مل کر کاروبار کرے۔ جب اچھی خاصی دولت جمع ہو جائے تو خود ڈاکوؤں سے لٹ جانے دے۔ یہی طریقے بادشاہ کے صراف اور جوہری بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

بیوائیں نیک عورتوں کے بھیس میں امیروں کو متوجہ کریں اور جب وہ ان کے گھر جائیں تو وہ پکڑ لئے جائیں اور ان کی ساری جائیداد ضبط کر لی جائے۔

جب کوئی جھگڑا دو باغیوں کے درمیان شروع ہو تو ان میں سے ایک کو مروا دیا جائے اور دوسرے کی املاک اسی جرم میں ضبط کر لی جائیں۔

پانچ پن ماہانہ سود کی کاروباری شرح سے جبکہ سوا پن ماہانہ مناسب شرح سود ہے۔

جنگلات کے مکینوں میں دس پن اور بحری تجارت کرنے والوں میں بیس پن کے حساب سے بھی سود کی شرح مقدر ہے۔ سود کی مقرر کردہ شرح کی خلاف ورزی کرنے والوں یا اس میں معاون افراد کو اول درجے کی سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے۔

کاروبار سے متعلقہ سامان پر عائد ہونے والا سود باقاعدگی سے سال کے اختتام پر ادا کیا جائے اور اس کی شرح منافع سے نصف مالیت کے برابر ہو۔

سود ادا کرنے والے کے ریاست سے باہر ہونے یا اس کی اپنی خواہش کے سبب اگر سود ادا کرنے کی بجائے جمع ہونے دیا جائے تو سود سمیت رقم اصل رقم سے بڑھ سکتی ہے۔

جو طوائف بادشاہ کی خدمت چھوڑ کر کسی اور مرد کی مضبوط بانہوں کی پناہ میں جانا چاہے، وہ سرکار کو سوا چار پن ہر ماہ باقاعدگی سے ادا کرے۔

اگر کوئی طوائف بادشاہ کے حکم کے باوجود بھی اپنا جسم اور کے حوالے نہ کرے تو اسے پانچ ہزار پن جرمانے اور ایک ہزار کوڑے بطور سزا برداشت کرنے پڑیں گے ۔(بشکریہ 'مجلہ الدعوۃ' دسمبر ۲۰۰۱ء)

ہندوؤں کی دہشت گرد تنظیم ۔۔۔ آر ایس ایس کے نظریات اور طریقہ واردات!

قائدین آر ایس ایس کے نظریات:

''اگر آپ ہندو مسلم ایکتا کی بات کریں تو مسلمانوں کا دماغ اور اوپر چڑھ جائے گا۔ مسلمانوں کو تو ملک دشمن بھی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ یہ اس ملک کے نہیں۔ یہ تو صرف ودیشی اجنبی ہیں''

آر ایس ایس کے پہلے سربراہ ڈاکٹر ہیڈگوار

''مسلمان یا تو ہندو کلچر، تہذیب، زبان کو اپنالیں یا ہندو مذہب اور مذہبی شخصیات کا احترام کریں نہیں تو اس ملک میں اس طرح رہیں کہ ان کا نہ کوئی حق ہوگا اور نہ دعوی۔ ان کو خاص حقوق تو کجا ایک عام شہری کے حقوق بھی نہیں مل سکیں گے۔ انہیں ہندو قوم کا محکوم بن کر رہنا پڑے گا۔''

آر ایس ایس سربراہ گرو گولوالکر

''مسلمانوں کو اسلام کا بھارتیہ کرن کرنا چاہیے''

موجودہ سربراہ کے ایس سدرشن

''جلد بھارت ہندو حامی اور ہندو مخالف طاقتوں میں ایک مہابھارت ہوگا۔''

''مسلمان بہت شرارت پسند ہو گئے ہیں کانگریس ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے۔ اس لیے ہمیں سرکار اور مسلمان دونوں کے خلاف لڑنا ہوگا۔ اس کے لیے آر ایس ایس کا استعمال آسان اور منافع بخش حربہ کا مقابلہ آخر کار رائفل سے ہی کرنا ہوگا۔''

بی ایس منجے صدر ہندو مہا سبھا

''ہندوستانیوں کی طرح اٹلی کے لوگ بھی آرام پسند ہیں۔انہوں نے فوجی تربیت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔مسولینی نے اٹلی کے لوگوں کو بیدار کرنے کی غرض سے تنظیم قائم کی۔فاشزم کا نظریہ کس طرح لوگوں کو کس کر باندھ سکتا ہے۔یہ اس تنظیم کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ہندوستان اور خاص طور پر ہندو بھارت کو ایسی ہی تنظیموں کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر ہیڈگوار کی قیادت میں ہماری تنظیم آر ایس ایس اسی طرز پر بنی ہے۔''

آر ایس ایس کے لیڈر دامودر ساورکر

''کسی ملک کی تعمیر اس کے اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے نہ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر، جرمنی میں یہود کیا ہوا۔یہ اچھا ہوا کہ اقلیت ہونے کی وجہ سے انہیں جرمنی سے باہر نکال دیا گیا۔ہندوستان کے مسلمان اپنے مفادات اپنے ہمسایہ ہندوؤں سے نہیں بلکہ غیر ممالک کے مسلمانوں سے وابستہ کرتے ہیں۔ہندوستان میں ان کی سوچ ویسی ہی ہے جیسی جرمن میں یہود کی'' [دامودر ساورر (۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)]

''ہر وہ شخص جو مدارس میں دین اسلامی کو رواج دینا چاہتا ہے وہ دراصل ہندوستان اور ہندو کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ہم پر لازم ہے کہ ہم ہندوستان میں اسلام کو ختم کر دیں تا کہ ہم ترقی یافتہ ملک بن سکیں۔''

صوبہ اتر پردیش کا وزیر تعلیم، سمپورنانند

''کیونکہ بھارتی فوج کمزور اور ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اس لیے عام ہندوؤں کا مسلح ہونا ضروری ہے۔ہندوؤں کو مستقل لڑائیوں اور جھگڑوں کے لیے تیار رہنا چاہیے جس کے لیے عسکری تربیت نہایت ضروری ہے۔'' (۲۰۰۱-۶-۲۲ بال ٹھاکرے)

''وہ وقت دور نہیں جب ہندو دنیا میں سپر پاور بن کر ابھریں گے اور اس سمت میں دنیا بھر

میں تیزی کے ساتھ کام جاری ہے۔" (۲۰۰۱۔٦۔۲۷ سربراہ وشوا ہندو پریشد۔اشوک سنگھل)

"میرے لیے بابری مسجد کی شہادت کے واقع کا دن خوشی کا دن تھا۔اگرچہ کوئی پرندہ بھی بابری مسجد میں گھس نہیں سکتا تھا لیکن اس کے باوجود کار سیوک (رضا کار) نہ صرف بابری مسجد تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے بلکہ انہوں نے مسجد میں گھس کر وہاں پوجا بھی کی۔ہم بابری مسجد گرکر رام مندر تعمیر کرنے کی مہم کا ایک حصہ تھے۔" (۲۰۰۱/٦/۱۵/ ایل۔کے۔ایڈوانی)

"۵۰،۰۰۰ ہزار نوجوانوں کی مسلح تربیت شروع کر دی ہے۔اس مقاصد کے لیے بھارتی ریاست اتر پردیش میں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کو تربیتی مرکز میں تبدیل کر دیا ہے۔جہاں ہندو نوجوان طلباء کو ہتھیاروں اور مارشل آرٹس کی تربیت دی جارہی ہے۔" (سربراہ بجرنگ دل ۲۰۰۱۔٦۔۱۵)

"گذشتہ مہینے آر ایس ایس کے فیصلہ جات کرنے والی کمیٹی 'اکھل بھارتیہ پرتیندھی' نے ایک قرار داد پاس کی جسمیں کہا گیا ہے کہ بھارت کے ۱۲ کروڑ مسلمانوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ان کی جان صرف اکثریت (ہندوؤں) کی خواہشات پر عمل کرتے ہی بچ سکتی ہے۔اس موقع پر بھارتی سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج کلدیپ سنگھ نے کہ کہ اقلیتوں (مسلمانوں) کو یہ بات جان لینی چاہئے کہ وہ ہندووانہ تہذیب وتمدن اور وراثت سے جان نہیں چھڑا سکتے۔"

آر ایس ایس کے دہشت گردیوں کی ایک جھلک:

بھیونڈی مہاراشٹر ۱۹۷۰ء میں آر ایس ایس نے سینکڑوں مسلمان شہید کیے۔جس کے متعلق جسٹس مدان کمیشن لکھتا ہے کہ ۲۰۰ سے لے کر ۴۰۰ ہندو آس پاس کے گاؤں سے لاٹھیاں لے کر جلوس کی شکل میں آئے۔انہوں نے آر ایس ایس کے جھنڈوں کی آڑ میں لاٹھیاں رکھ لی تھیں۔یہ پولیس آفیسر اتنے بے وقوف بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکیں کہ اس کے پیچھے کیا حال ہے؟

محکمہ خفیہ کی اطلاعات کے مطابق گولوالکر کی تقریروں نے ماحول خراب کیا اس نے کہا
''ہندوستان میں صرف ہندوؤں کی حکومت ہونی چاہئے۔ یہاں اچھا انتظام نہیں ہو سکتا اگر ہندو پارسی مسلم اور عیسائی سب شامل ہوں گے۔ اگر گدھے کا سر بندر کے جسم پر لگا دیا جائے' صرف کیڑے اسے کھا جائیں گے اور بدبو اٹھے گی۔''

اتر پردیش کے چیف سکرٹری رامیشور دیال نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے
''اطلاعات ملنے کے بعد آر ایس ایس کے احاطہ میں چھاپہ مار کر دو بڑے بکسوں میں بھر ہوئے دستاویزات پکڑے گئے جس میں مغربی یوپی کے مسلمان اکثریتی علاقوں کا بالکل ٹھیک ٹھیک نقشہ بنا ہوا تھا اور ان کی مدد سے مسلمانوں کا قتل عام کیا جانا تھا۔ بروقت کاروائی کرنے سے ایسا نہیں ہو سکا مگر یوپی اسمبلی کے سپیکر کی سفارش سے آر ایس ایس کے سربراہ گول والکر کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔''

رامیشو دیال جمشید پور صوبہ بہار میں ۱۹۷۹ء میں ہونے والے سینکڑوں مسلمانوں کے قتل عام کی جانچ پڑتال کرنے والے کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا
''تمام ریکارڈ کی احتیاط سے جانچ پڑتال کرنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آر ایس ایس نے اپنی تمام تنظیمی ڈھانچہ اور جن سنگھ و بھارتیہ مزدور سنگھ سے اپنے رشتہ استعمال کر کے ایسے حالات پیدا کئے کہ جو اس فساد کے ذمہ دار تھے۔''

جسٹس جیتندر نارائن کمیشن

۱۹۷۱ء کے تیلیچری میں ہونے والے مسلمانوں کے قتل عام پر جسٹس جوزف وِتھیاتھل نے لکھا:
''تیلیچری کے ہندو مسلم آپس میں بہت خوشگوار رہے تھے مگر ''آر ایس ایس'' اور جن سنگھ کے قیام کے بعد یہاں کے ماحول میں تبدیلی آ گئی مثلاً مسلمانوں کے قتل عام کے دوران

ان فسادی ہندوؤں نے محمد کے گھر پر حملہ کر کے اس سے کہا کہ اگر جان بچانا چاہتے ہو تو اپنے گھر کے تین چکر رام رام کہہ کر کاٹو۔"

۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں ۴۶۰ نہتے مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

اس قتل عام کی جانچ کرنے والے کمیشن کے سربراہ جسٹس جگموہن ریڈی نے کہا

"یہ تو صرف محکمہ خفیہ کی مجرمانہ ناکامی تھی کہ وہ تشدد پھوٹنے سے نہیں روک سکی مگر اس نے کمیشن سے بھی حقائق چھپانے کی کوشش کی گئی۔ خاص طور پر آر ایس ایس اور جن سنگھ کے لیڈروں کے فساد سے متعلق رول کو چھپانے میں"

۱۹۵۴ئسے ۱۹۸۵ء کے دوران مسلمانوں پر ہندوؤں نے ۸۴۴۹ حملے کئے جس میں ۲۲۹ ۷ مسلمان شہید ہوئے اور ۲۲۱۴۷ مسلمان زخمی ہوئے یہ اعداد و شمار شائع شدہ رپورٹس کے مطابق ہیں جبکہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ آر ایس ایس کے طریقہ واردات میں یہ بات شامل ہے کہ مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی رپورٹس کو شائع ہونے سے روکا جائے یا نہایت کم بتایا جائے۔

آر ایس ایس کے لٹریچر، تقاریر، منشور میں مسلمانوں کے خلاف وارداتوں کے طریقے درج ذیل ہیں:

- مسلمان لڑکیوں خاص طور پر دیندار گھرانے کی لڑکیوں کو فحاشی اور زنا کی ترکیب دینا
- مسلمانوں کے علاقوں میں منشیات کے مراکز' شراب خانے' جوا خانے' بے حیائی اور زنا کے مراکز کھولنا۔
- ہندو نوجوان کا مسلمان لڑکیوں کے ساتھ دوستیاں لگانا انہیں راستوں میں چھیڑنا اور عزت لوٹنے کی کوشش کرنا۔
- ہندو تاجروں کو ترغیب دلانا کہ وہ مسلمانوں کی معیشت کو کمزور کریں۔

- فوج اور پولیس کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا اوران کی اس نہج پر تربیت کرنا۔
- آر ایس ایس کے عسکری تربیت یافتہ کارکنان کا مسلمانوں پر اچانک حملے کرنا اوراس سلسلے میں اپنے دوستوں اور جاننے والوں کے لیے قطعارحم دلی کا مظاہرہ نہ کرنا۔
- طلباء کے لیے نصاب تعلیم بناتے وقت سنسکرت زبان پر توجہ مرکوز کرنا اورایک مضمون لازماشائع کرنا جس میں سنسکلرت پڑھنالازمی ہو۔(چونکہ اردوزبان کی عربی سے بہت زیادہ مشابہت ہے ااس لیے اردوزبان مکمل ختم کرنے کے لیے سنسکرت کی اشاعت کے لیے مہم چلائی جارہی ہے)
- دویابھارتی (آر ایس ایس کے تعلیمی اداروں کے لیے نصاب تعلیم تیار کرنے والی کمیٹی) ہندومت کے دقیانوسی،قومی عقیدے اورافکار کوراسخ کرے تاکہ جب کوئی ہندو بچہ ان افکار پر جوان ہوتو وہ خود بخود تمام اقلیتوں ر،بالخصوص مسلمانون کواپنادشمن سمجھے۔

آر ایس ایس کے اھداف

- ہندوستان میں ہندوازم کے سوا تمام مذاہب کا خاتمہ۔
- آر ایس ایس کے تمام اراکان پرلازمی عسکری تربیت۔
- غیر ہندولوگوں کا صفایا۔
- ہندی، ہندو، ہندوستان کاغلبہ۔
- ۳۰۰۰(تین ہزار) تاریخی مساجد،کاانہدام۔
- ۲۵،۰۰۰(پچیس ہزار)اسلامی دینی مدارس کی بندش۔
- آر ایس ایس کے کارکنان کی تربیت کے لیے اٹھارہ ہزار(۱۸۰۰۰)مدارس کا قیام (کہ جہاں صرف ان کے اساتذہ تیار کئے جائیں گے اب تک ۵۰۰۰ہزاراساتذہ سرکاری عہدوں پرفائز ہوچکے ہیں جن میں بالخصوص تعلیمی ادارے شامل ہیں)

- ۲۰،۰۰،۰۰۰ (بیس لاکھ) اساتذہ کی تیاری (جن کے ذریعے کروڑوں ہندو دہشت گرد تیار کیے جائیں گے)
- پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، برما، سری لنکا، بھوٹان، کو توڑ کر ہندوستان کے ساتھ شامل کرنا۔
- ایک ایسے عالمی ہندوستان کا قیام جس کی سرحدیں افغانستان پاکستان اور مذکورہ بالا ممالک سے ہوتی ہوئی سنگاپور سے انڈونیشیا کے ساتھ ساتھ دریائے نیل کو چھوتی ہوں۔ (اس ہدف میں خلیج کے ممالک بالخصوص سعودی عرب بھی شامل ہے، آر ایس ایس کے عقیدے کے مطابق مکہ میں جو معبد کعبہ ہندوؤں کا قدیم مندر تھا جس پر محمد ﷺ نے قبضہ کرلیا۔ اسی مندر (کعبہ) کو موجودہ ۳۶۰ بتوں میں سے منات کا بت بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھارت میں سب سے بڑا بت اور مندر منات یعنی سومنات کا ہے۔ (اس وقت تک آر ایس ایس اپنے اہداف کے مطابق ۲ ہزار مساجد، تین سو گرجا گھر اور ۳۵ گردوارے گرا چکی ہے۔)
- ہندوؤں میں خوف کی نفسیات پیدا کرنے کی غرض سے ان میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ ہندوؤں کی آبادی کم ہو رہی ہے اور مسلمانوں کی ابادی بڑھ رہی ہے۔
- ہندوؤں میں دستی بموں اور ہلکے اسلحے کی تقسیم کرنا۔
- محنت کش طبقہ کے لوگوں کے درمیان دوستی اور رابطے کو تقویت دینا تاکہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے دوران ان کی تائید اور حمایت حاصل ہو۔
- ہر جگہ بتوں کی تنصیب کرنا مثلاً مساجد، مقبرے، کلیسا، دکانات وغیرہ میں تاکہ کوئی جگہ ایسی نہ رہے کہ جہاں نظر اٹھے اور بت نظر نہ آئیں۔
- شعبہ طب میں ہندومت کے افکار پھیلانے کے لیے خاص طور پر کام کرنا۔
- ایسی ادوایات جن کے استعمال کی تاریخ ختم ہوگئی تو ایسی ادویات مسلمانوں کو بیچنا اور

انہیں اس کے متعلق کچھ نہ بتانا۔

- مسلمانوں کے بچوں کو دائمی بانجھ پن کا ٹیکہ لگانا۔
- آر ایس ایس کے رضا کار مسلمانوں کے مدارس کے سامنے ایسی مضر اشیاء کھانے پینے والی بیچتے ہیں جس سے وہ جسمانی و ذہنی طور پر بیمار ہو جائیں۔
- مسلمانوں کو غدار وطن کا الزام لگا کر فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنا۔
- جن علاقوں میں مسلمانوں پر حملے شروع ہو جائیں وہاں تخریبی ذہن والے رضا کار اپنا کام دکھا کر دور نکل جائیں۔
- ہر قسم کی نشریات اور پرنٹ میڈیا میں ایسے اخبارات کا بائیکاٹ کیا جائے جس میں مسلمانوں کو تما حقوق دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہو۔
- حکومت، انتظامیہ اور بیوروکریسی میں آر ایس ایس کے کارکن داخل کرنا۔
- مسلمان تنظیموں کی نگرانی اور تفتیش کے متعلق نگرانی کرنا۔
- تعلیمی اداروں میں سرسواتی (معرفت کا دیوتا) کے اصولوں کو لازمی قرار دینا۔
- اصل ہندو رسم رواج و ثقافت کی تجدید کرنا۔
- مسلمان بچوں کے ذہنوں میں اوم، شری رام وغیرہ کے الفاظ راسخ کرنا۔
- مسلمانوں میں منشیات کو فروغ دینا۔
- پروپیگنڈے کے ذریعے نوجوانوں کی برین واشنگ کرنا۔
- مقامی مظاہروں میں اختلافات کو مزید ہوا دینا۔
- روشن ہندوستانی تاریخ کو مظاہر کرنا۔
- جن مسلمانوں کے نام کے ساتھ کوئی ہندوانہ نام نہ لگا ہوا سے قطعاً ملازمت نہ دینا۔
- ہندی فلموں کے ذریعے ہندو ثقافت تمام اسلامی مملک خصوصاً پاکستان میں پھیلانا۔
- دھمکی، دھونس اور دھاندلی کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کرنا۔

آر ایس ایس کا نعرہ ہے کہ مسلمان ہندی ثقافت اور تمدن کو اپنائیں اور اپنے دینی شعائر کو بھول جائیں ورنہ پھر یہاں اجنبی بن کر رہیں ملک کے شہری کے طور پر نہیں۔ خصوصا عرب ممالک میں ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ ملازمتیں دلوائی جائیں تا کہ یہاں بھی ہندو تہذیب پھیلائی جائے۔

مسلمانون کی معیشت کو کمزور کیا جائے ، یہاں اپنا نیٹ ورک مضبوط کیا جائے تا کہ مستقبل میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ مسلمانوں کو عرب ممالک میں کام کرنے میں رکاوٹیں ڈالی جائیں تا کہ ان کے بیرونی مسلمانوں سے رابطے مضبوط نہ ہوں۔

آر ایس ایس کی عسکری تربیت

آر ایس ایس نے اپنے ہر کارکن کے لیے عسکری تربیت کو لازمی قرار دے رکھا ہے۔ جس میں جسمانی تربیت کے ساتھ تلوار، گتکا، عسکری ڈرل، ہلکے ہتھیاروں کی مشق ، خنجر، چاقو کی مہارت ، آگ لگانے ، ہنگامے برپا کرنے ، عزتیں لوٹنے ، پٹرول ، تیل ، کیروسین کے ذریعے مسلمانوں کی املاک اور جائیدادوں کو جلانے ، توڑ پھوڑ کونے کی تربیت دی جاتی ہے۔

پورے بھارت میں آر ایس ایس کے ہزاروں معسکرات ہیں کہ جہاں سے ہر سال لاکھوں نوجوان تربیت حاصل کر کے فارغ ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ۲۰۰۱ء میں یعنی صرف ایک سال میں ۱۰۳۰۱ ۴۵ نوجوانوں نے عسکری تربیت مکمل کی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اب تک ۲۸۰۶۰۷۱ (۲۸ لاکھ ۶ ہزار ۷۱) ہندو نوجوان عسکری تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ (یہ اعداد و شمار ایک سال قبل کے ہیں)

آر ایس ایس کے عسکری مراکز کی تعداد ۵۰۳۰ ہے ، اس کا ہیڈ کوارٹر ناگ پور میں ہے۔ اس کے کچھ علاقوں میں موجود عسکری مراکز کی مختصر رپورٹ کچھ اس طرح سے ہے کہ

صوبہ راجستھان میں آر ایس ایس کے ۱۲۱ عسکری کیمپ ہیں جہاں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔اور ہر سال لگ بھگ ۲۰ ہزار دہشت گرد ہندو تربیت حاصل کرتے ہیں جس میں را'' کے اہلکاروں کی بہت بڑی تعداد شامل ہوتی ہے ۔راجستھان کا علاقہ پورے بھارت میں سب سے اہم اس لیئے خیال کیا جاتا ہے کہ آبادیوں سے دور کم گنجان علاقے عسکریت کے لیے نہایت موزوں ہیں۔راجستھان میں کچھ عرصہ پہلے تک مسلمانوں کے لیے داڑھی رکھنا ممنوع تھی ۔دوسرا یہ کہ اس کی سرحدیں پاکستان سے لگتی ہیں جس کا فائدہ یہ ہے کہ تربیت کے فورا بعد پاکستان میں بم دھماکے فسادات برپا کرنے کے لیے فورا لانچ کردیا جاتا ہے۔ان تمام عسکری کیمپوں میں سب سے اہم کیمپ گنگا نگر کا ہے۔ جہاں اہم ترین افراد کو تربیت دی جاتی ہے عام طور پر گنگا نگر میں ۴۷۰، بیکانیر میں ۷۰۰، چترناری میں ۶۰۰، برمیر میں ۲۸۰ جے پوری میں ۱۱۷۰، جاکر میں ۵۰۰، بابنیا میں ۱۴۰ ہندو عسکری مراکز قائم ہیں بھارتی صوبہ پنجاب میں تین بڑے اہم خفیہ عسکری مراکز کام کررہے ہیں جس میں پٹھانکوٹ میں جو کیمپ میں سوا دوسو (۲۲۵) گاندھی نگر میں ۷۰۰، فیروز پور مین ۲۰۰ کے لگ بھگ ہندو دہشت گردی کی تربیت حاصل کرتے ہیں ۔یہاں کے بارے میں رپورٹ ہے کہ یہ دہشت گردوں کے بہروپ میں سکھ لابی کے خلاف بھی کام کرتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کو روکنے کے لیے بھی کیمپ موجود ہیں ۔۱۹۹۷ء کی رپورٹ کے مطابق اس سال منڈھیر منڈی میں ۷۰،اودھم پور میں ۴۰، چنگا قلعہ میں ۱۸،سرینگر میں ۱۰۰ اور راونی پور میں ۲۰ سے زائد ہندوؤں نے عسکری تربیت حاصل کی۔

اسی طرح صوبہ گجرات میں چار بڑے اہم عسکری مراکز ہیں کہ جہاں آر ایس ایس کے کارکنان تربیت حاصل کرتے ہیں۔ان میں ضلع بھوچ اور لکھپت دیر کے مراکز سے فارغ ہونے والے ہندو دہشت گردوں کی تعداد لگ بھگ ۴۰۰ سو ہے جبکہ ضلع تھراڈ میں ۲۰۰،سوئی گام میں ۱۹۰ ہندوؤں نے ٹریننگ کی ہے۔یہ صرف ایک سال کی رپورٹ ہے جبکہ یہ کام گذشت نصف صدی سے جاری ہے۔

اس وقت بھارتی فوج کے تقریبا ۵۰ ہزار افسر اور جوان ریٹائرڈ اور حاضر سروس ہندوستان کے ۱۸ صوبوں میں آر ایس ایس کے لیے عسکری خدمات انجام دے رہے ہیں۔

گجرات کے حالیہ مسلم کش فسادات کے دوران آر ایس ایس نے ترشول دکھشنا سمارو' مہم کے نام پر ہندوؤں میں بڑے پیمانے پر اسلحہ تقسیم کرنے اور عسکری تربیت دینے کا کام جاری رکھا ایک رپورٹ کے مطابق اب تک صوبہ گجرات میں ۵ لاکھ ترشول تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ اور انڈیا ٹوڈے کی رپورٹ کے مطابق ۱۲ لاکھ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائی میں حصہ لیا۔

گجرات کے حالیہ قتل عام کے دوران اور اس کے بعد بھی آر ایس ایس کی طرف سے ایسے لٹریچر اور پمفلٹ کی تقسیم جاری ہے کہ جس میں مسلمانوں کا مکمل طور پر معاشی بائیکاٹ کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔ یہ پمفلٹ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیے گئے ہیں اور جن ہندوؤں نے ان ہدایات پر عمل نہیں کیا ان کے خلاف سخت کاروائی کی گئی۔

آر ایس ایس کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف تقسیم کردہ معاشی بائیکاٹ کا پمفلٹ

جئے شری رام:

جاگئے اٹھئے! سوچئے! زور لگایئے ملک بچایئے، مذہب بچایئے!

معاشی بائیکاٹ ہی واحد حل ہے۔ قوم مخالف عناصر (مسلمان) ہندوؤں سے کمائی ہوئی رقم ہمیں تباہ کرنے کے لیے ہمارے ہی خلاف استعمال کرتے ہیں!

وہ ہتھیار خریدتے ہیں! وہ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی عزت لوٹتے ہیں ان عناصر کی کمر توڑنے کا راستہ بھی یہی ہے کہ معاشی عدم تعاون کی تحریک چلائی جائے۔ آیئے عہد کریں:

۱۔ آج سے میں کسی مسلمان دوکاندار سے کوئی چیز نہیں خریدوں گا۔

۲۔ میں اپنی دوکان سے کوئی چیز ان عناصر کو نہیں بیچوں گا۔

۳۔ان قوم مخالف (مسلمانوں) کے نہ تو ہوٹل استعمال کروں گا اور نہ ہی ان کے گیراج۔

۴۔میں اپنی گاڑیاں صرف ہندوؤں کی موٹر ورکشاپ سے ٹھیک کراؤں گا،ایک سوئیسے لے کر سونے تک ،میں مسلمانوں کی بنائی ہوئی چیز نہیں خریدوں گا اور نہ ہی اپنی بنائی ہوئی چیزیں انہیں بیچیں گے۔

۵۔دل سے بائیکاٹ کیجئے ان فلموں کا جس میں مسلمان ہیرو یا ہیروئن کے طور پر اداکاری کرے۔ان کی بنائی ہوئی فلموں کو پھینک دیجئے۔

۶۔مسلمانوں کے دفاتر میں کام مت کیجئے۔نہ ہی انہیں کرائے پر دیجئے۔

۷۔اپنے کاروباری احاطے میں انہیں کوئی دفتر نہ خریدنے دیجئے ۔اپنی کالونیوں ،سوسائٹیوں یا معاشرے میں انہیں اپنے گھر کرائے پر دیجئے اور نہ بیچئے۔

۸۔میں یقیناً اسے ہی ووٹ دوں گا جو صرف ہندو قوم کی حفاظت کرے گا۔

۹۔میں اس بات کا ہوشیاری سے دھیان رکھوں گا کہ ہماری بہنیں ،بیٹیاں سکول،کالج یا کام کی جگہ پر مسلمانوں کے لڑکوں کے عشق یا محبت کے جھانسے میں نہ آئیں۔

۱۰۔میں کسی مسلمان استاد سے کوئی تعلیم یا تربیت حاصل نہیں کروں گا۔

ایسا سخت معاشی بائیکاٹ ہی ان عناصر کو الٹا سکتا ہے۔یہ ان کی کمر توڑ دے گا۔پھر ان کے لیے مشکل ہوگا کہ وہ اس ملک کے کسی بھی کونے میں (سکون سے) رہ سکیں۔

دوستو!پھر آیئے!آج سے یہ معاشی بائیکاٹ شروع کریں۔پھر کوئی مسلمان ہمارے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گا۔کیا آپ نے یہ پمفلٹ پڑھ لیا ہے؟پھر اسکی دس فوٹو سٹیٹ کروائیں اور اسے اپنے بھائیوں میں تقسیم کریں۔ہنومان کی لعنت ہو اس پر جو اس پر عمل نہ کریں اور اسے دوسروں تک تقسیم نہ کرے اور اس پر رام چندر جی کی بھی لعنت ہو۔

جئے شری رام ۔۔۔۔۔۔۔ایک سچا محبت وطن ہندو!!

(بشکریہ مجلہ الدعوۃ مئی ۲۰۰۲ء)

گجرات میں مسلم بیٹیوں پر کیا قیامت گزری؟

(حالیہ فسادات کے حوالہ سے ہندوؤں کے مظالم کی جگر پاش رپورٹ)

تقسیم ہند سے لے کر اب تک بھارت میں بلا مبالغہ سینکڑوں مرتبہ فسادات ہوئے اور یہ فسادات مسلمانوں کے خلاف سوچی سمجھی سازشوں کے تحت ہوتے آئے ہیں۔اور صاف ظاہر ہے اس میں نقصان بھی مسلمانوں ہی کا ہوا۔ہزاروں مسلمان ان فسادات میں ہلاک کئے گئے، مسلمانوں کی املاک تباہ کی گئیں، ان کے گھروں کو نذر آتش کیا گیا، مساجد کو شہید اور عزتوں کو پامال کیا گیا۔بھارت کے سیکولرائز ہونے کے بعد خیال تھا کہ دین ومذہب کی بنیاد پر ہونے والے ان فسادات کا سد باب ہو جائے گا۔مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔اس کی دو بڑی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ بھارت کا سیکولرازم بھی 'ملطلب' کا ہے۔اور دوسری یہ کہ بھارت میں کچھ ایسی انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیمیں ہیں جو بھارت ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کا وجود کسی طرح بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ان دہشت گرد تنظیموں میں بڑی اور سرگرم عمل تنظیمیں یہ ہیں یعنی:

جن سنگھ، راشٹریہ سیوک سنگھ، شیوسینا، ہندو مہا سبھا

ہندو مہا سبھا تو اب زوال پذیر ہے اور عملی سیاست میں اس کا نام کم ہی سننے میں آیا ہے۔انتہا پسند، متعصب، تنگدل، جنونی اور دہشت گرد ہندوؤں کے لئے 'جن سنگھ' میں زیادہ کشش ہے۔چنانچہ اس کا دائرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۷ء کے عام انتخابات میں اسے ۴ فیصد ووٹ ملے جبکہ ۱۹۶۷ء میں یہ تعداد دوگنی ہوگئی۔راشٹریہ سیوک سنگھ عملاً جن سنگھ ہی کا فوجی بازو ہے۔اس تنظیم کی بنیاد 'نازی' خطوط پر استوار کی گئی ہے۔یہ باقاعدہ ''فوجی مشقیں'' کرتی اور مسلمانوں کو منظم طور

پر ہلاک کرنے اور ان کے مکانات اور دکانوں کو آگ لگانے کی تربیت ہندو نوجوانوں کو دیتی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کی تفصیل دی گئی ہے۔

بھارت کے تمام غیر جانبدار اور منصف مزاج ہندو (اگرچہ ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے) اس بات پر متفق ہیں کہ بھارت میں جب بھی اور جہاں بھی مسلم کش بلوے ہوتے ہیں، ان کے پیچھے ان دونوں تنظیموں کا منظم منصوبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اور بالخصوص ایسے بلوے وہیں ہوتے ہیں، جہاں ان تنظیموں کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ (دہشت گرد بھارت ص ۴۶)

گجرات، احمد آباد کے حالیہ فسادات میں ہزاروں مسلمانوں کو منظم طریقے سے قتل کیا گیا، ان املاک تباہ و برباد کی گئیں۔ جبکہ مسلم عورتوں کے ساتھ جو گھناؤنا سلوک کیا گیا، وہ بیان سے باہر ہے۔ آئندہ سطور میں اسی سلسلہ میں عینی گواہوں کے بیان کردہ کچھ ایسے واقعات دیئے جارہے ہیں جنہیں ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' نے مہاجر کیمپوں کا باقاعدہ سروے کرکے تیار کیا ہے:

''جب ہمیں گنگوتری (Gangotri) سوسائٹی سے زبردستی نکال دیا گیا تو ہندوؤں کے ایک جتھے نے جلتے ہوئے ٹائروں کے ساتھ ہمارا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ اس دوران انہوں نے کئی مسلمان لڑکیوں کی عزتیں لوٹ لیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ۸ سے ۱۰ تک عزتیں لٹنے کے مناظر دیکھے۔ ہم نے ۱۶ سالہ مہر النساء کو ننگا ہوتے دیکھا۔ وہ لڑکیوں کو ننگا کررہے تھے۔ پھر انہوں نے ان میں سے ۸ مسلم لڑکیوں کی عزت سڑک کے بیچ لوٹ لی۔ ہم نے ایک لڑکی کی شرمگاہ کو لمبائی کے رخ ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا پھر ان سب بدقسمت لڑکیوں کو جلادیا اور اس طرح تمام ثبوت ختم کردیئے۔'' [ذرائع کلثوم بی بی۔ شاہ عالم کیمپ ۲۷ مارچ ۲۰۰۲ء]

''میں نے فرزانہ کی گڈو چارا کے ذریعے عزت لوٹتی دیکھی۔ فرزانہ کی عمر صرف ۱۳ سال ہے وہ حسین نگر کی رہائشی تھی۔ انہوں نے فرزانہ کے معدے میں

سر یا گھسڑ دیا۔ بعد میں اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ ۱۲ سالہ نور جہاں کی بھی عصمت دری کی گئی ۔عصمت لوٹنے والوں میں گڈو، سریش، نریش، چارا اور ہریا شامل تھے۔ میں نے سٹیٹ ٹرانسپورٹ ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے والی بھوانی سنگھ کو دیکھا کہ اس نے پانچ مسلمان مرد اور ایک بچے کو قتل کر دیا۔ چارانگر اور کوبرنگر سے آنے والے ہندوؤں کے جتھوں نے شام چھ بجے مسلمانوں کو جلانا شروع کر دیا۔ ان ہندوؤں نے اس علاقے کی تمام لڑکیوں کو بالکل برہنہ کر دیا جس میں میری ۲۲ سالہ بیٹی بھی شامل تھی۔ پھر ان سے منہ کالا کیا۔ میری بیٹی کی منگنی ہو چکی تھی۔ میرے گھر کے افراد کو زندہ جلا دیا گیا جس میں میری بیوی (۴۰ سالہ)میرے بیٹے (۱۸، ۱۴، اور ۷ سال کے) اور میری تین بیٹیوں (۲، ۱۴ اور ۲۲ سال کی) شامل ہیں۔ میری سب سے بڑی بیٹی جو بعد میں سول ہسپتال جا کر مر گئی، اس نے مرنے سے قبل بتایا کہ عزت لوٹنے والے ہندو خاکی نیکریں پہنے ہوئے تھے" (یعنی آر ایس ایس کی وردی میں تھے)[ذرائع عبداللہ عثمان]

"۲۸ فروری کی سہ پہر ہم ۴۰ افراد ضلع کالول کی طرف فرار ہونا چاہتے تھے۔ میرا خاوند بس چلا رہا تھا۔ کالول سے باہر ایک مروتی کار نے سڑک بلاک کر رکھی تھی۔ ہندو درندوں کا ایک گروہ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ فیروز نے بچانے کی کوشش کی، بس الٹ گئی۔ جیسے ہم ہم باہر نکلے ہم پر حملے شروع ہو گئے۔ مسلمان چاروں طرف بھاگنے لگے۔ ہم میں سے کچھ دریا کی طرف بھاگے۔ چونکہ میری گود میں میرا بیٹا فیضان تھا اس لئے میں گر گئی۔ ہندوؤں نے مجھے پیچھے سے پکڑا اور سڑک پر پھینک دیا۔ فیضان میری گود سے گر گیا اور چیخنے چلانے لگا۔ ہندوؤں نے میرے کپڑے پھاڑ کر اتار دیئے اور میں بالکل ننگی ہو گئی۔ ایک ایک کر کے ہندوؤں نے میری عصمت دری کی۔ اس دوران میرے بچے کی چیخنے کی آوازیں میرے کانوں مین آتی رہیں۔ تین ہندوؤں کے عزت لوٹنے کے بعد میں بے ہوش ہو گئی پھر انہوں نے ایک تیز آلہ سے میرا پاؤں کاٹ کر علیحدہ کر دیا اور میں اسی حالت میں وہاں پڑی رہی ۔" (رپورٹ دینے والا بیان کرتا ہے کہ یہ عورت جس کا نام سلطانی ہے تاحال ہسپتال میں ہے اور اسے علم نہیں کہ اس کا خاوند قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے خاوند کے انتظار میں ہے)

میرے سسر جو کہ ریٹائرڈ سکول استاد ہیں نے دیگر مسلمانوں کے ساتھ کالول کی طرف نکلنے سے انکار کر دیا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ اتنے شریف ہیں کہ انہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ ۲۸ فروری سے ہمارے گھر والوں نے مختلف گھروں اور کھیتوں میں پناہ لینا شروع کی ۔ ۳ مارچ بروز ہفتہ دوپہر کو جس جگہ ہم چھپے ہوئے تھے۔ حملہ ہو گیا۔ ہم مختلف سمتوں میں بھاگے اور کھیتوں میں جا چھپے۔ لیکن ہندوؤں نے ہمیں تلاش کر لیا میں نے اپنے گھر والوں کی آوازیں سنیں وہ ہندوؤں سے رحم کی اپیلیں کر رہے تھے۔ میں نے دو ہندوؤں کو پہچان لیا وہ ہمارے گاؤں ہی کے تھے۔ گانو باریہ اور سنیل۔ انہوں نے میری بیٹی شبانہ کو کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ چیخی چلائی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ رقیہ، سہانہ اور شبانہ کی چیخیں عزت بچانے کے لئے مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ میرا دماغ خوف اور دہشت سے سن ہو چکا تھا میں اپنی بیٹیوں کی عزت اور انہیں مرنے سے بچانے کے لیے کچھ نہ کر سکتی تھی ۔ انہوں نے میری بیٹیوں کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ وہ کس طرح کے انسان تھے؟ ان درندوں نے میری پیاری بیٹیوں کے ٹکرے ٹکڑے کر دیئے۔ کچھ دیر بعد ہندو زور زور سے کہہ رہے تھے کہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو کوئی ثبوت نہ چھوڑو۔ میں نے انہیں آگ میں جلتے دیکھا۔ رقیہ کے بارے میں بتایا کہ اس کا پاجامہ اتار لیا گیا اور ایک ایک کر کے ہندو اس کے جسم کے نچلے حصے میں اپنا جسم گھسیڑتے رہے۔ (استغفر اللہ!)

[ذرائع مدینہ مصطفیٰ اسماعیل شیخ پنچ محل ضلع ۳۰ مارچ ۲۰۰۲ء]

''۲۸ فروری کو ۹ بجے ہندو آئے اور نعرے لگانے لگے کہ مسلمانوں کو باہر نکالو۔ میں اپنی ماں، باپ، بہن، بہن کی بیٹی، بیوی زرینہ سگے بھائی، اور بھتیجی کو لے کر بھاگا۔ ہم گھر کے (۱۱) افراد پولیس کی چوکی کی طرف بھاگے۔ پولیس نے کہا گودی ناتھ اور گنگوتری کی طرف بھاگ جاؤ۔ میں اپنی بیوی سے جدا ہو گیا پھر اس کے ساتھ ہو گیا اس نے بتایا کہ اس نے ہندوؤں سے بچنے کے لیے ایک دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔ انہوں نے مل کر اس کی عزت لوٹی اور اس کا ایک بازو کاٹ کر علیحدہ کر دیا۔ وہ ملی تو بالکل برہنہ تھی اب وہ سول ہسپتال میں زیر علاج ہے اور خانپور دروازہ کے قریب اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہے۔''

[ذرائع نعیم الدین ابراہیم شیخ۔ زرینہ کا ۳۰ سالہ شوہر۔ شاہ عالم کیمپ نرودہ]

''ہم ۲۰ مسلمان ہندوؤں سے بچنے کے لیے دریا کی طرف دوڑے۔ جاوید کا ایک لڑکا کسی طرح بچ کر جھاریوں کے پیچھے چھپ گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہندوؤں نے محمد بھائی کو قتل کیا اور ۱۳ سالہ یاسمین کی عزت لوٹ لی۔ وہ اس لڑکے کی ماں کو قتل کرنے والے تھے جو کہ ہمارے ساتھ جھاڑی میں چھپا ہوا تھا اس لیے وہ فوراً چیختا ہوا باہر نکلا اور پکڑا گیا۔ اسے لاشوں کے گرد چکر لگانے کا حکم دیا گیا اور پھر اسے بھی آگ میں جھونک کر راکھ کر دیا گیا۔''

[ذرائع: دیلول کیمپ کی خواتین پنچ محل ضلع ۳۰ مارچ ۲۰۰۲ء]

۳۵ سالہ حسینہ بی بی یسین خان پٹھان کے ہمراہ اپنے گھر کے ۱۷ افراد کو لے کر لمکھدا (Limkheda) سے نکلے۔ صبح ۷ بجے وہ ریلوے سٹیشن سے ریل پر بیٹھے ۔ ۱۰ بجے دھیرول سٹیشن پہنچنے پر ہندوؤں نے حملہ کر دیا۔ تمام خاندان کے لوگ افراتفری میں بکھر گئے۔ حسینہ اس کے خاوند اور جوان بیٹی نے ھلول کی طرف نکلنے کی کوشش کی۔ دو بچے فرزانہ دس سالہ اور سکندرہ سات سالہ کھیتوں میں فرار ہو چکیں تھیں۔ ۴ بچے ایوب (۱۲ سالہ)مشتاق (۱۲ سالہ) محسن (۱۰ سالہ) شیراز (۷ سالہ) جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے اور فسادات اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ ہندوؤں کا بہت بڑا مجمع تھا وہ سب پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ تلواریں ہاتھ میں لئے۔ ایوب کے مطابق ہندوؤں نے اس کی بہن افسانہ ،کزن زیبو، نور جہاں، ستارہ اکبر، ریحانہ، یوسف، عمران، آنٹی خاتون اور بھائی ظریف کو پکڑ لیا۔ بس یہ آخری منظر ایوب نے دیکھا۔ اگلے دن ان کی لاشوں کے ٹکڑے قریبی نہر سے ملے۔ [ذرائع: ایوب، بلول کیمپ، ضلع محل۔۔۔ واقعے کا پہلا حصہ اس کی ماں حسینہ بی بی کا بیان کردہ ہے۔]

نسیم اور محمودہ جو کہ ایک تنظیم سے منسلک ہے اور اب شاہ عالم کیمپ میں کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے گواہی دی کہ کیمپ میں پہنچنے والی بہت سی عورتیں بالکل ننگی تھیں۔ مردوں نے اپنی قمیصیں اتار کر ان کی شرمگاہوں کو ڈھانپا۔ کچھ عورتیں اجتماعی عصمت دری اور جنسی تشدد کی وجہ سے مشکل سے چل پا رہی تھیں کیونکہ ان کے جسم کے مخصوص حصے پھٹ گئے تھے

،ہم ان سے باتیں کرتے ہوئے ،زبیدہ آپا سے ملے جوکہ عمر رسیدہ خاتون ہیں۔لیکن مسلم لڑکیوں کی عزت لٹنے کی گواہ ہیں۔اس کے چہرے پر گہرا زخم ہے،ہم زیادہ سوال کر کے اس کے دکھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ہمیں نجمہ بانو کے متعلق بتایا گیا کہ جو کہ بے ہوشی کی حالت میں کیمپ میں لائی گئی۔اس کے جسم پر ناخنوں اور دانتوں کے کاٹنے کے نشانات بھر پڑے تھے ان سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔جن خواتین نے اس کی پٹیاں کیں انہون نے اس کی شرمگاہ سے لکڑی کے ٹکڑے کھینچ کر نکالے۔نجمہ بانو اتنی زخمی تھی کہ وہ اپنی کہانی بیان کرنے کے قابل نہیں تھی۔وہ کہتی ہے کہ مجھے کچھ یاد نہیں لیکن اس کا جسم دہشت وحشت کی تمام کہانی سنا رہا تھا۔

شام ۶:۳۰ بجے ہندوؤں نے میرے خاوند کو پکڑا اور تلوار کے دو وار اس کے سر پر کیئے۔پھر انہون نے اس کی آنکھوں پر پٹرول چھڑکا اور پھر اسے جلا کر کوئلہ کر دیا۔میری نند کو برہنہ کیا گیا اور عصمت دری کی گئی،اس کی گود میں تین ماہ کا بچہ تھا۔انہوں نے پٹرول اس پر پھینکا اور اس کی گود سے بچہ لے لیا اور اسے بھی جلتی آگ میں ڈال دیا میرے دیو کے سر پر بھی تلوار کی ضربیں لگائیں اور اسے بھی آگ میں جلا دیا گیا۔ہم عمارت کی بلکونی میں چھپے ہوئے تھے،میری ساس سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی تھی اس لیے وہ اپنے ۴ سالہ پوتے کے ساتھ نیچے ہی رہ گئی۔میری ساس نے روتے ہوئے منتیں کیں جتنے چاہے روپے لے لو میرے پوتے کو چھوڑ دو۔انہوں نے تمام زیورات اور رقوم اکٹھیں کیں پھر بچے پر پٹرول پھینک کر آگ لگادی۔میری بوڑھی ساس کی بھی عزت لوٹ لی گئی۔مین ان تمام واقعات کی گواہ ہوں۔میری گلی کی غیر شادی شدہ مسلمان لڑکیوں کو ننگا کیا گیا،عصمت دری کی گئی اور آگ لگا دی گئی۔ایک ۱۴ سالہ لڑکی کے معدے میں لوہے کا راڈ داخل کر کے مار دیا گیا۔یہ مہم رات ۲:۳۰ بجے ختم ہوئی۔پھر ایمبولینس اور میں اور اس میں میرے خاوند اور بچوں کی لاشوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔میری ٹانگوں کے پٹھوں اور بائیں ہاتھ پر پولیس کی مار کی وجہ سے زخم تھے۔میرا خاوند ۴۸ فیصد اور میری بیٹی ۹۵ فیصد جل گئی تھی اس لیے وہ تین دن بعد مر گئے۔پولیس اس واقعے کے دوران موجود تھی لیکن وہ ہندو بلوائیوں کی مدد کرتی رہی

بھارت/اسرائیل، گٹھ جوڑ اور سلامتیٔ پاکستان کو درپیش خطرات!

۲۱ مئی ۲۰۰۳ء کو انگریزی معاصر ''دی نیوز'' نے خبر دی کہ اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون ۱۰ جون ۲۰۰۳ء کو بھارت کا دورہ کر رہے ہیں۔ خبر نگار ماریانا بابر کا کہنا ہے: ''یہ دورہ اس امر کا غماز ہے کہ گزشتہ ایک عشرے کے دوران بھارت اور اسرائیل نے سفارتی، تجارتی اور دفاعی میدانوں میں جو دوستیاں کی ہیں، اب ان تعلقات کو مزید مستحکم کیا جا رہا ہے۔''

بھارتی پالیسی سازوں نے بروقت بڑی ہی مشاقی سے اسرائیل کے توسط سے امریکہ کے ساتھ تعلقات کو مستحکم تر کرنے کا ڈول ڈالا ہے کیونکہ بھارت جانتا ہے کہ امریکہ کے جملہ ذرائع کی جان اسرائیلی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی کہ امریکی حکومت کے تینوں بڑے ستون (پینٹاگان، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور سی آئی اے) امریکی یہودیوں کے زیر اثر کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دنوں جب بھارتی سکیورٹی کونسل کے سربراہ برجیش مشرا امریکہ کے دورے پر گئے تو انہوں نے واشنگٹن میں ایک یہودی لابی اور تھنک ٹینک سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''دنیا میں جمہوریت کے تین اہم ترین محور امریکہ، بھارت اور اسرائیل ہیں۔ یہ تینوں ممالک ہاتھوں میں ہاتھ دے کر دہشت گردی کے خلاف جنگ جیت سکتے ہیں۔'' برجیش مشرا نے اپنے اس خطاب میں یہ تجویز بھی پیش کی: کیوں نہ ہم تینوں دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کو باقاعدہ ایک معاہدے کی شکل دے دیں؟

بھارت اسرائیل تعلقات کے اس نئے منظر کے حوالے سے اسلام آباد میں مختلف رائے پائی جاتی ہیں مگر ایک خیال مشترک ہے کہ پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی میں بہت تیز

اور بہت محتاط تبدیلیاں لا نا ہوں گی۔ حیرانی کی بات ہے کہ اسلام آباد کے مقتدر ایوانوں میں بھارت اور اسرائیل کے بڑھتے ہوئے ان تعلقات کے حوالے سے نجیدہ اور فہمیدہ انداز میں سوچنے والے افراد بہت کم ہیں۔ اس سلسلے میں جب سینئر سید مشاہد حسین جو وفاقی وزیر اطلاعات بھی رہے ہیں اور گفتگو کرنے کا سلیقہ خوب جانتے ہیں، سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''رواں لمحوں میں اسرائیل، پاکستان کو ایک خطرے (Threat) کی حیثیت میں نہیں دیکھ رہا ہے اور نہ ہی پاکستان کی خارجہ پالیسی میں اسرائیل مخالف عنصر اتنا نمایاں ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حالیہ دنوں میں بھارت اور اسرائیل کے درمیان تعلقات نے جو نئی شکل اور جہت اختیار کی ہے، اس کے پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟'' مشاہد حسین تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سوویت یونین کے بکھر جانے کے بعد بھارت نے اسرائیل سے جدید دفاعی ساز وسامان کی خریداری کرنے میں دیر نہیں کی ہے۔ بھارت نے اسرائیل کے ساتھ جو دفاعی معاہدے کئے ہیں، ان کے مطابق یہ ڈیفنس ڈیل 300 ارب ڈالر کو محیط ہے، اگرچہ اس کا زیادہ تر حصہ ابھی پائپ لائن میں ہے۔''

اسرائیل بہت سے اہم محاذوں پر بھارت کی اعانت کر رہا ہے۔ مثلاً مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجوں کے ساتھ اسرائیلی فوجی بروئے کار ہیں اور یہ راز اب راز نہیں رہا کہ اسرائیل، بھارت کے تین ہزار کمانڈوز کو اپنے ہاں تربیت دے رہا ہے اس پیش رفت کو پاکستان نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ برس جب مشہور بھارتی متشدد سیاسی رہنما ایل کے ایڈوانی اسرائیل کے دورے پر گئے تو انہی کی درخواست پر اسرائیل نے بھارتی کمانڈوز کو اپنے ہاں تربیت دینے کی ہامی بھری تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایڈوانی کی کوششوں ہی سے اسرائیل کی طرف سے بھارت کو وہ حساس آلات ملے ہیں جن کی بدولت مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی سرگرمیوں کی جاسوسی کرنا آسان کام بن گیا ہے۔ اسی

وجہ سے جنرل حمید گل کو بھی اپنے ایک انٹرویو میں کہنا پڑا ہے: ''اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کا دورۂ بھارت دراصل پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ بھارت پہلے بھی اسرائیل گہرے تعلقات استوار کر چکا تھا مگر ان کو OPEN کرنے سے ہچکچاتا تھا کیونکہ اسے عربوں کا ڈر تھا مگر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثے اور اب عراق پر امریکی قبضے نے بھارت کی جھجک بھی دور کر دی ہے اور اب وہ دیدہ دلیری کے مظاہرے کرنے لگا ہے'' جنرل حمید گل نے مزید کہا: ''ماضی قریب میں اسرائیل نے پاکستان کی جوہری تنصیبات پر بھارت کے ساتھ ملکر حملہ کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔''

اور ماضی قریب ہی میں بعض سیاسی حلقوں کی طرف سے یہ آوازیں اٹھتی رہی ہیں کہ یہ پاکستان کے بہتر مفاد میں ہوگا کہ ہم اسرائیل کو تسلیم کر لیں۔ اس سلسلے میں آزاد کشمیر کے معروف سیاستدان اور سابق وزیر اعظم سردار عبدالقیوم کے صاحبزادے سردار عتیق صاحب بھی بار بار بیان دیتے رہے ہیں کہ پاکستان کو چاہئے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کر لے۔ چند سال قبل اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا جب لاہور کے ایک مشہور عالم دین نے خفیہ طور پر اسرائیل کا دورہ کیا تھا۔ یہ قدم بعض مقتدر قوتوں کی اعانت اور اشارے کے بغیر کیسے اٹھایا جا سکتا تھا؟ پاکستان میں بعض حلقوں کی یہ خواہش ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کر لیا جائے مگر عوامی رائے اس خواہش اور تمنا کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اگرچہ او آئی سی (آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس) میں عالم اسلام کے بعض ایسے ممالک بھی شامل ہیں جو اسرائیل کا وجود تسلیم کرتے ہیں، جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات استوار کئے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوصف اکثریت ایسے اسلامی ممالک کی ہے جو اسرائیل کو ایک غاصب ملک اور فلسطینیوں کا قاتل خیال کرتے ہوئے اسے تسلیم کرنے پر بالکل تیار نہیں ہیں۔

بھارت اسرائیل تعلقات کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ بھارتی حکومت نے تقسیم

ہندوستان کے بعد اسرائیل سے خفیہ تعلقات استوار کر لئے تھے۔ بظاہر نہرو عربوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اسرائیل کی مخالفت کر رہا تھا۔ عالم عرب کے ساتھ یک جہتی نبھاتے ہوئے اور عالم اسلام کا ایک ناگزیر حصہ ہونے کے سبب پاکستان نے آزادی کے روزِ اول سے ہی اسرائیل کو نہ صرف تسلیم نہ کیا بلکہ عرب برادری کے ساتھ کندھے سے کندھا ملاتے ہوئے دنیا کے ہر فورم پر اسرائیل کی مخالفت کی۔ بھارت نے نہایت چالاکی اور مکاری سے اس سے فائدہ اٹھایا اور پاکستان کو زک پہنچانے کے لئے خفیہ طور پر بھی اسرائیل سے نہ صرف سفارتی اور تجارتی تعلقات مستحکم کئے بلکہ اسرائیل کے ساتھ خود کئی ایک دفاعی معاہدوں میں بھی منسلک کر لیا۔

اگر ہم مقبوضہ فلسطین میں اسرائیل کے ظالمانہ رویے اور مقبوضہ کشمیر میں بھارتی استبداد کا تقابلی جائزہ لیں تو حیران کن حد تک یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بھارت اور اسرائیل کے ہتھکنڈے اور عزائم کئی اعتبار سے یکساں اور مشترک ہیں۔ اور اگر ہم بھارت کے مشہور صحافی اور ناول نگار خوشونت سنگھ کے تازہ ترین سوانح عمری Truth, Love and a little Malice کا مطالعہ کریں تو ایک اور واضح مثال ہمارے سامنے آتی ہے کہ بھارت اور اسرائیل کئی میدانوں اور محاذوں میں ''ایک برادری'' کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ خوشونت سنگھ لکھتے ہیں: ''میں لندن میں تھا کہ ہم چند بھارتی ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر ''اسرائیل فرینڈ شپ'' تحریک کی بنیاد رکھی اور مجھے اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ اس تنظیم نے آگے چل کر بھارت کو اسرائیل کے قریب لانے میں بہت مدد فراہم کی۔''

اسی پلیٹ فارم سے بھارت کے مشہور عالم دین مولانا وحید الدین خان کئی بار اسرائیل جا چکے ہیں اور تل ابیب میں بھارتی ترنگے کے استحکام کے لئے خدمات انجام دے چکے ہیں۔

بھارت کی قومی سلامتی کے مشیر مسٹر برجیش مشرا نے اگر مئی ۲۰۰۳ء کے وسط میں واشنگٹن جا کر یہودیوں کو یہ نوید سنائی ہے کہ جون ۲۰۰۳ء کے دوسرے ہفتے اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون بھارت کے دورے پر جا رہے ہیں تو یہاں یہ بتانا بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ برجیش مشرا ہی کو بھارت اسرائیل تعلقات کو مستحکم بنانے والے بھارتی رہنماؤں میں سرفہرست جگہ دی جاتی ہے۔ اگر یہ دورہ بروقت انجام پا جاتا ہے تو اسرائیل کی طرف سے اعلیٰ ترین قیادت کا یہ پہلا بھارتی دورہ قرار پائے گا' اگرچہ اس سے قبل ۱۹۹۶ء میں اسرائیلی صدر ایزر ویزمین (Ezer Weizman) اور ۲۰۰۲ء کے دوران اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز بھارت کے دورے کر چکے ہیں۔ ستمبر ۲۰۰۱ء کے آخری ہفتے اسرائیل کی قومی سلامتی کے سینئر مشیر میجر جنرل اوزی دیان (Uzi Dayan) نے بھارت کا دورہ کرتے ہوئے اپنے ہم منصب برجیش مشرا سے کئی ملاقاتیں کی تھیں۔ اسی طرح بھارت کی طرف سے برجیش مشرا، سابق بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور نائب وزیراعظم ایل کے ایڈوانی اسرائیل کے دورے کر چکے ہیں۔

بھارت اور اسرائیل کے آپس میں بڑھتے ہوئے تعلقات سے ظاہر ہے پاکستان کو تشویش ہونی چاہئے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں ممالک نے دوستی اور تعاون کی یہ منازل کیسے طے کی ہیں؟ بعض تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ بھارت اور اسرائیل کو قریب لانے میں امریکہ میں رہنے والے دولت مند اور مؤثر بھارتیوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ امریکہ میں مقیم بھارتی ہندوؤں نے مؤثر امریکی یہودیوں سے راہ و رسم پیدا کی اور آگے چل کر یہی راہ و رسم دونوں کے بڑوں کو قریب لانے کا سبب بن گئی۔ ان تعلقات اور قربتوں کے سبب بھارت نے اسرائیل سے بہت سے مفادات سمیٹے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اسرائیل رواں لمحوں میں بھارت کو دفاعی ساز و سامان فراہم

کرنے والا دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک بن چکا ہے۔ ڈیفنس کے علاوہ زراعت کے میدان میں بھی بھارت اور اسرائیل ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔

اسرائیل نے امریکہ کی مخالفت کے باوجود بھارت کو بغیر پائلٹ اڑنے والے جاسوسی طیارے (UAV) بھی فراہم کیے ہیں۔ گزشتہ سال کے ابتدائی ہفتوں کے دوران پاکستان کے ایک ایف سولہ طیارے نے اسرائیل کی طرف سے بھارت کو فراہم کردہ ایسے ہی ایک جاسوسی طیارے (ایم کے دوم) کو مار گرایا تھا۔ اسرائیل آگے بڑھ کر بھارت کو زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل (جسے یاراک کا نام دیا گیا ہے) کے علاوہ گرین پائن ریڈار سسٹم بھی فراہم کر رہا ہے۔ انٹیلی جنس اور کاؤنٹر انٹیلی جنس کے محاذوں پر بھی اسرائیل، بھارت کی مدد کر رہا ہے۔ اسرائیل کی ایک الیکٹرانکس کمپنی (ایلنا الیکٹرانکس) کو دنیا بھر میں سرفہرست خیال کیا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہی کمپنی اب بھارت کے مگ۔21 جنگی طیاروں کے ناکارہ الیکٹرانک سسٹم کو Up grade کرنے کا ٹھیکہ حاصل کر چکی ہے۔ ان معلومات کو ماہرین ابھی معمولی (Tip of Ice Berg) قرار دے رہے ہیں کہ انہیں بھارت کے اخبارات سے اخذ کیا گیا ہے لیکن اصلی راز کیا ہیں، یہ ابھی آنکھوں سے مخفی ہیں۔ گزشتہ سال اسرائیل نے بھارت کو فالکن آواکس طیارے فروخت کرنے کی کوشش کی تھی مگر امریکہ کے دباؤ پر فراہمی روک دی گئی کیونکہ پاکستان اور بھارت جنگ کے دہانے پر کھڑے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسرائیل نے اسی طرح ایک اور ڈیفنس ڈیل چین سے بھی کی تھی مگر جب امریکہ نے اسرائیل کو ایٹمی جنگ کی دھمکی دی تو وہ اس ''حرکت'' سے باز آ گیا۔

تعلقات کے اس پس منظر میں ایک انگریزی معاصر نے سوال اٹھایا ہے کہ کیا بھارت اور اسرائیل کے ان بڑھتے ہوئے تعلقات کی وجہ سے پاکستان اور اس کی سلامتی

پر (منفی) اثرات مرتب ہوں گے؟ اور پھر اس کا جواب دیتے ہوئے مذکورہ اخبار لکھتا ہے: ''پاکستان پر اس کے اثرات منفی بھی ہو سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ پاکستان ایک عجیب و غریب صورت حال میں پھنسا ہوا ہے۔ ان حالات میں بھارت اسرائیل بڑھتے ہوئے تعلقات کا توڑ کرنے کے لیے پاکستان کچھ بھی کرنے سے قاصر ہے کیونکہ پاکستان، اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا۔ پاکستان کے لیے ایک چھوٹا سا در یہ ۱۹۹۳ء کے اواخر میں کھلا تھا جب فلسطین اور اسرائیل نے اوسلو معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ لیکن (پاکستان) اس سے بھی فائدہ اٹھانے سے قاصر رہا۔ اب تو یہ کام مزید مشکل ہو چکا ہے کیونکہ اسرائیل میں دائیں بازو کے انتہا پسندوں کی حکومت ہے۔''

بھارت اور اسرائیل نے تقریباً ایک ہی وقت میں آزاد ریاستوں کی شکل اختیار کی تھی۔ بھارت نے ابتدا میں تقسیم فلسطین کی مخالفت کی تھی اور جب اسرائیل کو اقوام متحدہ کی رکنیت دی گئی تو بھارت نے اس کے خلاف ووٹ دیا تھا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کی عرب نواز پالیسی نے کئی عشروں تک بھارت اور اسرائیل کو ایک دوسرے کے قریب نہ آنے دیا۔ ستر کی دہائی میں بھارت کے پالیسی سازوں نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا آغاز کیا۔ اسی عرصے میں بھارت نے تل ابیب سے گولہ باری کا ساز و سامان بھی خریدا۔ ۱۹۸۴ء میں بھارت نے اپنے سینئر ایٹمی سائنسدانوں پر مشتمل ایک مشن کو خفیہ طور پر اسرائیل بھیجا جنہوں نے اسرائیل سے جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کی معلومات حاصل کیں۔ ۱۹۹۲ء میں بھارت اور اسرائیل کے درمیان باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔

سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد بھارت نے جدید ترین ہتھیاروں کے حصول کے لیے اسرائیل کا رخ کیا کہ اسرائیل کے بیشتر ہتھیار اس کے خود تیار کردہ ہیں۔ اسرائیل کی نظریں پہلے ہی بھارت کی وسیع منڈی پر لگی تھیں، چنانچہ جونہی بھارت

نے جھکاؤ ظاہر کیا، اسرائیل کی دفاعی صنعت نے بھارت کی منڈیوں میں پاؤں جما لئے۔ پھر بھارت کو ہتھیار فراہم کرنے کے لیے اسرائیل کسی دھمکی کی پرواہ بھی نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے محاذ پر اسرائیل، بھارت کو جدید ترین ہتھیار فراہم کر کے پاکستان کو زک پہنچانا اور نیچا دکھانا چاہتا تھا کیونکہ پاکستان اپنی مشرق وسطی پالیسی میں فلسطینی مقاصد کی حمایت میں سب سے پیش پیش تھا۔ اسرائیل کے اس خبثِ باطن سے بھارت نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ بھارت بڑی ہوشیاری سے اسرائیل کے بین البراعظمی میزائلوں پر بھی نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ بھارت کی خواہش ہے کسی طرح یہ میزائل (Arrow) حاصل کرے۔ اور اگر بھارت کسی طرح سے ان خطرناک اور طاقتور میزائلوں کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس سے جنوبی ایشیا کے دفاعی توازن کو بری طرح دھچکا لگے گا۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون عین اس موقع پر بھارت کا دورہ کر رہے ہیں جب اسرائیل اور بھارت بڑی تندہی سے امریکہ کے اشارے پر اپنے اپنے دشمنوں اور حریفوں سے پرانے تنازعات کے خاتمے اور امن کی شروعات کے لئے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اگرچہ اسرائیل کے ساتھ بھارت نے تعلقات مستحکم کر لئے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پاکستان بالخصوص افواج پاکستان، اسرائیل کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ افواج پاکستان کے اندر اسرائیل کے بارے میں کیسی سوچ پروان چڑھ رہی ہے، اس بارے میں امریکہ کے ممتاز دفاعی دانشور اور محقق سٹیفن پی کوہن نے اپنی معرکہ آرا کتاب Pakistan Army میں جگہ بہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس کتاب کے صفحہ ۹۹ پر مصنف نے ایک حیرت انگریز بات لکھی ہے: ''جب پاکستان کے کرنلوں اور بریگیڈیئروں کے ایک گروپ سے پوچھا گیا کہ پاکستان کی کس فوج اور ملک سے سب سے زیادہ مشابہت ہے تو انہوں نے تقریباً یک زبان ہو کر کہا: ''اسرائیل''!

کوہن مزید لکھتا ہے: ''وہ (افواج پاکستان) عربوں کی جدوجہد کے حامی ہیں اور ضرورت پڑنے پر اسرائیل سے جنگ پر بھی آمادہ ہوں گے مگر وہ اسرائیلی ڈھانچے کو تقریباً ہو بہو پاکستان جیسا تصور کرتے ہیں اور وہ (پاکستانی فوجی) اسرائیلی فوجی قوت سے بے حد متاثر ہیں۔ پاکستانی فوجی افسر دوسری مشابہتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ مثلاً اسرائیل بھی بٹوارے کے نتیجے میں وجود میں آیا، اس کا فوجی ورثہ بھی برطانوی ہے جس پر امریکی افواج سے وسیع روابط کے اثرات پڑے ہیں اور اس کا وجود بھی مظلوم ہم مذہبوں کو وطن فراہم کرنا ہے۔'' یہ امریکی محقق آگے چل کر لکھتا ہے: ''سب سے بڑھ کر پاکستانی فوج اسرائیلی دفاعی افواج کی ثابت قدمی اور اہلیت کو پسند کرتی ہے..... پاکستانی اپنے وطن کو ایک دوسرا اسرائیل سمجھنا پسند کرتے ہیں جس کے پاس ایک مضبوط، چھوٹی، تعداد میں بہت کم لیکن بالآخر سرخرو آرمی ہو اور جس کی قوت کا سرچشمہ مشترکہ مذہب اور جدید فوجی ٹیکنالوجی ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ افواج پاکستان ہمہ دم اسرائیل کے وجود اور اس کی سرگرمیوں سے واقف ہے لیکن معاملہ گھوم پھر کر وہیں آ جاتا ہے کہ جب اسرائیل، بھارت اور امریکہ سہ فریقی محور کی شکل اختیار کر لیں تو پاکستان اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟

بھارت اور اسرائیل کے درمیان بڑھتے ہوئے فوجی تعلقات پر پاکستان کو بجا طور پر تشویش ہے۔ پاکستان نے اس سلسلے میں امریکہ کو بھی اپنی تشویش سے آگاہ کر دیا۔ ایک سینئر امریکی سفارتکار لنکن پی لوم فیلڈ (نائب امریکی وزیر خارجہ برائے سیاسی و فوجی امور) نے پاکستان کی اس تشویش کو کم کرنے کے لیے اسی سلسلے میں ۲۴ مئی ۲۰۰۳ء کو اسلام آباد میں پاکستان کے سیکرٹری دفاع حامد نواز سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات دراصل مئی ۲۰۰۳ء کے وسط میں ایک اور نائب امریکی وزیر خارجہ (برائے تخفیف اسلحہ) سٹیفن جی ریڈی کی اسلام آباد میں پاکستان کے سینئر فوجی حکام سے ملاقاتوں کا تسلسل تھا مگر ان ملاقاتوں کا

مفصل احوال اخبارات کے کانوں تک نہ پہنچ سکا۔ فوج کے ادارے آئی ایس پی آر کی طرف سے بس یہ مختصر اور مبہم سا بیان اخبارات کو جاری ہو سکا ''دونوں ممالک' امریکہ اور پاکستان کے سینئر افسروں نے باہمی دلچسپی کے معاملات پر گفتگو کی۔'' قوم منتظر ہی رہی کہ ان ملاقاتوں میں اگر بھارت اسرائیل بڑھتے ہوئے تعلقات پر کوئی گفتگو ہوئی ہے تو اسے سامنے لایا جائے گا مگر اے بسا آرزو کہ...... اسی دوران انگریزی معاصر ''دی نیوز'' میں ۲۵ مئی ۲۰۰۳ء کو امریکی وزیر خارجہ رمز فیلڈ کے اس آرٹیکل کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف عیاں ہوتا ہے کہ امریکہ رواں لمحوں میں ہر طرح سے دفاعی میدان میں بھارت کی پشت پناہی کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسرائیل اگر بھارت کو خطرناک اسلحہ فروخت کر رہا ہے تو اسے کھلی چھٹی دی جا چکی ہے۔

ایک طرف بھارت جدید اسلحے کے حصول کے اسرائیل کی گود میں بیٹھ گیا ہے اور دوسری طرف پاکستان کے وزیر اطلاعات ونشریات جناب شیخ رشید احمد، جنہیں صدر مملکت جنرل پرویز مشرف اپنا ترجمان قرار دے چکے ہیں، نے کہہ دیا ہے کہ پاکستان ایک حد تک خود کو غیر مسلح کرنے پر تیار ہے۔ ۲۴ مئی ۲۰۰۳ء کو امریکی دورے کے دوران شیخ رشید احمد نے وائس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: ''اگر پاکستان کے تحفظ اور سلامتی کی ضمانت دی جائے تو ایک محدود حد تک ہم غیر مسلح ہونے کے لیے تیار ہیں، تاہم پاکستان خود کو پوری طرح غیر مسلح یا اپنا ایٹمی پروگرام رول بیک نہیں کر سکتا۔'' حیرانی کی بات ہے کہ پاکستان کے تحفظ اور سلامتی کی درخواست اس امریکہ سے کی جا رہی ہے جسے پاکستان کئی بار آزما چکا ہے اور یہ درخواست ایسے مملک کی طرف سے کی جا رہی ہے جس ملک کے باسیوں کو قرآن نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ اپنے گھوڑے ہر وقت تیار رکھیں۔

اس دوران پاکستان کے سیکرٹری خارجہ ریاض کھوکھر کا ایک بیان قدرے اطمینان بخش سامنے آیا ہے جس میں پاکستان کی تشویش اور عزم بجا طور پر جھلکتا ہے۔ ۲۶ مئی

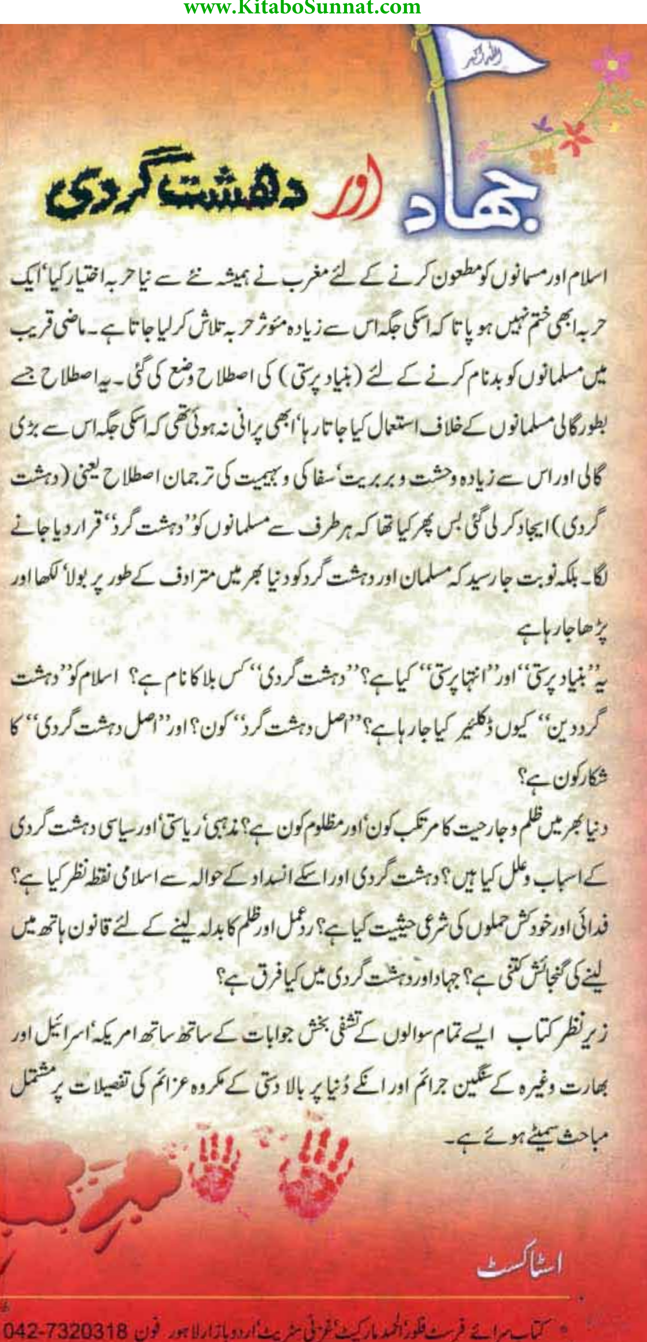
۲۰۰۳ء کو ریاض احمد کھوکھر نے ویانا میں اقوام متحدہ کے تخفیف اسلحہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''امریکہ کی طرف سے اس بات کی تصدیق کے بعد کہ اس نے جدید ترین اسرائیلی ائیر بورن فالکن ریڈار سسٹم کی بھارت کو فروخت کی منظوری دے دی ہے، پاکستان کوشش کرے گا کہ اس کا توڑ کرے۔ ہم بھی اسرائیلی ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلحے کی عالمی منڈی کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوں گے۔'' انہوں نے کہا کہ اسرائیل کی طرف سے بھارت کو اسلحے کی فروخت کے بعد خطے کا توازن بگڑ جائے گا مگر ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

یہ تو معلوم تھا کہ بھارت میں یہودی آباد ہیں جن میں سے بہت سے یہودی ہجرت کر کے اب اسرائیل میں آباد ہو چکے ہیں۔ یہی بھارتی یہودی اسرائیل کو بھارت کے قریب لانے میں بھی اپنا ایک مخصوص کردار ادا کر رہے ہیں لیکن اب ایک نیا انکشاف ہوا ہے کہ پاکستان میں بھی یہودی آباد ہیں اور ان میں سے بعض تو وفاقی حکومت میں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہیں۔ مثلاً ہفت روزہ ''انڈی پینڈنٹ'' (اشاعت یکم تا ۷ مئی ۲۰۰۳ء صفحہ ۱۵) نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں بتایا ہے کہ اس وقت وفاقی حکومت میں ۱۰ یہودی افسر، جن کی شہریت پاکستانی ہے، مختلف عہدوں پر فائز سرکاری خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایک سرکاری رپورٹ میں سکیورٹی کے نقطۂ نظر سے ان یہودی وفاقی ملازمین کے نام تو نہیں بتائے گئے لیکن ان کے گریڈ اور ان کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً اس رپورٹ کے مطابق پاکستان کی وفاقی حکومت میں ایک پاکستانی یہودی سکیل ۱۸ میں کام کر رہا ہے، ایک سترہ سکیل میں، چار یہودی گریڈ ۱۶ میں، ایک چودہ سکیل میں اور تین یہودی گریڈ ۱۳ کے عہدے پر کام کر رہے ہیں۔

پاکستانیوں کی اکثریت اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلقات استوار کرنے کی حامی نہیں ہے۔ یہ خیال پاکستان سے ہجرت کر کے دیارِ مغرب

میں بھی جا پہنچا ہے۔ اسرائیل اسی خیال کی وجہ سے پاکستان کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ۲۱ مئی ۲۰۰۳ء کو ایک خبر آئی: ''لندن میں اسرائیلی سفارتخانے نے اس امر کی تصدیق کر دی ہے کہ اسرائیلی حکومت نے پاکستان نژاد اور دیگر برطانوی شہریت کے حامل مسلمانوں کے اسرائیل میں داخلے پر پابندی لگا دی ہے۔ اسرائیل نے یہ اقدام حالیہ فدائی حملے میں دو پاکستانی نژاد برطانوی شہریوں کے ملوث ہونے کے نتیجے میں اٹھایا ہے۔ دریں اثناء برطانیہ کے پولیس سکاٹ لینڈ یارڈ نے برطانیہ بھر میں پولیس سٹیشنوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے علاقے میں مقیم ایسے مسلمانوں کے بارے میں جن کے بارے انہیں خدشہ ہے کہ وہ انتہا پسند ہیں، کی حرکات وسکنات پر خفیہ انداز میں نظر رکھیں۔ ذرائع کے مطابق ''یہ قدم اسرائیلی حکومت کے احتجاج پر اٹھایا گیا ہے'' اس خبر کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو یہ بات کسی قدر سمجھ میں آتی ہے کہ اسرائیل آگے بڑھ کر بھارت سے پینگیں بڑھانے میں اتنا اشتیاق کیوں رکھتا ہے؟!! (بشکریہ ماہنامہ 'الاخوہ' لاہور، جولائی ۲۰۰۳ء مضمون نگار 'تنویر قیصر شاہد')





جہاد اور دہشت گردی

اسلام اور مسمانوں کو مطعون کرنے کے لئے مغرب نے ہمیشہ نئے سے نیا حربہ اختیار کیا' ایک حربہ ابھی ختم نہیں ہو پاتا کہ اسکی جگہ اس سے زیادہ مئوثر حربہ تلاش کر لیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے (بنیاد پرستی) کی اصطلاح وضع کی گئی۔ یہ اصطلاح جسے بطور گالی مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا' ابھی پرانی نہ ہوئی تھی کہ اسکی جگہ اس سے بڑی گالی اور اس سے زیادہ وحشت و بربریت' سفاکی و بہیمیت کی ترجمان اصطلاح یعنی (دہشت گردی) ایجاد کر لی گئی بس پھر کیا تھا کہ ہر طرف سے مسلمانوں کو ''دہشت گرد'' قرار دیا جانے لگا۔ بلکہ نوبت جا رسید کہ مسلمان اور دہشت گرد کو دنیا بھر میں مترادف کے طور پر بولا' لکھا اور پڑھا جا رہا ہے

یہ ''بنیاد پرستی'' اور ''انتہا پرستی'' کیا ہے؟ ''دہشت گردی'' کس بلا کا نام ہے؟ اسلام کو ''دہشت گرد دین'' کیوں ڈکلیئر کیا جا رہا ہے؟ ''اصل دہشت گرد'' کون؟ اور ''اصل دہشت گردی'' کا شکار کون ہے؟

دنیا بھر میں ظلم و جارحیت کا مرتکب کون' اور مظلوم کون ہے؟ مذہبی' ریاستی' اور سیاسی دہشت گردی کے اسباب و علل کیا ہیں؟ دہشت گردی اور اسکے انسداد کے حوالہ سے اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟ فدائی اور خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ردعمل اور ظلم کا بدلہ لینے کے لئے قانون ہاتھ میں لینے کی گنجائش کتنی ہے؟ جہاد اور دہشت گردی میں کیا فرق ہے؟

زیر نظر کتاب ایسے تمام سوالوں کے تشفی بخش جوابات کے ساتھ ساتھ امریکہ' اسرائیل اور بھارت وغیرہ کے سنگین جرائم اور انکے دُنیا پر بالا دستی کے مکروہ عزائم کی تفصیلات پر مشتمل مباحث سمیٹے ہوئے ہے۔

اسٹاکسٹ

- کتاب سرائے فرسٹ فلور' الحمد مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور فون 042-7320318
- نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ' اردو بازار لاہور فون 042-7321865
- بک سنٹر حیدر روڈ' راولپنڈی (صدر)